زندگی

چوہدری افضل حق

عنوانات

......☆☆☆......

باب اول

معمائے آفرینش

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر

سپیدہ صبح دلہن کی نیند سے کھلنے والی آنکھوں کی طرح آہستہ آہستہ نمودار ہورہا تھا اور موسم طفل معصوم کے تبسم سے زیادہ خوشگوار تھا۔ پرندے اپنے دلکش نغموں سے کلیوں کو بیدار کررہے تھے اور میں شوالک کی چوٹی پر اپنی کٹیا میں بیٹھا قدرت کے عالم فریب حسن کو دیکھ کر خدائے قدیر کی حمد میں ترانہ ریز تھا۔ یک بیک کسی نے چٹان کے عقب سے ساز کے تاروں کو ہلکے ہلکے چھیڑا۔ مضراب کی بے قاعدہ چوٹ باقاعدہ نغمے میں تبدیل ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سریلی نسوانی آواز نے اٹھ کا ایک بحر ناپیدا کنار بہادیا جس کی امواج مسرت سے میری کشتی حیات ہچکولے کھانے لگی۔ بوئے گل اور نغمہ شیریں انسان کا دامن پکڑ کر کھینچتے ہیں۔ مجھے راگ نے مغنی کا شوق دلایا۔ میں اٹھا تا کہ دیکھوں کہ کس نے میرے پرسکون دل میں تلاطم پیدا کردیا ہے میں بڑھا مگر افسوس کہ راگ ختم اور ساز خاموش ہو چکا تھا میں نے چٹان کی نکڑ سے آگے بڑھ کر جو کچھ دیکھا وہ بازیافت ہے قصہ کلیم وطور کی محرابی چٹان کے نیچے سادہ مگر پاکیزہ لباس میں ایک حسن کی دیوی ساز ومضراب لئے بیٹھی تھی کہ کوئی ترانہ چھیڑے میری آہٹ پاکر اس نے اپنی نرگسی آنکھیں اٹھائیں جرأت شکن تیوروں کو دیکھ کر قدم رک گئے۔ میں اس عقیدت مند اچھوت کی طرح کھڑا رہ گیا جسے صرف دور سے دیوی کے درشن کی اجازت تو ہے مگر مندر میں داخل ہوکر پاؤں چھونے کا حکم نہیں۔

سورج کرنوں کا زریں تاج لے کر اس ملکہ حسن کی رسم تاجپوشی ادا کرنے کے لئے نکلا وہ اٹھی۔ پہاڑی سے اتری اور دامن کوہ کے سبزہ زار میں خاموش ندی کی طرح چلی گئی۔ میں اسے اس طرح حسرت سے دیکھتا رہ گیا جیسے منزل سے دور افتادہ اور درماندہ مسافر غروب ہوتے ہوئے آفتاب کو۔ اس کے بعد آنکھیں شوق دید میں ہمیشہ فرش راہ رہنے لگیں۔ میں کٹیا کے دروازے پر امید لے

کر بیٹھتا لیکن مایوسی سے کراٹھتا تھا۔ دن پر دن گزرتے گئے مگر اس کا گزر نہ ہوا۔ ایک دن کسی کے پاؤں کی آہٹ پاکر امیدیں پھر بیدار ہوئیں۔ زبان پکاری "خدایا وہی ہو" معلوم ہوا کہ آج تاثیر دعا کے ہاتھ بک چکی تھی۔ وہ دلآرام دروازے کی دہلیز پر کھڑی تھی اور چاہتی تھی کہ اندر داخل ہو کر رونق کاشانہ بنے لیکن میرے گھر کی تنگی اور تاریکی سے کچھ وہ پریشان اور اس کے شایان شان سامان نہ ہونے سے میں حیران اسے بٹھانے میں جھجک اور مجھے اٹھانے میں تردد تھا۔ آہ میری بےبسی کو کون شاعر بیان کرے:

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

آخر وہ مایوس ہو کر لوٹ گئی۔ مدت تک میرے خواب و خیال کی دنیا پر اس کی حکمرانی رہی۔ صنم آشنا ہوتے ہی میں درد آشنا بھی ہو گیا۔ ساز و سرود انیس تنہائی بنے ایک دن میں مست سرود تھا شام دن کی زندگی ختم کر چکی تھی طیور بسیرا ڈھونڈ رہے تھے۔ بادلوں میں کچھ زردی باقی تھی۔ مجھے افسوس ہوا کہ میرے نغموں کے ساتھ کسی اور کے نغمے بھی ملے ہوئے ہیں میں چونکا پلٹ کر دیکھا تو وہی مغنیہ تھی اور مست سرود ہو کر اپنا رباب بجا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر پرانے زخم تازہ ہو گئے۔ میں نے شرم کے مارے منہ ڈھانپ لیا کچھ دیر کے بعد آنکھیں کھولیں تو میں تنہا تھا۔ ماہتاب ستاروں کی فوج میں گھر اتھا۔ تیتریاں روشنی میں خوش وقت ہو رہی تھیں۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا تقدیر بگڑ کر بن گئی موسم بہار جا کر آ گیا۔

صبح اٹھا۔ میرا دل سینے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ جدھر نظر اٹھتی تھی قدرت باغ باغ دکھائی دیتی تھی۔ گلزار سبز پوش پھولوں کے زیور پہنے کھڑے تھے ہوا بہار کی تعریف میں گنگنا رہی تھی اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مسکراتی ہوئی آئی اور آنکھ مچولی کھیلنے والوں کی طرح پیچھے سے میری آنکھیں بند کر کے کہا کہ "میں اب تیری ہو گئی" اس احساس سے کہ وہ اب میری ہو گئی ہے۔ میرے دل میں مسرت کا سمندر امڈ آیا اور میں بےبس تنکے کی طرح اس میں بہتا چلا گیا۔ جب میں نے ذرا اپنے آپ کو اور اسے ایک نئے مقام اور نئے لوگوں میں پایا اس دنیا میں اچانک آ نکلنا طلسم ہوشربا کے افسانے سے کیا کم تھا لاکھ سر مارا خاک سمجھ نہ آئی کچھ مدت رعب حسن مانع سوال رہا آخر مناسب موقع پا کر میں نے اس طلسماتی ملکہ سے آوارہ وطنی کی وجہ پوچھی تو اس نے کلی کی طرح مسکرا کر کہا کہ "اے جویائے راز! اس بےنیاز نے اس آب و ہوا میں ہماری نشو و نما کی از بس صلاحیت رکھی

ہے۔ متروک ملک میں یہ ممکن نہ تھا۔ اس سرزمین میں تم کوئی ایسا سر نہ دیکھو گے جس میں ترقی کی
سودا نہ ہو۔ ہمت کے معرکوں کا یہی میدان ہے۔"
"مگر محبوب! تمھیں یہ بات کس نے بتائی؟ ہم یہاں کیوں کر پہنچے؟"
"میں شوالک کی بلند ترین چوٹیوں پر ایک دن مست خرام تھی اور اپنا رباب بجاتی اور خدا کی
حمد گاتی تھی جنت کی خوشبو سے بسی ہوئی ہوا میں یکا یک الاسکی کے آوارہ پیغام کی طرح ایک خاص
حرکت محسوس ہوئی۔ میں نے غور کے کانوں سے سنا تو قدسیوں کی زبان کو اپنے ہی متعلق رطب
اللسان پایا۔ دوری مقام کی وجہ سے میں تمام رازوں سے کما حقہ تو واقف نہ ہو سکی مگر جس قدر بھی سنا
یقیناً تم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ قدسیوں کے لطیف اشاروں کو جنس لطیف ہی سمجھ سکتی ہے۔"
اس طوطی شکر ریز نے آخری الفاظ کی ظاہری تلخی کو اپنے حسن بیان سے دور کر دیا میں جان گیا
کہ اسے افشائے راز میں تامل ہے اور حقیقت کو الفاظ کے پردے میں مستور رکھنا چاہتی ہے اس لئے
میں نے بھی اسی کا سا انداز تکلم اختیار کر کے کہا کہ اے جان جاں! میں خوب جانتا ہوں کہ میں جسم
کثیف ہوں اور تو روح لطیف۔ کہاں خاک اور کہاں عالم پاک۔ میں متشکک تو نہیں ہاں متجسس
ضرور ہوں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں وطن مالوف یہاں سے کتنی دور ہے؟ اس پری رو نے چھوٹے سے
خوبصورت منہ سے ایک بڑا خوشگوار قہقہہ لگایا اور کہا۔ "دھند کا باریک پردہ درمیان میں ہے۔ نظر اٹھاؤ
تو دور دکھائی دیتا ہے۔ چل پڑو تو چشم زدن میں جا پہنچو۔" جس طرح آنکھ کھلنے پر ہم نے اپنے آپ
کو یہاں پایا۔ بس آنکھ بند ہوتے ہی وہاں موجود چند ے یہیں قیام کرو سود وزیاں کو پہچانو منفعت
مال پر ہاتھ ڈالو گھاٹے کا سودا نہ کرو تا کہ مراجعت وطن پر امن رہے اور عیش میں بسر ہو۔ مبارک ہوگا
وہ دن جب ہم گوہر مقصود سے مالا مال ہو کر لوٹیں گے۔
اس نے تو بات ختم کر دی لیکن میں علامت استفہام بنا بیٹھا رہا۔ میرے لئے یہ نزدیک و دور کا
معما ابھی تک حل طلب تھا۔ مجھے عالم استعجاب میں پا کر مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی اک
ادائے مستانہ سر سے پاؤں تک چھا گئی۔ ایک غلط انداز نگاہ سے اس نے مجھے دیکھا تا کہ معلوم کرے
کہ اس کی ان باتوں کا مجھ پر کیا اثر ہوا ہے میں نے اس کا مطلب پا کر قصہ ختم کرنے کے لئے کہا
کہ "اے دیوی تو عقل کل ہے اور میرا علم محدود۔ مجھے یارائے کلام نہیں۔"
مذہباً تو ہم شوالک کی چوٹی ہی پر ایک دوسرے کے شریک زندگی ہو چکے تھے۔ رسماً آج چند
ہمسایوں کی موجودگی میں قاضی کی وساطت سے میاں بیوی بنے اور اسی جگہ یک جان ہو کر جوانی کی

راتیں اور مرادوں کے دن بسر کرنے لگے دل محبوب کی محبت کا گرویدہ تھا اور آنکھ ہر وقت اس کے حسن بے مثال کی تماشائی اس کی شاذ شاذ فرمائشیں بار خاطر نہ تھیں میری استطاعت سے بڑھ کر کبھی کوئی مطالبہ نہ ہوتا تھا۔ وہ نور ہدایت تھی اور سخت گیر نہ تھی میری کوتاہیاں اشاروں اور کنایوں میں بتا دیتی تھی میری کمزوریوں کی پردہ پوشی کرتی تھی اور میرے حسن عمل پر............ تحسین و آفرین کے پھول برساتی تھی۔

ترغیب گناہ:

میں جلد ہی محکمہ انصاف میں ملازم ہو گیا محنت اور تدبیر سے میں نے اپنی تقدیر آپ بنانی شروع کی اور تھوڑے ہی عرصے میں خاصا سرمایہ جمع کر لیا۔ ایک دن علی الصبح میں گھر سے نکل کر سیر کو گیا۔ سورج سردی میں کانپتا نکلا اور جاڑے کی تاب نہ لا کر پھر کہر کے لحاف میں دبک گیا۔ آنسو بھری آنکھوں کو جس طرح چیزیں دھندلی دکھائی دیتی ہیں عین وہی عالم تھا۔ میں نے اس دھند کے میں کسی کو اپنی طرف اس طرح آتے دیکھا جیسے موسلا دھار بارش کے وقت سطح سمندر پر بادبانی کشتی۔ آنے والے نے چند قدم پر آ کر سلام کیا۔ نزدیک آ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا میں نے سلام کا جواب دے کر ہاتھ ملایا۔ یہ ایک معمر بزرگ تھے۔ سفید انگرکھا زیب تن تھا۔ ڈاڑھی ناف سے بھی قدرے نیچی تھی۔ مونچھیں تراشیدہ تھیں۔ ایک لمبی تسبیح کے دانوں پر انگلیاں اس طرح پھر رہی تھیں جیسے کہنہ مشق استاد کی انگلیاں ہارمونیم پر اس نے مجھے یوں مخاطب کیا:

"محنت کش نوجوان! میں تجھ سے مل کر از حد مسرور ہوا ہوں تیری محنت اور دیانتداری کی شہرت نے مجھے تیرا گرویدہ بنا دیا ہے۔"

میں نے کہا "معزز بزرگ! میرے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ میں آپ جیسے بزرگوں کی نظر التفات کا مرجع بنا افسوس ہے زندگی کے ان لمحوں پر جو آپ کے قدموں سے دور محرومی میں بسر ہوئے" وہ مسکرا کر بولا۔ "اے وارفتہ حسن! جب کبھی یو تنگی عشق سے دل اکتا جائے تو میرے غریب خانے پر آ کر دل بہلایا کر وشالک کی پہاڑی لڑکی کے دلدادہ نوجوان! اس خاک نے اور کئی تابناک گوہر پیدا کئے ہیں۔ اگر نظر انتخاب اٹھے تو مایوس نہ لوٹے۔ مگر تیری سادہ لوحی قابل رشک ہے۔ تو سیپ ہی کو موتی سمجھ کر پھولا نہیں سماتا۔ اس وقت تو مجھے کچھ کام ہے کبھی شام کے وقت فرصت پاؤ تو کھڑے کھڑے غریب خانے تک ہو جانا۔ وہاں تیری دل لگی کے ہزاروں سامان ہوں گے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا نام اور پتہ بتایا اور مسکرا کر چلا گیا۔ اس کی پیشانی پر شکن اور آنکھوں میں

تند تیز چمک تھی۔ گویا وہ بڑا انسان تھا مگر اس کی گفتگو پایہ ثقاہت سے گری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

سارا دن میں اس ملاقاتی کی گفتگو کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا شام کو انہی خیالات میں مستغرق گھر لوٹا وہ حور میری آمد پر خوش ہوئی لیکن مجھے متفکر سا پا کر گھبرا گئی گویا لمحہ بھر کے لئے بہار آئی اور پھر خزاں چھا گئی میں اس کی گھبراہٹ کی وجہ سمجھ کر اپنے آپ کو مسرور ظاہر کرنے لگا اور مسکرایا۔ میری مسکراہٹ سے اس کی جان میں جان آئی پھر پھولوں بھرے باغ کی طرح کھل گیا اور وہ انتظام خانہ داری میں اس طرح پھرنے لگی جس طرح صحن چمن میں کبک خوش رفتار۔

جب وہ متاع خوبی کھانا لے کر آتی تو طعام کے ساتھ سلسلہ کلام بھی شروع ہو جاتا۔ کبھی میٹھی باتوں سے شکر ریزی کرتی کبھی چٹکلے سنا کر حدیث مائدہ میں نمکینی پیدا کرتی۔ اس طرح گھر کا نان و نمک من و سلوئی سے سوا مزہ دیتا میری زندگی کیا تھی؟ محبت و عشق کا اچھوتا راگ جو مسرت کی پری اطمینان کا جھولا جھول جھول کر گا رہی تھی۔

آج کھانا کھانے کے بعد میں نے کہا۔ "اے جان جاں! تو سمجھی تھی کہ تیرا راز صرف فرشتوں کے سینوں ہی میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن وہ کب کا بوئے گل کی طرح رسوائے زمانہ ہو چکا ہے۔"

اس نے ایک دلنواز تبسم کے ساتھ کہا۔ "میرے سرتاج! میرا کوئی راز نہیں ہے۔ البتہ میں خود راز ہستی ہوں بجز خالق اکبر میرا کوئی رازدار نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ دنیا کے دمبازوں کے فقروں میں نہ آ جائیں۔ میں تو ہر بلا و ابتلا سے مامون و مصئون ہوں۔ مجھے آپ کے گھر کی چاردیواری سے باہر نکلنا اور ہمسایہ عورتوں تک سے بات چیت ایسی ہی ناپسند ہے جیسے عروس نو کو سسرال کے گھر میں لب کشائی۔ مجھے آپ کی فکر دامنگیر ہے۔ آپ مرد ہیں۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ گناہ مردوں کے گرد و پیش اس طرح منڈلاتے رہتے ہیں جس طرح کالی کالی بلائیں رات کے وقت مرگھٹ میں۔"

میں نے اس بزرگ کی ملاقات کا حال سنایا اور ساری گفتگو دہرائی۔ جب بتایا کہ خان دوراں اس کا نام اور عشرت منزل اس کا مقام ہے۔ تو اس کا رنگ زرد اور جسم سرد ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل آئے۔ کاجل کی دھاریں رخساروں پہ بہہ نکلیں میں نے گھبرا کر کہا۔ "اے سرمایہ زندگانی! اس پریشانی کا کیا سبب ہے؟ کچھ مجھ پر بھی تو کھلے" اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن وہ ساون کی جھڑی کی طرح آنسو بہاتی رہی۔ شب تیرہ و تار تھی۔ ہوا کے تند جھونکے مکان سے ٹکرا رہے تھے۔ میں پوچھ پوچھ کر تھک گیا لیکن وہ رو رو کر نہ ہاری۔ آخر وہ روتے روتے لیٹ گئی۔ میں پوچھتے پوچھتے سو

گیا۔ جب آنکھ کھلی تو صبح مسکرا رہی تھی اور وہ پگلی لئے منہ ہاتھ دھلانے میرے سرہانے کھڑی تھی۔ اس کے گھونگریالے بال ہوا کے جھونکوں سے اس طرح لہرا رہے تھے گویا بحر حسن میں موجیں اٹھ رہی تھیں۔

روٹھی ہوئی رفیقہ حیات کو منانے کے لئے خود روٹھ جانا چلتا جادو ہے چنانچہ میں نے خلاف معمول ایسا ہی کیا صاف صاف کہہ دیا کہ نہ تو میں کھانا کھاؤں گا اور نہ گھر سے جاؤں گا۔ میں بناوٹ سے کھٹ کھٹ کرتا ہوا سیڑھیوں سے اترا اور آنگن سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا اور دروازے کو اندر سے زنجیر لگا کر چھپر کھٹ پر لیٹ گیا تھوڑی دیر کے بعد اپنی اس حرکت پر پشیمان سا ہونے لگا سوچا کہ وہ ناز برداریاں یا یہ تغافل شعاریاں۔ اس گوہر شب چراغ کو اپنی قدر معلوم نہیں ورنہ کہیں زینت محل ہوتی۔ چتر شاہی سر پر قربان ہوتا۔ تخت پاؤں چھوتا۔ حق تو یہ ہے کہ اس درشاہوار کی خاکساری نے مجھے قدر ناشناس کر دیا۔ اس کے پاؤں دھو دھو کر بھی پیتا تو حق ادا نہ ہوتا۔ میں دوڑ کر قدموں پر سر رکھ دینا چاہتا تھا کہ اس کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھٹکھٹا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”خدارا میرا قصور معاف کرو۔ باہر آؤ۔ جو پوچھو گے بتاؤں گی۔ جو کہو گے کروں گی۔“ اس پر میں اور بھی اکڑ گیا۔ وہ منت وزاری کر رہی تھی اور میں چپ سادھے پڑا تھا جب بار بار اس نے ہر سوال کا جواب دینے کا اقرار کیا تو میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

غم اس کے روئے زیبا پر اس طرح چھایا ہوا تھا جس طرح چاند پر بادل کا ایک آوارہ ٹکڑا۔ فاتحانہ مسکراہٹ میرے لبوں پر تھی۔ وہ مضمحل اور افسردہ ہو کر پلنگ پر جا بیٹھی۔ اس کے ہاتھ کی لگائی ہوئی کیاریوں پر اوس کے قطرے اس طرح ڈھلک رہے تھے جیسے مغموم دوشیزہ کے رخسار پر چند آنسو۔

میں نے کچھ تامل کے بعد وہی قصہ چھیڑا کہ اے راحت جان! جان دوران کا نام اور مقام سن کر تو کس لئے غمناک ہو گئی۔ وہ متانت سے بولی ”اے خوش بخت! دل کی بعض کیفیتیں زبان بیان نہیں کر سکتی۔ کل رات سے ایک غم میرے دل کو کھا رہا تھا جسے صرف آنسوؤں کی زبان ہی بیان کر سکتی تھی اور آپ کو اصرار کہ اسے میری زبان سے سنیں میں تعمیل ارشاد تو کیا چاہتی تھی مگر مناسب الفاظ نہ پا کر اظہار حال سے معذور تھی۔ ہاں اتنا کہہ سکتی ہوں کہ یہ کیفیت کل کے ایک خواب سے پیدا ہوئی ہے۔ تب سے اب تک طبیعت میں ایک بیقراری سی ہے۔ سنو وہ کیا خواب ہے۔“

”شوالک کی چوٹی پر گلزار کھلا ہے۔ پھول کھلکھلا رہے ہیں۔ کلیاں مسکرا رہی ہیں۔ نرگس ان کی

بہار دیکھ کر ہمہ تن چشم بنی ہے۔ چند دوشیزہ لڑکیاں آئیں۔ اپنی اپنی پسند کے مطابق ایک ایک پھول توڑ کر لے چلیں۔ مجھے بھی ایک گل کی رعنائی بہت بھائی۔ میں نے اسے شاخ سے توڑ کر سونگھا۔ آنکھوں سے لگایا اور ان لڑکیوں کے ساتھ ہو لی سب نے اپنا اپنا پھول دامن میں چھپا لیا مگر میں اپنے پھول کو ہاتھ میں لئے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ یکا یک سامنے سے چند ناز فروشان شوخ وشنگ آتی دکھائی دیں۔ انہوں نے کوشش کی کہ سب کے پھول چھین لیں۔ کسی نے زور اور کسی نے زاری سے اپنے پھولوں کو بچا لیا۔ فقط ایک میرے کام نہ زاری آئی نہ زور آیا۔ میرا پھول میرے ہاتھ میں تھا۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر چھین لیا۔ آہ! اگر میں جانتی تو اپنے پھول کو چھپائے رکھتی۔ میں چلاتی رہی کہ یہ پھول میرا ہے لیکن اس نے سونگھا اور کہا کہ نہیں اب یہ میرا ہے۔ میں رونے لگی۔ وہ ہنس دی۔ باقی دوشیزہ لڑکیاں اپنے پھولوں کو سینے سے لگائے جلد جلد قدم اٹھا کر چلی جا رہی تھیں۔ میں فرش گیاہ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ جس عورت نے میرا پھول چھینا تھا میں نے اسے پھر لجاجت سے کہا کہ خدارا میرا پھول مجھے دے دو۔ لیکن اس نے پھول کو چٹکیوں میں مسل کر کہا کہ یہ لو ساتھ والیاں بہت دور نکل چکی تھی۔ میں مایوس ہو کر اٹھی اور روتی دھوتی ان سے جا ملی انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لے کر چلنے سے انکار کر دیا کیونکہ میرا پھول پامال ہو چکا تھا۔"

اپنا خواب بیان کر کے وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر باچشم پرنم بولی۔ "اے میری زندگی کے پھول! اس خواب کی تعبیر تو خدا ہی جانتا ہے مگر جب سے آنکھ کھلی ہے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہوں۔"

اس کی سرمگیں آنکھوں سے آنسو اس طرح ٹپ ٹپ کرنے لگے جیسے ساون کی کالی گھٹاؤں سے بارش کے قطرے۔ اس سے پیشتر تو میں اسے محبت کا کنول سمجھتا تھا اور اپنے آپ کو اس کنول کا بھنورا لیکن آج یہ محسوس ہوا کہ میں گل ہوں اور وہ بلبل۔ اس احساس سے خوشی سینے میں یہ سمائی اور مسکراہٹ بن کر ہونٹوں پر آئی جنس لطیف کا محبت آشنا دل اتھاہ سمندر ہے اور مرد کی محبت ایک جوئے کم آب۔

اسے وارفتہ محبت پا کر مجھ میں آہستہ آہستہ سردمہری پیدا ہونے لگی شکر گزاری سے گردن جھکانے اور آنکھوں پر بٹھانے کے بجائے۔ میں اسے آنکھیں دکھانے لگا میری یہ طوطا چشمی دیکھ کر وہ نرگس کی طرح حیران ہو گئی۔ کہاں ابتدائے عشق کی وہ شوراشوری کہاں یہ انتہا کی بے نمکی۔ وہ میری خدمت گزاری میں اپنی عظمت سمجھتی تھی مگر میں جگر دوز طعنوں سے اس کا سینہ چھلنی کر دیتا۔ نوبت

یہاں تک پہنچی کہ گھر مجھے کاٹ کھانے کو آتا اور میں دروازے سے اندر قدم رکھتے سے گھبراتا۔

گناہ:

ایک دن شام کو وہی کوز پشت بوڑھا خان دوراں مجھے بازار میں ملا۔ گلے کا ہار ہو گیا کہ
ضرور میرے گھر کی رونق بڑھاؤ اور ماحضر تناول فرماؤ میں نے ہزار عذر کیے لیکن اس نے ایک
سنی۔ طوعاً و کرہاً اس کے ساتھ ہو لیا بازار اور گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک شاندار عمارت کے قریب
پہنچے۔ بجلی کے روشن قمقموں نے رات کو دن بنا رکھا تھا مکان کے گرداگرد ایک خوش نما باغیچہ
تھا۔ صدر ڈیوڑھی میں قدم دھرتے ہی میں اس خیال سے رکا مبادا اندر کوئی پردہ نشین ہو بوڑھا
مسکرایا اور بولا۔ "یہی راحت منزل ہے جس میں میں اور میری بیٹی عشرت جہاں رہتے ہیں۔ عشرت
جہاں پردہ کی پابند نہیں۔" میں آگے بڑھا غلام گردش میں متعدد خادم ملے جن میں کچھ عورتیں بھی تھیں
کم سن اور خوبصورت میں ان پر اچٹتی نظر ڈالتا ایک نہایت آراستہ کمرے میں داخل ہوا تھوڑی
کے بعد ایک خادمہ نے عشرت جہاں کی آمد کی اطلاع دی خان دوران دروازے کی طرف
بڑھا۔ میں صوفے سے اٹھا۔ ایک زہرہ تمثال کمرے میں داخل ہوئی۔ خان نے تعارف کرایا۔
اٹھلاتی مسکراتی دوسرے صوفے پر جا بیٹھی۔ مصفا چہرے پر بکھرے ہوئے سیاہ بال مطلع تاباں پر کالی
گھٹا کا سماں باندھ رہے تھے۔ چھلکتے ہوئے پیمانے سے ملتی جلتی آنکھیں سرور کی شراب برسا رہی
تھیں عشرت جہاں کیا تھی مصور قدرت کا ایک شاہکار۔ وہ باتوں سے پھول برساتی اور مسکرا کر بجلیاں
گراتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی اور الماری میں سے اپنے ہاتھ کی بنائی ایک تصویر اٹھا لائی۔ اس میں
ایک بلبل شیدا کو شاخ گل پر بیٹھے ہوئے دکھایا تھا جس کی نظریں پھول پر جمی ہوئی تھیں۔ خان دوراں
نے تصویر پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی اور کہا ماشاءاللہ خوب ہے۔ پھر تصویر میری طرف بڑھائی۔ میں فن
تصویر کشی میں چنداں ماہر نہیں۔ اپنی کم علمی کو چھپانے کے لئے منہ سے تو کچھ نہ بولا صرف سر ہلا کر
داد دی اور موضوع گفتگو بدلنے کے لئے باغیچے کی تعریف شروع کر دی۔ میں تو ادھر ادھر کی باتوں میں
لگا رہا لیکن وہ عشق کی گھاتوں میں مصروف تھی۔ اس کی ہر نگاہ غلط انداز میں ایک دعوت پنہاں
تھی۔ آخر دستر خوان پر کھانا چنا گیا میں تو دل و جگر کو کباب بنا رہا تھا اور نظروں کے تیر کھا رہا تھا اور خان
دوراں مجھے کم خوری کا مجرم ٹھہرا رہا تھا۔ انہی گلوں شکووں میں ہم دستر خوان سے اٹھے۔ میں نے عقل
و ہوش سے ہاتھ اٹھایا۔ باہم مقابل بیٹھے۔ اب عشرت جہاں کی طبع رسا نے میرے تفنن طبع
کا اور سامان کیا۔ بربط اٹھایا انگلی میں مضراب پہنی تاروں کو زبان ملی حسن یوسف کو لحن داؤدی عطا ہوا

در و دیوار پر وجد طاری ہوا اور فضا میں ایک سرور چھا گیا۔

پھر ناز و نیاز کا سلسلہ شروع ہوا لیکن تھوڑی دیر کے بعد معاملہ بگڑ گیا۔ حسن نے کمان ابرو سے مژگان کے تیر برسانے شروع کئے۔ میں ایک آہ بے اثر لے کر سینہ سپر ہوا مگر ایک ہی وار میں سینہ چھلنی ہو گیا۔ میں نے اک آہ کی اور اٹھا بدحواسی میں رخصت مانگی۔ خان دوراں بولا۔ پھر کب آؤ گے۔ جواب دیا کہ جب بلاؤ گے۔ زبان "خان" سے مصروف مکالمہ مگر آنکھ عشرت سے جویائے جواب تھی۔ عشرت جہاں نے سبقت کر کے کہا۔ "یہ وضع داریاں تکلف ہیں اور تکلیف مقراض محبت۔ آج رخصت لے کر جاتے ہو تو کل بن بلائے آؤ۔" میں نے تسلیم کے لئے سر جھکایا اور تعمیل حکم کا وعدہ کیا۔ خان دوراں سے رخصت لی اور عشرت جہاں کی طرف الوداع کہہ کر ہاتھ بڑھایا۔ اس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور بے تکلف ساتھ ہو لی ہم دروازہ سے نکل کر باغیچے میں پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ہاتھ بڑھا کر الوداع کہی اور چل دیا۔

آج کی سرگزشت سے دل باغ باغ تھا لیکن گھر پہنچا تو بیوی کو مغموم پایا۔ میں ابتدائے عشق میں برہمی مزاج کا یہ عالم دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ نہ میں نے کچھ پوچھا نہ اس نے کچھ کہا۔ میں نے پیادہ پٹی ادھر میں مار پیٹ کر سو گیا ادھر وہ پٹ بٹا کر پڑ رہی۔ صبح آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بے گناہ بیوی اپنی نازک انگلیوں سے میرے بالوں کو شانہ کر رہی ہے اس ادائے معصومانہ سے مراد یہ تھی کہ وہ ناکردہ گناہ ہر اس حرکت سے تائب ہے جو میری کدورت قلب کا باعث ہوئی۔

گھروں کے ہزاروں خوفناک جھگڑے نیک سرشت بیویاں ایسے ہی انداز دلجوئی سے مٹا دیتی ہیں شبنم کے آنسو مرجھائے ہوئے باغوں کو کھلا دیتے ہیں۔ میرا دل پگھل کر پانی ہو گیا۔ ندامت آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ میں خجالت سے رو دیا وہ اطمینان سے مسکرائی مجھے گدگدایا اور اٹھایا۔ رات کی سرگزشت رفت گزشت ہو گئی وہ کھانے پکانے میں مصروف اور میں کچہری جانے کو تیاری میں مشغول ہو گیا جب عدالت جانے کے ارادہ سے نکلا تو محبت کی راہ دور اور دشوار دکھائی ہاں محبت کی منزل قریب اور دلکش نظر آئی۔ چنانچہ میں قدم قدم پر رکا اور دم بدم ارادہ بدلا کدھر جاؤں کچہری کی طرف یا منزل محبوب کی سمت؟ چوک میں پہنچ کر قوت فیصلہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مجبور ہو کر گزرگاہ سے الگ ایک باغیچے میں بیٹھ گیا۔ تخیل نے درختوں کی سبز جھالر میں سے جھانک کر دیکھا تو منزل محبوب کا نظر فریب منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ ساقی بزم افروز کی بے گوں آنکھیں نوازشہائے پیہم میں مصروف تھیں۔ انگلیاں اسی طرح ساز پر رقص میں مصروف اور شیریں نغموں میں گرد و پیش کی ساری

فضا معمور خدا جانے میں کب تک اس خیالی بہشت میں طرب ونشاط کے مزے لوٹتا رہتا ناگاہ ایک خوبصورت تیتری حسن کے بازو پھیلائے روشنی میں کھیلتی نظر آئی۔ پل بھر میں وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش منظر مٹ گیا۔ اور زریں پروں والی کھلنڈری تھوڑی دیر دل بہلانے کے بعد درختوں کے سبز پتوں میں اوجھل ہوگئی۔

میں نے چاہا کہ پھر عشرت جہاں کے تصور کی تجلیات سے دل کو نورانی کروں لیکن خیال آیا کہ کب تک فرش خاک پر بیٹھا عالم افلاک کی سیر کرتا رہوں گا کچہری جانے میں دیر ہو رہی تھی میں گھبرا کر اٹھا بے اختیار دفتر کی طرف لپکا تخیل کی فسوں سازی کا کیا کہوں کہ کتنی بار کرسی عدالت سے بیٹھے بیٹھے وہ خلد نما منظر آنکھوں کے سامنے آیا اور گیا اور کتنی دفعہ وہ گھنگریالے بالوں اور گلابی گالوں والا محبوب دکھائی دیا اور روپوش ہوا میرا منشی مجھے عالم محویت میں پا کر حیران تھا۔ آخر بولا آج آپ کی طبیعت پریشان ہے میں نے ٹالتے ہوئے کہا کہ ہاں یونہی سر گرانی ہے میں وقت معینہ تک بادل ناخواستہ کچہری میں کام کرتا رہا پھر اٹھ کر گھر آیا۔ بیوی نے بلائیں لیں بوٹ اتارے کپڑوں کو برش کرنے لگی میں کسل اتارنے کے لئے کوچ پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں اس نے ایک منقش ڈبیہ لا کر دی کہ کسی نے شاید سوغات بھیجی ہے۔ کھولی تو مخمل کے ٹکڑے میں تھوڑا سا پارہ تھا اور بس وہ خفیف سی جنبش سے لرزش میں آ جاتا تھا۔ میں اس پیام محبت کو سمجھ گیا اور جی ہی جی میں عشرت جہاں کے ذہن رسا کی داد دینے لگا۔ اس شکل پر یہ عقل کون قربان نہ ہو میرا مخمل سا نرم دل سیماب سے زیادہ مضطرب اور بے قرار ہے۔ افشائے راز کے خوف سے ڈبیا کو جیب میں ڈال لیا۔

اب وفا کیش بیوی اور جذبات میں ہلچل ڈالنے والی اس عورت کے درمیان فیصلہ تھا صبح کے وہ آنسو ندامت سے بہے تھے عشق کی آگ کو جو اس شام ہجر کی بجھا نہ سکے میں محبت کی بہتی ہوئی پر سکون گنگا کو چھوڑ کر جوالا مکھی کے درشن کو چل نکلا۔ عشرت منزل پہنچا تو وہ اشتیاق سے ملی جیسے مدت کا بچھڑا اتفاقیہ آ ملتا ہے پھر بے تکلفی سے پوچھا کہ چائے پیجئے گا؟ میں نے کہا۔ میں تو چاہ کا بھوکا ہوں وہ بات پا کر محظوظ ہوئی۔ باورچی خانے کو بھاگی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آئی قالین کے ایک ابھرے ہوئے کنارے میں پاؤں الجھا اور گر پڑی اک نگاہ ناز سے میری طرف دیکھا اور امداد کے لیے ہاتھ پھیلایا۔ میں نے لپک کر اس بار عزیز کو اٹھایا اور قالین کے کنارے کو درست کیا تاکہ پھر اس "حادثہ جانفزا" کے وقوع کا احتمال نہ رہے۔ چوٹ لگنے کا کس کافر کو یقین تھا تاہم دست شوق ڈرتے ڈرتے اس کے پاؤں پر پڑے۔ اور پھر شوخی سے بڑھتے بڑھتے پنڈلی تک جا پہنچے۔ اتنے میں ایک نسوانی

آواز نے چلمن کے پیچھے سے پکارا کہ "چائے حاضر ہے۔"

چائے پی کر فارغ ہوئے تو عشرت جہاں بولی کہ اگر چاہ ہے تو نباہ کی فکر کرو دفعتاً مجھے اپنی عافیت کا خیال گزرا غیر کا گھر اور محبت کا یہ عہد و پیماں۔ دیوار بنی ہے اور تصویر دیکھتی ہے۔ وہ میرے سکوت کا منشا سمجھ کر بولی کہ یہ خانہ بے تکلف ہے اور میں آپ کی ادنیٰ کنیز۔ کسی کی موجودگی خوشیوں میں حارج نہیں ہو سکتی اور نہ میری آزادیاں کسی پابندی کی متحمل ہیں۔ میں نے کہا کہ آغاز شباب میں بزرگوں کی نگرانی سے خوردوں کی روگردانی آداب معاشرت کے قرین نہیں! جواب ملا کہ اول تو آداب معاشرت کے مشرقی قانون روشنی کے اس زمانے میں درخور اعتنا نہیں بفرض بحث اگر آپ کے مفروضہ کو درست مان لیا جائے تو میں بتا دینا چاہتی ہوں کہ قبلہ بزرگوار آزادی رائے اور آزادی عمل کے انتھک مفسر ہیں۔ ان کے نزدیک سوسائٹی کے قوانین کے خلاف افراد کی بغاوت ترقی کی دلیل ہے۔ میں نے مجبور ہو کر کہا۔ "آپ آزاد سہی مگر میں پابند ہوں خوبرو اور نیک خو بیوی میری تغافل شعاریوں پر صبر اور میری خطا کاریوں پر چشم پوشی کرتی ہے۔ کس جرم پر اس کو چھوڑوں کس طرح اور سے رشتہ الفت جوڑوں" اس نے میری محبت کو سکرا سکرا کر بیدار کرنے کی ناکام کوشش کی پھر التجا بھری نگاہ سے رحم کی درخواست کی وقت کی بات ہوتی ہے کہ میں ٹس سے مس نہ ہوا۔

اس نے میری طرف دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ سرخ سرخ ڈورے نرگسی آنکھوں میں نمایاں ہوئے آج مجھے حسین عورت کے آنسوؤں کا اثر معلوم ہوا جو کام دیو کے تیروں میں سب سے زیادہ بے خطا ہیں۔

"اے حسین عورت کی آنکھوں کے آنسوؤ!" تم سحر سامری سے زیادہ پر اثر ہو۔ وہ بہادر جو سیل حوادث سے منہ نہیں موڑتے تمہارے بہاؤ میں تنکوں کی طرح بہتے نظر آتے ہیں۔ تمہارے سکون میں طوفان ہے خاموشیوں میں ہنگامے ہیں بظاہر تم بے حقیقت سے نظر آتے ہو مگر دنیا کے ہزاروں انقلاب تمہارے شرمندہ احسان ہیں ہر قاعدے کی استثنا ہے ہر درد کی دوا ہے مگر تمہارے منتر کا کوئی جوڑ نہیں تمہارے جادو کا کوئی توڑ نہیں سب حربے بے جواب دے جاتے ہیں لیکن اے حسین عورت کے آنسوؤ! تم ہی وہ ہتھیار ہو جن کا وار کبھی اوچھا نہیں پڑتا روٹھوں کو منانے کے لئے بگڑوں کو بنانے کے لئے جہاں عقل تدبیر سے عاجز آ جائے تم ہی کام آتے ہو تاریخ عالم کا وہ پہلا حادثہ جسے ہبوط آدم سے تعبیر کیا جاتا ہے اے حوا کی بیٹی! صرف تجھ ہی کو معلوم ہے کہ کیونکر وقوع پذیر ہوا۔ قدسیوں کا معلم جب آدم کے پھسلانے میں تمام ترغیب و تحریص ضائع کر چکا تو آدم کو خدا کی نافرمانی پر آمادہ

کرنے والی حسین حوا کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے سوا اور کیا چیز تھی؟"

ہاں اس نے مجھے خمناک آنکھوں سے دیکھا اور میں مسحور ہو گیا مجھے مائل بہ عشق کرنے کے تمام سامان کیے گئے تھے تاکہ میرے لئے کوئی راہ گریز نہ رہے۔ تمام وہ سنگار حسن میں کشش پیدا کرتے ہیں وہ زیورات جو خوبصورتی میں افزائش کا باعث ہوتے ہیں عطر جو جذبات کا برانگیختہ کرتے ہیں ایمان کی غارت گری میں مصروف تھے خوشی کے برق رفتار لمحے گزر رہے تھے۔ رات ہو گئی کھانا کھایا اس مست شباب نے ساز کے تاروں کو چھیڑا۔ برقی قمقمے کی روپہلی شعاعیں اس کے خوبصورت بربط پر تڑپ رہی تھیں نغمے بیتاب ہو کر نکل رہے تھے۔ وہ گاتی تھی اور مسکراتی تھی۔ مسکراتی تھی اور گاتی تھی۔ اس سامان طرب پر دور شراب کا اضافہ ہوا۔ پہلے تو میں نے دخت رز کو منہ لگانے سے انکار کیا لیکن جب دست سیمیں گلے میں حمائل ہوئے تو میں مان گیا۔ چند گھونٹ حلق سے اترے ہی تھے کہ میں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

ضمیر کی ملامت:

گناہ کے ابتدائی مشاغل اکثر دلفریب ہوتے ہیں مگر انتہائی مراحل دل شکن ہوا کرتے ہیں۔ دو روز قبل میں شاداں و فرحاں گھر گیا تھا۔ آج متاسف اور پریشان ہو کر لوٹا۔ رفیقہ حیات نے میری طرف متجسسانہ دیکھا۔

میری حالت اس مجرم کی سی تھی جو موقع واردات پر پکڑا گیا ہو متاہل زندگی میں غیر کے گھر شب باشی کس کس طوفان کا باعث نہیں بنتی مگر عالی ظرف اہلیہ نے خطا کار خاوند کی غلطی پر چشم پوشی کی۔ باز پرس کے لئے زبان بھی نہ ہلائی آج سارا دن بیوی کی وفا شعاری میری عشرت پسندی پر غالب رہی مگر غروب آفتاب کے بعد طبیعت پھر بگڑی ادھر اس کی آنکھ لگی ادھر میں کھسکا اور آغوش عشرت میں جا کر دم لیا۔

حیا معصیت پسند انسان کے پاس ایک دو دفعہ ناصح مشفق بن کر آتی ہے۔ طریقے طریقے سے سمجھاتی ہے اگر نہ مانے تو اس کی کوتاہ اندیشی پر آنسو بہاتی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ عشرت جہاں سے ایسی راہ و رسم بڑھی کہ شرم و حیا اٹھ گئی۔ موسم کی مناسبت کو مدنظر رکھ کر لباس بنوا لانا میری خوشی کا جزو تھا آہستہ آہستہ چھوٹی چھوٹی فرمائشیں ہونے لگیں جنہیں میں خوشی خوشی پورا کرتا رہا پھر بڑے بڑے مطالبے پیش ہوئے مگر حسن طلب کی داد دیتا ہوں کہ اس کی کوئی بات گراں نہ گزری۔ پہلے پان پھر پاندان عطر کے بعد عطر دان مانگا گیا۔ کون سی بڑی فرمائش تھی جو

میں نے پوری کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک دن بولی کہ میری سہیلی کی ناک میں مچھلی کیا بھلی معلوم ہوتی ہے عرض کیا کہ بنوا دیں گے۔ پھر کہا کہ پڑوسن کے کنگن کی گھڑت کچھ اور ہی طرح کی ہے۔ میں نے کہا ویسی ہی لادیں گے ایک دن میں اس کے حسن گلوسوز کی تعریف کر رہا تھا کہ تیرا مکھڑا چاند کا ٹکڑا ہے کہا یہ مکھڑا جھومر کا محتاج ہے جواب دیا کہ یہ احتیاج بھی باقی نہ رہے گی۔ آہستہ آہستہ میں نے گھر جانا چھوڑا اور وہیں کا ہو رہا۔ میں نے کہا کہ تنخواہ تم ہی رکھا کرو وہ ہنس کر بولی حساب تو نہ مانگو گے؟ میں نے کہا قیامت کے دن۔

اگرچہ ہم بہت گھل مل گئے تھے مگر جام محبت کو دو آتشہ کرنے کے لئے کبھی یونہی بگڑ بیٹھتے تھے خان دوراں ثالث بالخیر بن کر آتا تھا۔ اسے سمجھاتا اور مجھے مناتا تھا غرض زندگی اپنی تمام دل فریبیوں کے ساتھ بسر ہو رہی تھی مگر تابہ کے وہ فضول خرچ میں لاپروا برسوں کی کمائی مہینوں میں اڑائی آپ جانتے ہیں کہ دخت رز بھوکے میخوار کے منہ نہیں لگتی نہ بے زر عاشق کو کوئی منہ لگاتا ہے۔ اب سب خوشیاں ایک ایک کر کے ترک موالات کرنے لگیں کچھ روز قرض لے کر وقت پورا کیا مگر پریشانیوں نے چھاؤنی ڈالی تفکرات نے ہجوم کیا معلوم ہوا کہ مقروض و مجبور ایک ہی منزل مصیبت کے دو مختلف مسافر ہیں جو تردوات کا پشتارہ سر پر اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔

غرض جاڑا جوں توں کر کے کٹا۔ بہار آئی یہ وہ موسم ہے جب جنت اپنی کچھ دلفریبیاں دنیا کو مستعار دے دیتی ہے مگر قرض کی پریشانی اور تنگ دستی نے موسمی تغیرات سے شاداں ہونے کا احساس لطیف مجھ سے چھین لیا۔

جب میں قرض خواہوں کے تقاضے پورے نہ کر سکا۔ تو تنخواہ کی ضبطی عمل میں آئی اور فاقہ کشی تک نوبت پہنچی ایک دن میں بیٹھا رمضان المبارک کی برکتوں کا باب پڑھ رہا تھا کہ خان دوراں میرے پاس آیا مجھے پریشان پا کر متردد ہوا۔ میں نے اپنی تنگ دستی کا حال عشرت جہاں کے باپ کو بھی نہ بتایا تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید میرا بھرم کھل گیا۔ تاہم خان دوراں نے نہایت ہمدردانہ طریقے سے حال دریافت تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ اس سے سب کچھ کہہ ڈالوں۔

جب اس نے حدیث فاقہ سنی تو مسکرا دیا اور کہا کہ تم حاکم وقت ہو لیکن تمہیں خزانوں کی خبر نہیں غور کرو گے تو دفتر کی مسلوں میں سونا بکھرا پاؤ گے۔ ضرورت مند عقلاء کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے۔ میں جان گیا کہ اخلاق سوزیوں کے بعد ضمیر فرشیوں کی راہیں دکھائی جا رہی ہیں اب رشوت ستانی کے سوا جس سے میرا دامن اب تک پاک تھا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ نئی راہ میں قدم رکھنا ہر چند

تردودات سے خالی نہیں مگر مجبوری نے مشکلیں آسان کر دیں منشی کو معاملہ سمجھا دیا وہ تو اشارے کا منتظر تھا اس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک پیدا ہوگئی اور خوشی سے بولا کہ غریب نواز دنیا کے کام اسی طرح چلتے ہیں پہلے تو میں ڈر ڈر کر بچوں کا پیٹ پالنے کا سامان کر لیا کرتا تھا اب صاف کہہ دیا کروں گا کہ انصاف کا چھکڑا عدالتی دلدل میں پھنسا ہے سرخ بیلوں کے بغیر اس کا نکلنا محال ہے۔

ایک دن قتل کا ایک ملزم میری عدالت کے سپرد ہوا ملزم کی صورت فقیرانہ تھی لیکن اس کی حرکات وسکنات شریفانہ تھیں۔ چہرے پر سفا کی علامتیں نہ تھیں بلکہ وقار و تمکنت ٹپکتی تھی۔ آنکھوں میں مجرمانہ چمک کی بجائے معصومانہ دلفریبی پائی جاتی تھی۔ جب کبھی وہ نظر اٹھاتا اثر کی ایک لہر ہر طرف دوڑ جاتی تھی اس کے خلاف عینی شاہد پیش ہوئے تاہم میرا دل اس کی بے گناہی کا فتویٰ دیتا تھا باوجود وکیل سرکار کے اصرار کے میں نے فرد جرم لگانے سے پرہیز کیا اور مزید غور و فکر کے لئے ساعت مقدمہ دوسرے دن پر ملتوی کر دی۔

آج جب عدالت سے فارغ ہو کر آیا تو خدا جانے کیوں جی بیساختہ گھر جانے کو چاہا اگرچہ عشرت جہاں کی بہار حسن میرے دماغ کو ہر وقت رشک فردوس بنائے رکھتی تھی۔ گاہے بگاہے اس پاک دامن رفیقہ حیات کی وفا شعاریوں کا بھی خیال آ جاتا تھا۔ مدت کے بعد میں نے گھر کا رخ کیا۔ جھجک جھجک کر قدم اندر رکھا گھر کاٹ کھانے کو دوڑا پھولوں سے لدی کیاریاں سدا بہار پودے سب خشک ہو چکے تھے دروازوں کے خوبصورت پردے خوشنما تصویریں اتری ہوئی تھی قد آدم آئینوں پر پردے پڑے تھے قالین لپیٹ کر کونوں میں رکھے تھے رفیقہ حیات مغموم و ناشاد باورچی خانے میں زانو پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ آہٹ پا کر چونکی نظر اٹھا کر دیکھا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا مگر جلد ہی پھول کی طرح مرجھا گیا۔ ہنگامی ملاقات کی خوشیوں کو فراق کے اندیشے نے مٹا دیا۔ اسے یقین تھا کہ میرا یہاں آنا محض جوگی کا آنا ہے تکیہ کسی اور ہی جگہ ہے میں نے خالی گلدانوں مرجھائی ہوئی کیاریوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس موسم بہار میں یہ عالم خزاں؟ اس نے گردن نیچی کر کے کہا۔ کہ ہاں جب میری مسرتوں کا کنول ہی کملا گیا تو آبیاری کا ہوش کسے اور گلشن کی بربادی کا افسوس کیا ہو۔ پوچھا کہ تصاویر آئینے اور دوسرے سامان آرائش کا یہ کیا حال ہے؟ کہا کہ جب آپ نے رونمائی کی قسم کھالی تو مجھے سامان خودنمائی کی کیا حاجت؟ یہ جواب باصواب پا کر بجائے قائل ہونے کے میں اسے آنکھیں دکھانے لگا۔ میں نے غصے میں آ کر ہاتھ اٹھایا۔ اس نے عاجزی سے ہاتھ باندھے۔ خشم کے مقابلے میں حلم نے فتح پائی۔ میں کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے بڑبڑاتا باہر نکلا ہی

چاہتا تھا کہ وہ نیک بیوی میرا دامن پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئی اور بولی کہ ٹھہرو ایک بات تو سن جاؤ۔ وہ وقت تو یاد ہے کہ تمہیں ایک خواب کی دریافت پر اصرار تھا اور مجھے انکار آج بن پوچھے عرض کئے دیتی ہیں مسلسل تین روز سے ایک ہی خواب دیکھ رہی ہوں کہ جہنم کے چھوٹے بڑے شیطان آگ سی سرخ لوہے کی زنجیریں لیے تمہاری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ بار بار تمہارا پتہ پوچھتے ہیں۔ خدارا بتاؤ کس صحبت میں تمہاری زندگی بسر ہوتی ہے اور تم نے مجھے کیوں بھلا رکھا ہے؟

مجھے یہ باتیں ناگوار گزریں۔ میں نے غصے سے دامن جھٹکا اور چل دیا۔ وہ حسرت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہ گئی۔

جب میں کعبہ مقصود یعنی منزل محبوب کے قریب پہنچا تو شام ہونے والی تھی سورج دامن افق میں جلدی جلدی منہ چھپا رہا تھا میں عشرت منزل میں داخل ہونے کو تھا کہ کسی نے آواز دی مڑ کر دیکھا تو علاقے کا ایک بڑا رئیس میرے منشی کے ساتھ ساتھ جلد جلد آتا دکھائی دیا۔ میں ٹھہر گیا جب نزدیک آیا تو میں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے ہاتھ ملانے کی بجائے تعظیم سے سر جھکایا۔ اس کا متردد چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ یہ سلام، سلام روستائی ہے منشی کی طرف نظر اٹھائی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بتایا کہ موٹی مرغی ہے۔ چنانچہ میں نے رئیس کو عزت سے بٹھا کر محبت سے پوچھا کہ تشریف آوری کا کیا باعث ہے وہ جھجک جھجک کر بولا کہ صاحب! میں آپ کے پاس ایک غرض لے کر حاضر ہوا ہوں۔ وہ ملزم جو آج حضور کے سامنے پیش ہوا میرا بھتیجا ہے لیکن میرے لہو کا پیاسا اور جان کا دشمن ہے مجھے ڈر ہے کہ اس کی رہائی میری موت کا باعث ہوگی یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا نوٹوں کا ایک بڑا سا بنڈل نکالا اور مرتعش ہاتھوں سے پیش کیا۔ رشوت خور افسر کے سامنے نوٹوں کے بنڈل سے زیادہ موثر سفارش اور کیا ہو سکتی ہے؟ میں نے پوپلا سا منہ بنا کر نوٹوں کو اٹھایا اور اس ڈاکٹر کی طرح جو نہایت بے تابی کے ساتھ مریض کے لواحقین سے فیس وصول کر کے مفت کا احسان رکھنا چاہتا ہے کہا۔ "صاحب! اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی گھر ہی کا معاملہ ہے۔" رئیس بولا کہ بیس ہزار کی حقیر رقم آپ کے لئے ناچیز ہے۔ بیس ہزار کی رقم سن کر میں چونکا۔ دل خوشی سے اچھلا۔ پھر یہ سوچ کر اس موٹی آسامی سے یہ چھوٹی رقم یونہی قبول نہ کرنی چاہیے۔ بولا کہ حق الخدمت دینے کا خیال ہے تو دل کھول کر خرچ کیجئے ورنہ معاملے کو انصاف پر چھوڑ دیجئے۔ بڑی حیل وحجت اور رد و کد کے بعد ڈیڑھ لاکھ پر فیصلہ ہوا۔ وہ مطمئن ہو کر چلا گیا میں بھی خوش خوش عشرت جہاں کے پاس پہنچا۔ خیال نے عرش اور فرش کی پیمائش کی عیش وطرب کے

ہزاروں نقشے ذہن میں پیدا ہوئے۔میں بار بار اطمینان کا سانس لیتا تھا آخر خوشی کے تصورات میں نیند آ گئی جب مہر تابندہ کی روشن کرنیں بستر پر پڑیں تو میں اٹھا۔خوشی خوشی کچہری گیا ملزم کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو ندامت سے میری گردن جھک گئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔میں طلائی طلسم میں پھنس چکا تھا۔میں نے ابروؤں پر شکن ڈال کر کہا کہ صفائی کا گواہ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔"خدا" پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا "معزز جج! دنیا میں امتحان ہوتا ہے نتیجہ آخرت میں نکلتا ہے۔یاد رکھ کہ جان بخشی اور جان ستانی تیرے قلم کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔تیری سیاہی کے قطروں میں خون کے دریا ہیں۔تیری جنبش قلم موت وحیات کا فیصلہ کرنے والی ہے اگر منصف اغراض سے آلودہ ہو کر جان ومال کے فیصلے کرے تو دوزخ اپنا آتش فشاں منہ کھول دیتی ہے جنت خوشی کے دروازے بند کر لیتی ہے میں تجھے عاقبت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ بے رو رعایت ضمیر سے مشورہ کر گردن زدنی سمجھتا ہے تو حاضر ہوں ورنہ یاد رکھ کر اس دنیا سے مر کر میں تیرے سر پر بھوت کی طرح سوار رہوں گا۔خوشیاں تلخیوں میں بدل دوں گا۔" میں نے سپاہیوں کو گھور کر دیکھا اور کہا کہ اسے اس وقت لے جاؤ اور چار بجے سے کچھ دیر پہلے فیصلہ سننے کے لئے آؤ۔

جب میں کچہری آیا تھا تو ہوا میں کامل سکون تھا۔آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہیں تھا قلم نے جب ظلم پر کمر باندھی تو ہوا تیز ہوئی جب خونی فیصلہ لکھا گیا تو سرخ آندھی کا طوفان اٹھا چار بجے کے قریب سزائے موت کا حکم سنایا گیا نوجوان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہوا کے تند جھونکے عمارت سے ٹکرانے لگے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت انتقام پر تلی ہوئی ہے میرا دل دہل گیا سوچا کہ معصوم کو موت کے گھاٹ اتارنے کا عوض مجھے شاید آج ہی مل جائے فیصلہ سنایا جا چکا تھا۔تیر کمان سے نکل گیا تھا فیصلے پر نظر ثانی کا کوئی موقع نہ تھا۔اتنے میں ایک بلا کا جھٹکا محسوس ہوا زمین میں زلزلہ آیا پرند درختوں سے اڑے کچہری کے سامنے پیپل کا ایک درخت تھا وہ زمین پر آ رہا سب سہم کر رہ گئے دل نے چاہا پکار کر کہہ دوں کہ یہ نوجوان بے گناہ ہے۔مگر خدا جانے کیوں رک گیا؟ بارے زلزلہ تھما جان میں جان آئی آندھی رکی اوسان بجا ہوئے اپنے فعل پر بہت کچھ پشیمانی تھی رقم ملنے پر قدرے خوشی ہوئی پشیمانی اور خوشی کے ملے جلے جذبات لے کر میں گھر پہنچا۔کبھی مجھے اس رئیس کی سفاکی کا خیال آتا تھا جس نے اپنے بے گناہ بھتیجے پر پہلے قتل کا الزام لگوایا پھر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے پھانسی پر چڑھوایا تاکہ خاندان کی جائیداد پر بے شرکت غیرے قابض رہے کبھی میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا تھا کہ میں نے دنیا کی دولت کے لئے عاقبت کا عذاب مول لیا لیکن جوں جوں دیر ہوتی گئی ضمیر

کی آواز بھی کمزور پڑتی گئی اور میں پرانے پاپی کی طرح رشوت ستانی اور انصاف فروشی میں اور بے باک ہوتا گیا۔

عشرت کے ہاں ڈیرے ڈالے دو برس ہو چکے تھے بہاریں بھی لوٹیں گرمی اور سردی بھی کافی جب تیسری برسات کا روح افزا موسم شروع ہوا تو ایک دن جب جنت کی ٹھنڈی ہوائیں چشمہ حیات سے جاں پروری کا سامان لے کر آ رہی تھیں کالی گھٹائیں کوثر و تسنیم سے پیاس بجھا کر کسی مست شباب کی طرح جھومتی اٹھیں اور روئے عالم پر چھا گئیں اس مستانہ موسم میں مور سرشار ہو کر ناچ رہے تھے کوئل بے تاب ہو کر کوک رہی تھی میخواروں کی بن آئی ہوا گاتی تھی شاخیں جھومتی تھیں پتے تالیاں بجاتے تھے عشرت موسم کی مناسبت سے دھانی جوڑا پہنے باغ میں نکلی وہ غرور حسن سے اٹھلاتی ہوئی میری طرف بڑھی قریب آ کر کہا کہ آؤ جھولا جھولیں۔ باغ کے شمال مغربی حصے میں پیپل کے ایک مضبوط تنے کے ساتھ سبز و سرخ ریشم کے موٹے موٹے ڈورے لٹک رہے تھے دو نوخیز خادمائیں جھولا جھولانے کے لئے ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں ہم دونوں جھولے میں بیٹھ گئے جھولا لحظہ بلحظہ بلند ہونے لگا بلندی کی ہوائیں اودی گھٹائیں یونہی طبیعت پر کیا غضب نہیں ڈھاتیں لیکن جب عشرت جہاں جیسی محبوبہ بھی ہم کنار ہو تو کون ہے۔ جو انا الموجود لاغیری کا دعویٰ نہ کر بیٹھے؟ مین اس وقت جب ہم بلند فضا میں تھے میں نے پستی کی طرف دیکھا۔ دیوار چمن سے ملحق چند کچے مکان اور گھاس پھوس کے چھپر دکھائی دیئے۔ کہنے کو تو وہ جھونپڑے تھے مگر صفائی کے لحاظ سے بنگلے معلوم ہوتے تھے بہت سے لڑکے لڑکیاں قطار در قطار سبق آموزی میں مصروف تھے۔ جب جھولا پھر بلندی پر پہنچا تو میں نے عشرت جہاں سے ملحقہ مکانوں کی بابت پوچھا کہ یہ عمارت کیسی ہے؟ وہ لاپروائی سے بولی کہ یہاں ایک جھونپڑی میں مغلانی بچوں کے ساتھ مغز کھپائی کیا کرتی ہے۔

وہ ان جھونپڑوں میں بیٹھ کر محلوں کے خواب دیکھتی ہے اور بچوں کو سبز باغ دکھاتی ہے کسی سے کہتی ہے کہ تو ارسطوئے زماں ہوگا۔ کسی کے کان میں پھونکتی ہے تو سکندر ثانی بنے گا۔

انہی باتوں میں ہوا میں خنکی بڑھی پھر پھوہار پڑنے لگی رکتے رکتے بارش شروع ہو گئی۔ اور برآمدے میں پہنچتے پہنچتے موسلا دھار مینہ برسنے لگا عشرت جہاں کا ململ کا کرتہ بھیگ کر جسم کے ساتھ چپک گیا پلکوں پر بارش کے قطروں نے موتیوں کی لڑی پرو دی تھی۔ جب کائنات خوب نکھر چکی تو بارش تھمی میں کوہسار کی سیر کے بہانے سے عشرت منزل سے نکلا اور اس مکتب کا رخ کیا۔ دروازے پر ایک بوڑھے چپڑاسی نے مجھے روکا اور کہا کہ جب تک میں اندر جانے کی اجازت طلب کروں آپ یہیں

ٹھہریں میں وہیں رکا وہ اندر گیا تھوڑی دیر کے بعد وہ پلٹا مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی ساتھ ہولیا مجھے صدر معلمہ کے دفتر میں لے گیا عشرت جہاں کے بیان کے بعد تصور نے معلانی کی جو تصویر کھینچی تھی وہ اصل حقیقت سے بالکل دور تھی وہ تو ایک حور تھی جو عرش سے اتر کر فرش پر آ بیٹھی تھی گو وہ حسن کی دولت سے مالا مال تھی تاہم تیکھے چتون اور بانکی ادائیں جو رنگین مزاجوں کی وارفتگی کا سامان کرتی ہیں اس میں بالکل نہ تھیں بے شک استانی پر حسن کی فراوانی تھی لیکن آزاد خیال نسوانی حجاب میں اس طرح کھوئی ہوئی تھیں جیسے ساکن سمندر میں موجیں" اس کے چہرہ پر روحانیت کا نور جھلک رہا تھا اور بوالہوس سے بوالہوس نگاہ بھی احترام کے پھول چڑھانے پر مجبور تھی۔"

ہمارے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے آنکھوں کو آہستہ آہستہ اٹھایا خوش آمدید کہہ کر خالی کرسی کو میری طرف بڑھایا۔ جونہی میں بیٹھا اس نے نرم آواز میں کہا کہ" آپ نے شاید پہلی مرتبہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے مکتب کو سرفراز فرمایا ہے میں اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" اس کی آواز میں ایسا اثر تھا کہ جذبات کو برانگیختہ کرنے کی بجائے روح خفتہ کو بیدار کرتا تھا میں نے دریافت کیا کہ مدرسے کے اخراجات کا کفیل کون ہے؟ جواب ملا کہ چند اہل کرم کے دامن کا سہارا ہے۔ میں نے مدرسے کے معائنے کی اجازت طلب کی۔ وہ میرے ساتھ ہولی مدرسے میں عالم سکوت تھا کوئی آواز کان میں نہ آتی تھی کمروں میں جا کر دیکھا تو جماعتیں متعلمین اور معلمات سے معمور تھیں ہم سرسری نگاہ ڈالتے ایک جماعت سے گزر کر دوسری جماعت میں جا رہے تھے کہ یکایک چیخنے چلانے کی آواز سنی پلٹ کر دیکھا کہ ایک عورت ایک لڑکے اور لڑکی کو جو چار ہے ہیں ساتھ لئے ہماری طرف آ رہی ہے۔ بچوں کی دست درازی سے ماں کے بال تار تار اور منہ لہولہان ہو رہا تھا استانی ٹھہر گئی اور میں بھی رکا عورت نے نزدیک آ کر کہا" ذرا ان کو سنبھالو میرے سر سے یہ عذاب ٹالو۔" پھر لڑکے کی طرف اشارہ کر کے بولی" دیکھو یہ ابھی کل کا بچہ ہے مگر کل محلہ اس کی حرکتوں سے نالاں ہے۔ یہ ابھی سے چھوٹے بچوں کی ٹولیاں بناتا ہے۔ خود سرغنہ بن کر مردوں کا منہ چڑاتا ہے عورتوں کو ستاتا ہے رہگذروں کو پریشان کرتا ہے۔" استانی کمال متانت سے بولی۔" ان کے خرچ کا کفیل کون ہوگا؟" عورت بولی۔ استانی جی میرا سہاگ لٹے مدت گزری اگر کوئی میرا نگران ہوتا تو ان بچوں کا یہ حال کیوں ہوتا؟ استانی بولی۔" بی بی میں معذور ہوں مقدرت ہوتی تو اعانت سے دریغ نہ کرتی اہل محلہ کے پاس جاؤ انہیں امداد پر رضامند کرو۔" عورت نے کہا" بی بی جی! بھلا کسی کو پرائی کیا پڑی ہے کون اپنا گنوائے دوسروں کا سنوارے تم تو بھلے دنوں کی بات کرتی ہو اس جگ میں ایسا کون ہے جو

یتیموں کو تعلیم دلائے؟"

استانی بولی۔ "تم صبر کرو قدرت بے پروا بے رحم افراد قوم سے بدلہ لینے میں بڑی مستعد ہے
اگر اہل محلہ اس کے سر پر دست شفقت نہیں رکھتے تو عنقریب یہ سب کو چچا بنا کے چھوڑے گا
بڑا ہوگا تو نہ صرف اہل محلہ کا سر پھوڑے گا بلکہ اہل شہر پر قیامت برپا کرے گا۔ لوگ اس سے بھاگیں
گے یہ راستہ نہ دے گا۔ وہ گڑگڑائیں گے یہ رحم نہ کھائے گا جو سوسائٹی اپنے مفلوک الحال بچوں کی
حالت پر توجہ نہیں کرتی بچے بڑے ہو کر اس سے انصاف نہیں کرتے مٹنے والی قوم کے اسباب تنزل
میں بڑا سبب بچوں کی تعلیم و تربیت سے سوسائٹی کی مجرمانہ غفلت ہے لاکھوں جوہر قابل اسی طرح
خاک میں مل گئے۔ اگر ان بچوں کی صحیح تعلیم اور عمدہ تربیت کا انتظام ہوتا تو ان میں سے ایک ایک
خدا جانے کیا کیا انقلاب آفرینیاں کرتا۔ دنیا کی ترقی کے دور باہمت بچوں کے شرمندہ احسان ہی تو
ہیں اے نیک بیوہ! تیرے بیٹے سوسائٹی کے مؤثر ہتھیار ہیں اب دیکھ قوم ان ہتھیاروں کو اپنے گلے پر
آزماتی ہے یا دشمنوں کے مقابلے میں ان کو سپر بناتی ہے یہ ہلاکت اور حفاظت دونوں کے کام آسکتے
ہیں۔ اگر سوسائٹی ان بچوں کی تعلیم و تربیت میں غفلت برتے گی تو یہ بے پروا اور بخیل ہمسائیوں سے
خطرناک انتقام لیں گے اور قوم کے لئے رحمت کی بجائے زحمت بن جائیں گے عورت نے کہا "تو
میرے بچے دنیا کے لیے زحمت کا باعث کیوں ہوں؟ ان کو کیوں نہ اللہ کے لئے تم ہی تعلیم
دلاؤ" استانی بولی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت تو میرا نصب العین ہے۔ اور میری خوشی کا باعث مگر جیسا
کہ میں نے پہلے کہہ دیا سرمایہ کی قلت اس نیکی کے راستے میں حائل ہے۔"

اب مجھے بھی خیال آیا کہ اتنی جائز اور ناجائز کمائی عیش و عشرت میں گنوائی۔ برائیوں کے پہاڑ
سر پہ اٹھائے یہ تھوڑی سی نیکی بھی کر لوں چنانچہ میں نے دس ہزار کا چیک بچوں کی تعلیم و تربیت کے
لئے لکھ دیا استانی نے شکریہ ادا کیا اس عورت کی آنکھوں سے مارے خوشی کے آنسو نکل آئے میں نے
وہاں سے رخصت چاہی اور واپس ہوا۔

ایک مدت تک عشرت کی مدبھری آنکھیں مجھے پریم کے ساغر پلاتی رہیں۔ اور میری عیش کوشی
اور انصاف فروشی کی شہرت بھی عام ہوتی گئی۔ حاکم اعلیٰ نے حالات کو بہتر بنانے کے لئے تنبیہ کی مگر
جنوں خیزی عشق نے اصلاح کی گنجائش کہاں چھوڑی تھی؟ میں ایک دن سیہ مستی کے عالم میں حاکم
کے پاس پہنچا۔ نشہ شراب میں خدا جانے کیا کچھ بکا اس کے دوسرے دن ملازمت سے برطرفی
کا پروانہ پہنچ گیا اب سب نشے ہرن ہو گئے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے گراں بار جیب اپنے بوجھ سے

بتدریج سبک بار ہو رہی تھی۔ جب کبھی انجام کار کا خیال آتا تو دل گھبراتا تھا مگر غم دور شراب سے کافور ہو جاتا۔ اور عشق کی عاقبت نااندیش فکر فردا سے غافل کر دیتی چار ماہ اور حسن پر عشق بچھتا رہا آخر جب نے اپنی ساری امانت واپس کر دی۔ وہ فراموش عشق جسے دانایان دنیا "فاقہ" کہتے ہیں گھڑی گھڑی منہ دکھانے لگا بازار میں ابھی ساکھ باقی تھی لے دے کے کچھ دن اور کاٹے اب عشرت منزل میں جو کیفیت مجھ پر گزری اس کی روئیداد ہزاروں گمراہوں کی عبرت کا باعث ہو سکتی ہے تنگدستی اور فاقہ مستی کی آمد پر خدا جانے میں کیسا گنہگار ہو گیا کہ محبوب کی محبت بار آنکھیں مجھ سے پھر گئیں۔ نگاہ ناز جونت نئے انداز میں جذب توجہ کا سامان کیا کرتی تھی اب بھولے سے بھی میری طرف نہ اٹھتی۔ میں نے منکسرانہ انداز میں وجہ ناراضگی پوچھی اک متمردانہ ترشروئی سے اس نے میری طرف دیکھا منہ چڑایا اور چل دی۔ میں نے موقع پا کر پھر شکوہ کیا کہ اے جان جہاں! یا تو عشق کی وہ گرمجوشی یا اب یہ سرد مہری؟ آخر وجہ کیا؟ بولی کہ موسم یونہی بدلا کرتے ہیں پھر حوصلہ کر کے دریافت کیا کہ؟؟ میری تقصیر؟" جواب ملا "تقدیر" میں یہ سن کر اس جواری کی طرح جو ابھی داؤ ہار کر آیا ہو سر بزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ یونہی بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی۔ آخر گھر سے اکتا کر غم غلط کرنے کے لئے باہر آیا اور ہنگاموں کی دنیا سے دور نکل کر ویرانے میں چلا آیا۔ کچھ رات گزرنے پر واپس آیا تو عشرت منزل کا دروازہ در بخیل کی طرح بند پایا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو کوئی جواب نہ پایا صبح سے ایک کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہ گئی تھی شام کے کھانے کے لئے عشرت کے خوان کرم پر نظر تھی سو وہاں سرے سے مداخلت کی راہیں مسدود کر دی گئیں۔"

الٰہی! اب کدھر جاؤں؟ بیوی کے پاؤں پکڑوں؟ نہیں اس حال میں اس کے پاس جانے سے مر جانا بہتر ہے پھر اب کیا کروں؟ یہ خیال تھے جو دل میں اٹھ رہے تھے آپ جانتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے لمبی گھاس پاس ہی برآمدے میں پڑی تھی اس کا اوڑھنا بچھونا بنا کے کونے میں پڑ رہا۔ پہلے بوندا باندی پھر موسلا دھار بارش کے ساتھ ہوا کے فرانٹے شامل ہوئے۔ مصیبت کی یہ رات جتنی طوفانی تھی اتنی ہی طولانی نظر آئی میں نے تصور ہی تصور میں کئی دفعہ آفتاب کو جلوہ گر دیکھا۔ آنکھیں کھول کے نظر ڈالی تو وہی اندھیری رات تھی آخر خدا خدا کر کے سویرا ہوا۔ بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ دن چڑھتے میری آنکھ لگ گئی اور اس وقت کھلی جب سورج بہت چڑھ آیا تھا اٹھنے میں عجلت کی ادھر ادھر احتیاط سے دیکھا تو عشرت جہاں میرا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ خان دوراں خدا جانے کب سے سرہانے کھڑا تھا کہ اٹھتے ہی میرے کپڑوں سے خس و خاشاک جھاڑنے لگا اس کا رویہ اس

دوست نما دشمن کا تھا جس کو اظہار ہمدردی سے ذلت میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے میری گردن شرم سے جھک گئی خان دوراں نے گردن جھکا کر کہا "اوہو آپ اور یہ خاک" ساتھ ہی اس نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا میں نے چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں لیکن گنہگار کی دعائیں کب قبول ہوتی ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ستم پیشہ آسمان جفا کے ترکش کے سارے تیر مجھ ہی پر خالی کر دے گا ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوبصورت نوجوان عشرت منزل سے نکلا اور عشرت کا ہاتھ تھام لیا۔ کچھ سرگوشیاں ہوئیں دونوں مجھے کنکھیوں سے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ رقابت کی آگ دوزخ کی آنچ سے سوزندہ تر ہے۔ میں انگاروں پر لوٹنے لگا عشرت جہاں قریب آ کر بولی کہ اب ہماری ملازمت کر لو مگر میرا غرور اس ذلت کی تاب نہ لا سکا اسی حالت میں وہاں سے نکلا خان دوراں میرے ساتھ ہو لیا احتیاج نے احتیاط پر مجبور کیا میں احاطے سے باہر جا رہا تھا خان کمال مہربانی سے بولا کہ لاڈلی اولاد ماں باپ کا کہا کب مانتی ہے؟ میں اس لڑکی کے ہاتھوں سخت مجبور ہوں رات لاکھ سمجھایا کہ وہ باہر ہیں اس نے ایک نہ سنی دروازے بند کر لئے مگر میری ایک اور بیٹی بڑی اطاعت گزار اور وفا شعار ہے۔ وہ ہر کس و ناکس کی امداد کرتی ہے میں اس تک تمہاری رہنمائی کے لئے تیار ہوں ڈوبتے کو تنکے کو سہارا کافی ہوتا ہے میں ساتھ ہو لیا وہ آگے آگے چلا میرا غرور خاک میں مل چکا تھا۔ مسکنت نے تمکنت کی جگہ لے لی تھی۔ شادیاں اور آزادیاں زر کے ساتھ ہیں بے زر تو سب کے سامنے بے بسی سے دانت نکال دیتا ہے۔ قلاش سے بڑھ کر دنیا میں بے عقل اور کون ہوتا ہے مجھے خیال تک نہ آیا کہ میں کدھر جا رہا ہوں یا تو کبھی بازار میں اکڑ کر چلتا تھا یا آج شرمندہ و سرافگندہ جا رہا تھا کبھی تو بازار کی وسعت مجھے تنگ معلوم ہوا کرتی تھی آج کمال عجز سے زمین کے ساتھ لگا جا رہا تھا۔

عسرت کی راہ:

چلتے چلتے ایک کچے مکان کا دروازہ نظر آیا اور ہم ایک لمبے دالان میں داخل ہوئے اس احاطہ میں سینکڑوں کی کچی کوٹھڑیاں تھیں ایک بڑے کمرے کے سامنے ایک بھاری بھرکم نوجوان پیچوان سامنے دھرے کش پر کش لگا رہا تھا اور آسمان کی طرف منہ کر کے دھواں چھوڑ رہا تھا جونہی اس نے خان دوراں کو دیکھا اپنے بھاری تن و توش کے ساتھ بصد مشکل اٹھا۔ ہزار دقت سے چند قدم بڑھا خان دوراں کے ہاتھوں کو بوسہ دیا بس اتنی ہی نقل و حرکت سے اس کی سانس پھول گئی اور اس کی کیفیت لوہار کی دھونکنی کی سی ہو گئی خان دوراں نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ یہ میرا بیٹا کاہل خان ہے جو اپنی بہن عسرت جہاں کے پاس رہتا ہے خان دوراں نے اس سے دریافت کیا کہ "عسرت بیگم

یہیں ہے؟" اس نے کچھ کہا تو نہیں مگر تنفس کی تیزی سے ہاں ہاں کی آواز سی نکلی کامل خاں کے کمرے کے ساتھ ہی عشرت جہاں کی آرام گاہ تھی خان دوراں نے ادھر کا رخ کیا میں بھی ساتھ ہولیا دیکھا کہ فرش خاک پر ایک ضعیفہ صف بچھائے بیٹھی ہے زمانے نے اس کے جامہ ہستی پر جا بجا شکنیں ڈالی ہوئی تھیں اور گرد زائروں کا ہجوم تھا جو کمال احترام و عقیدت سے بیٹھے تھے جونہی اس نے خان دوراں کو دیکھا از راہ تکریم اٹھ کھڑی ہوئی اور نقاہت کی وجہ سے پھر جلد بیٹھ گئی خان نے مجھے اس سے روشناس کرایا اس کے پاس بٹھایا اور خود چپکے سے چلا گیا۔

عشرت جہاں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ دنیا چند روزہ ہے سب کو خالی ہاتھ جانا ہے امیر اور غریب کا ایک ہی ٹھکانا ہے اس دنیا میں غریب کا پیٹ تو بھر جاتا ہے مگر امیر کی آنکھ نہیں بھرتی اے دنیا کے لوگو! قناعت کرو خواہ مخواہ دھن دولت کے پیچھے مارے مارے نہ پھرو خدا روزی رساں ہے تم اطمینان سے جہاں بیٹھو گے وہیں قسمت کا لکھا پاؤ گے۔ ابھی اس نے بات ختم نہ کی تھی کہ ایک ہلڑ سا ہوا۔ سب نے دیکھا کہ ایک امیر کے گھر سے روغنی نان کے چند خوان غریبوں میں تقسیم ہونے کے لئے آئے ہیں۔ وہ بے کار اور محتاج لوگ جو مختلف کوٹھڑیوں میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے دیکھتے ہی بھاگے جس کے ہاتھ میں جو آیا لے بھاگا۔ تنومند کمزوروں کا حصہ بھی لے اڑے اور وہ منہ دیکھتے رہ گئے مجھے یہ دیکھ کر خیال آیا کہ بد بخت امراء اپنی ثروت و دولت کی نمائش کے لئے بیکاروں کی جماعت میں اسی طرح اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ غریبوں کے لئے علم و ہنر محنت و مشقت کی راہیں نہیں کھولتے بلکہ داد و دہش کا بے محل اظہار کر کے قوم کے ایک حصے کو قطعی بے کار کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اگرچہ میرا بھی پیٹ خالی تھا مگر اس دھینگا مشتی کو دیکھ کر میں نے اٹھنے کی ہمت نہ کی جب ہنگامہ ذرا فرو ہوا تو عشرت جہاں سے اکثر نے اپنی حاجتیں بیان کر کے مشورہ طلب کیا اس نے سب کے واسطے کوئی نہ کوئی شیطانی راہ تجویز کی پھر مجھ پر مہربان ہوئی اور کہا کہ چھوٹے سے پیمانے پر ایک قمار خانہ کھول لو میں نے سنا تو مجھ پر گویا بجلی گر پڑی۔ وہاں سے لوٹا اور دل میں عہد کیا کہ اگر معقول ملازمت نہ ملی تو بھی مزدوری کر کے کھاؤں گا مگر کسی ذلیل پیشے کو ذریعہ معاش نہ بناؤں گا چنانچہ کوئی دیانت دار پیشہ اختیار کرنے کا عہد کر کے میں اس شہر سے چل نکلا اور ایک دور دراز شہر میں جا کر مزدوروں کی ٹولی میں بیٹھ گیا۔

اس شہر میں ایک مخیر شخص رفاہ عام کے لئے ایک بڑی سرائے بنا رہا تھا میں وہاں مزدوری کرنے کے لئے چلا گیا ایک تغار میرے سپرد کی گئی اور میں اس خیال سے شرمندہ ہو گیا کہ اگر کوئی

تماشا دیکھ پائے تو کیا کہے اس خیال کا آنا تھا کہ میں ساری تیزی اور چستی بھول گیا اور گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر آہستہ آہستہ چلا اتنے میں معمار پکارا کہ میاں مزدور! اس معشوقانہ خرام سے کام نہ چلے گا حرام نہ کھاؤ میں چونک اٹھا اور جلد جلد قدم اٹھانے لگا چوتھی دفعہ جو تغارا اٹھائی ہاتھ پھسل گیا کپڑے گارے سے لت پت ہو گئے میری ہیئت کذائی کو دیکھ کر کوئی ہنسی ضبط نہ کر سکا آخر ایک نے رحم کھا کر منہ دھلایا۔ ایک مسخرے نے کہا۔ "چلو کوئی بات نہیں خربوزے کے چھلکے سے پاؤں پھسل ہی جاتا ہے اس بیہودہ سی بات پر لوگ پھر ہنسنے لگے اور میں شرمندہ ہوا اتنے میں مالک مکان آیا سب نے میری کیفیت نمک مرچ لگا کر بیان کی اس نے مجھ سے دریافت حال کیا۔ میں نے کمال پریشانی میں کچھ مختصر سا قصہ کہہ دیا۔ اسے میرے حال پر رحم آیا اور مجھے حساب لکھنے کے کام پر لگایا اور سامان عمارت کی خرید و فروخت میرے ذمہ ہوئی۔ میں نے پائی پائی پر نگاہ رکھی۔ مالک میرے کام سے اتنا خوش ہوا کہ سارا کام میری نگرانی میں دے دیا اور میری تنخواہ میں معقول اضافہ کر دیا دنیا جو میری نظروں میں تاریک ہو گئی تھی پھر روشن نظر آنے لگی اور میں روپوں میں کھیلنے لگا میں نے بھی تھوڑا کھایا زیادہ بچایا اور کچھ روپیہ ماہ بماہ بیوی کے نام بھیجتا رہا۔"

موسم بدل رہا تھا۔ میں نے مالک مکان سے چند دن کی رخصت لی اور اپنے شہر کو چل دیا۔ بسنت کا دن تھا کچھ عورتیں اور مرد ندی کے کنارے لطف اندوز ہو رہے تھے ابھی اور بسنتی پگڑیاں پہنے اور دوپٹے اوڑھے میلے میں آ رہے تھے حسن کا دریا ہر طرف بہہ رہا تھا عشق کی موجیں اٹھ رہی تھیں جوانی امنگوں کی تال پر ناچ رہی تھی جب میں نے کئی نوجوان جوڑوں کو محبت بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو تکتے دیکھا تو متاہل زندگی کی وہ جنت یاد آ گئی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے برباد کر دیا تھا رفیقہ حیات کی یاد آئی سانپ سینے پر لوٹ گیا قدر ناشناس دل میں غبار سا اٹھا لیکن گھر جانے میں شرمندگی محسوس کرتا تھا اگر گناہ کی آلودگیوں سے ضمیر پاک ہوتا تو فراق کی بے تابیوں میں ماہی بے آب کیوں ہوتا سیدھا گھر ہی نہ پہنچتا مگر قدم قدم پر رکتا تھا اور گھر جانے کے تصور سے اس طرح ڈرتا تھا جس طرح آوارہ مزاج بچہ عذر معقول کے بغیر مکتب سے غیر حاضر رہ کر پھر وہاں جانے سے گھبراتا ہے تیوہار نے دنیا کو گدگدا دیا تھا ہر طرف ہنسی خوشی کے قہقہے بلند ہو رہے تھے میں اس خیال سے غلطاں تھا کہ گھر کیسے جاؤں اور رفیقہ حیات کو منہ کیسے دکھاؤں آخر دل کڑا کر کے قدم گھر کی طرف اٹھایا۔ محلے کے قریب پہنچا تو چاہا کہ بھاگ جاؤں اتنے میں ایک نیک ہمسایہ عورت نے مجھے پہچانا اور لپک کر میری طرف آ کر بولی کہ بھائی اتنی مدت گھر سے باہر رہے گھر والی کو دیکھا

کس حال میں ہے اب میں نے جلدی جلدی قدم اٹھایا دہلیز پر پہنچا تو قدم رک گئے میں رکا ہی تھا کہ اندر سے آواز آئی "حسبی اللہ!" میں بہ مجبوری اندر داخل ہوا آرزوئے دید کے باوجود ندامت سے میری آنکھیں نہ اٹھیں میری پریشان حالی کو اس نے دیکھا سخت مضطرب ہوئی اٹھی اور بلائیں لیں اب میری نگاہ اس کے چہرے پر پڑی آہ اس کے باغ حسن میں جوانی کا پھول مرجھا چکا تھا اور وہ ایک تپسوی کی طرح سوکھ کر کانٹا ہو رہی تھی تاہم آنکھوں میں عصمت کا روحانی نور بدستور جھلک رہا تھا جس نے دل کے تاریک تہ خانے کو پھر سے روشن کر دیا اپنے مجرمانہ تغافل اور اس کی شوہر پرستی کے خیال نے عجز کا سر اس کے پاؤں پر رکھ دینے پر مجبور کر دیا میرے سر جھکائے پر اس نے ہزار بار استغفار پڑھی اور پھر سجدہ شکر ادا کیا کہ اللہ نے پھر ہمیں ملا دیا۔

فرشتوں نے خوشی کی ایک نئی زندگی کھول دی مسرت کا سمندر امنڈ آیا میری ندامت اس کی محبت کی گہرائیوں میں غرق ہو گئی۔ چاہا کہ دل کھول کر گناہوں کا اقرار کروں مگر اس نے گڑے مردے اکھاڑنے سے احتراز کیا اور کہا کہ اقرار عیب بے سبب رسوا ہونے کے مترادف ہے مرد کو عورت میں موقر رہنا چاہیے۔ اگرچہ میں آپ بیتی بیان نہ کر سکا مگر وہ قرائن سے حقیقت بھانپ گئی۔ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ ملازمت بھی بوالہوسی کی نذر کر چکا ہوں اخلاقی تنزل کے علاوہ مالی جاہی پر بھی اس نے مجھے مطعون نہ کیا بلکہ حق تو یہ ہے کہ غریبی میں اس کا ایثار اور جذبہ خدمت اور بھی بڑھ گیا باوجود صحت کی موجودہ صورت کے وہ اٹھی پانی گرم کیا میں نہایا وہ ناشتہ تیار کر کے لائی۔

راہ نجات:

غرض اب میں گھر کے آرام و آسائش کا لطف اٹھانے لگا۔ عشرت جہاں کا خیال بھی آتا تو فوراً اپنی پرعصیاں زندگی سے پریشان ہو جاتا۔ جب اس بے گناہ نوجوان کے پھانسی پر جانے کا خیال گزرتا تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ گناہگاروں کی بے اطمینان زندگی سے پاکباز واقف نہیں ہوتے میں نہیں جانتا کہ باوجود گھر کے پورے آرام کے گزشتہ بداعمالیوں نے زندگی کیونکر تلخ کر رکھی تھی میں اپنے گناہوں کا کفارہ دینا چاہتا تھا ہر وقت تسبیح و مصلیٰ سے کام تھا رات دن استغفار میرا وظیفہ ہو گیا ایک دن میں گھر سے باہر گیا راستے میں ایک سبز پوش پیر کو مریدوں کے حلقے میں بیٹھے پایا گھونگریالے بال اس کے کندھوں پر بکھرے تھے چہرے پر بشاشت تھی اور لبوں پر تبسم آنکھوں کے کاجل نے جمال ظاہری کو اور بھی جاذب نظر بنا دیا تھا راسخ الاعتقاد مرید پنکھا جھل رہے تھے اور حضرت قبلہ تصوف و سلوک کی باتیں کر رہے تھے۔

''دھن دولت آنی جانی ہے یہ دنیا فانی ہے۔ جو دنیا میں بدحال ہو گا وہ عاقبت میں خوشحال ہو گا
بس اللہ اللہ کرنا چاہیے اور کسی بات پر کان نہ دھرنا چاہیے حواس کا تعطل روح کی بالیدگی کا باعث ہوتا ہے۔''

آنکھ ناک منہ موند کر نام نرنجن لے
بھیتر کے پٹ تب کھلیں باہر کے جب دے

اتنے میں ایک صاحب جو حضرت موصوف کے خلیفہ اول تھے آئے اور کہا کہ کیا آپ بیعت کرنا چاہتے ہیں میں نے عرض کی کیا مضائقہ ہے۔ غرض سب سر جھکا کر بیٹھ گئے اور اللہ ہو کا ورد ہونے لگا۔ میں نے بھی ہر نماز کے بعد وہی ذکر شروع کیا۔ دنیا کے اور کاموں سے دل اچاٹ ہونے لگا بعض اوقات میں کیف و سرور میں ایسا کھو جاتا کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ رہتی ایک دن میں اپنی رفیقہ حیات کو مخاطب کر کے پکار اٹھا ''معلوم ہوتا ہے کہ داغ عصیاں اس عبادت سے دھل رہے ہیں۔'' اس نے میرے غلط یقین کے اظہار پر مجھے تعجب سے دیکھا اور کہا کہ یہ خیال خام ہے عبادت بےشک قلب میں طاقت پیدا کرتی ہے۔ مگر جب تک عبادت عمل کے ساتھ شامل نہ ہو کوئی عبادت عبادت نہیں سچ پوچھو تو قولی عبادت بغیر عملی عبادت کے سرے ہی سے قابل ستائش نہیں۔ عبادت سے بےشک روح میں طاقت پیدا ہوتی ہے مگر جس طرح کوئی پہلوان محض طاقت کے باعث نیکوکار اور پرہیزگار نہیں کہلا سکتا۔ وہ شخص جو دن رات اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر بیوی بچوں کے حقوق اور ہمسایہ کی تکلیف کا خیال نہیں کرتا کسی نیک جزا کا مستحق نہیں عبادت نیکیوں کا ذریعہ ہو سکتی ہے خود نیکی نہیں اور جزا و سزا حسن عمل اور سوء عمل پر منحصر ہے نہ کہ عبادت اور ریاضت کی کثرت اور قلت پر۔

مجھے عبادت کی اس تفسیر سے مایوسی بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا آخر میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔ ''اگر عبادات گناہ کا کفارہ نہیں تو وہ کون سا عمل ہے جو گناہوں کے داغ دھو سکتا ہے؟'' وہ بولی۔ ''میرے آقا! داغدار کپڑا خواہ کتنی بار دھویا جائے نئے لباس کی برابری نہیں کر سکتا۔ ہاں گناہ کا داغ حسن عمل سے صاف ہو سکتا ہے۔'' میں عقیدت مند مرید کی طرح نہایت عجز سے بولا۔ میرے گناہوں کو کون سا عمل دھو سکتا ہے؟ میری رفیقہ حیات مسکرائی اور کہا کہ کفارے کا اصول یہ ہے کہ اگر بے گناہوں کو قتل کیا ہے تو کسی کی جان بچاؤ۔ جھوٹ بول کر کسی کو نقصان پہنچایا ہے تو سچ کہہ کر کسی کو فائدہ پہنچاؤ ناحق کسی کا حق چھینا ہے تو کسی حقدار کو حق دلاؤ۔ اگر اپنے ملک و قوم یا نوع انسانی کی کوئی اہم خدمت انجام دے سکو تو نجات قدرے یقینی ہوتی ہے بنی نوع انسان کے لئے جان کو جتنی جوکھوں میں ڈالو گے اتنا ہی اجر پاؤ گے خدا کی پیاری مخلوق کے لئے جو کوئی جتنا کھوئے گا اس سے

کہیں زیادہ حاصل کرے گا اس لئے اے آقا! گناہوں کی کثرت سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ فوراً توبہ کر کے بندگان خدا کی خدمت کا عزم بالجزم کرنا چاہیے۔

اے آقا! امتحان کے میدان میں اترے بغیر خدا کی خوشنودی میسر نہیں آ سکتی۔ روٹھے ہوئے خدا کو منانا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ انسان خوف نقص مال اور نقصان اولاد سے آزمایا جاتا ہے تنگ دستی گھسیٹ گھسیٹ کر کفر کے دروازے تک لے جاتی ہے۔ جوان حالات میں ثابت قدم رہے اور خدمت خلق سے منہ نہ موڑے اس کی توبہ قبول اور نماز مقبول ہوتی ہے۔ تب خدا اپنے فضل کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے پھر کبھی فکر اور فاقہ پاس نہیں آتے۔

اے خداوند مجازی! اعمال انسانی کے اس نکتے کو یاد رکھو کہ عافیت کوشیوں سے خدا نہیں ملتا۔ بعض ناعاقبت اندیش لوگ خدا کو پہاڑوں اور جنگلوں کی تنہائیوں اور حجروں کے گوشوں میں تلاش کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگوں کو میدان امتحان اور قعر دریا میں بلاتا ہے تاکہ سچا طالب امتحان کی سختیوں اور بلا خیز موجوں کا مقابلہ کر کے اس تک پہنچے۔ اور اس طرح دودھ پینے والے اور خون دینے والے مجنوں میں پرکھ ہو جائے جو اس پرکھ میں پورا اترتا ہے وہ سونے میں تلتا ہے اور موتیوں میں کھیلتا ہے۔ اے آقا! افسوس ہے اس گنہگار پر جو محض زبانی استغفار پر قناعت کرتا ہے اور بقیہ عمر عزلت گزینی میں بسر کرتا ہے۔ ہلاکت ہے اس کے لئے جو تماشا گاہ عالم میں خود بازیگر بننے کی بجائے محض تماشائی بنے رہنے پر قانع ہے۔ اے میرے آقا! اگر خدا کی پیاری مخلوق کی خدمت کرتے کرتے جان جسم سے الگ ہو جائے تو نجات یقینی ہو جاتی ہے کیونکہ شہید خدا کی محبوب ترین مخلوق ہے وہ بغیر حساب کتاب کے بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

میں نے تعجب سے پوچھا کہ اے محبوب! آخر شہادت میں یہ کرامت کیوں؟ میں نے دیکھا کہ اس حور نورانی کے چہرے پر ایک جلال سا آ گیا اور آنکھوں میں ملکوتی روشنی جھلکنے لگی۔ ان خوشگوار تغیرات نے اس کے حسن کو پر لگا کر آسمان پر پہنچا دیا۔ وہ سنبھل کر بولی کہ اے خداوند مجازی! جو لوگ نیک راہ میں دولت صرف کرتے ہیں وہ مخیر کہلاتے ہیں ملک کے لئے قید و بند کی سختیاں اٹھانے والے محب وطن مشہور ہو جاتے ہیں۔ جو بال بچوں کی مفارقت برداشت کر کے مقام مقدسہ کو جاتے ہیں وہ حاجی کہلاتے ہیں مگر شہید میں وہ تمام نیکیاں مجتمع ہوتی ہیں وہ مال و املاک کو مستقل طور پر چھوڑ جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے بیوی بچوں سے منہ موڑ جاتا ہے مخیر میں ریا ممکن ہے محب وطن میں شخصی اغراض کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ حاجی کا مکار ہونا بعید از قیاس نہیں لیکن شہید ان تمام شبہات سے بالا ہے۔ اس سے بڑھ کر

خدا کی مخلوق میں صابر و شاکر کون ہے؟

اے آقا کیا بنی نوع انسان کی خدمت کرتے کرتے موت کو قبول کرنے پر آپ نے کبھی دل کو آمادہ پایا؟ اور اس طرح خدا کی کسوٹی پر پورا اترنے کی کوشش کی؟ اس نے جواب کے لئے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور اس انتظار میں خاموش ہوگئی۔ اس وقت میری حالت اس متعلم کی سی تھی جس سے زبانی سوال کا صحیح جواب بن نہ آئے میں منہ سے تو بولا ہاں ندامت سے دانت نکال دیئے کچھ دیر سوچنے کے بعد یہ عذر تراشا کہ شہادت کی راہیں اس زمانے میں مسدود ہیں۔ وہ میرے اس عذر لنگ پر ہنس دی اور کہا۔ "اے آقا! جنت کے دروازے تو ہر وقت کھلے ہیں شہادت کے موقعے ہزار بار پیدا ہوتے ہیں۔ طوفان کے وقت جب سمندر بلاخیز موجوں سے تیوری چڑھا لیتا ہے اور جہاز بھنور میں پھنس جاتا ہے۔ تو جو شخص اپنی لائف بیلٹ (Life belt) دوسروں کے سپرد کر کے خود حوالہ تقدیر ہو جاتا ہے۔ وہ ڈوب جائے تو شہید کہلاتا ہے۔ جب ڈاکوؤں کے شر بار اسلحہ بستی کے خرمن امن کو آگ اگل کر جلاتے ہیں تو معصوم آبادی کو بچانے کے لئے جو اپنی جان عزیز دے دے شہید ہے جب کسی غریب کے مکان کو آگ لگ جائے اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگیں اس وقت جو بیکس ماں کے گریہ وفغاں سے متاثر ہو کر بچوں کی جان بچاتے ہوئے نذر آتش ہو جائے شہید ہے اے میرے آقا! شہید کا رتبہ آخرت میں بہت بلند ہے اے سرتاج! میں تیرے سر پر شہادت کا تاج دیکھنا چاہتی ہوں اسی سے دنیا کے گناہ دھل سکتے ہیں اور آخرت کا عذاب ٹل سکتا ہے۔"

موت کے تصور سے جو کیفیت بزدل اور منافق پر طاری ہوتی ہے وہی اس وقت مجھ پر طاری ہوگئی میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا آنکھوں میں خوف و خطر کی علامات پیدا ہوگئیں جس کو دیکھ کر وہ خود کسی سوچ میں پڑ گئی میں نے بالآخر پوچھا کہ قطعی نجات کی کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ اس نے سر اٹھایا اور کہا قطعاً نہیں سچا دین وہی ہے قربانی جس کا آئین ہو انسانوں میں افضل وہ ہے جس کے دل میں شہادت کی تڑپ ہو۔ میں نے کہا تو کیا شہید کے سوا بہشت کی راہ سب پر مسدود ہے؟ کہا۔ "مسدود تو نہیں مگر نجات یقینی نہیں۔" اب ذرا مطمئن ہو کر پوچھا۔ "اے محبوب! شہید کے علاوہ ناجی کون شخص ہے؟" وہ سرو گلشن محبوبی بولی "متقی اور مومن۔"

میں نے کہا۔ "محبوب! مومن کی کیا تعریف ہے؟" اس نے جواب دیا کہ مومن وہ ہے جس نے گناہ کبیرہ نہ کیا ہو۔ میں نے پوچھا کہ صالح؟ وہ بولی "صالح وہ شخص کہلائے گا جو قوموں میں ذہنی

اور مادی انقلاب پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔اس تعریف میں بڑے بڑے ریفارمر شامل ہیں جن کی ذات سوسائٹی کی ترقی کا باعث ہوئی اور جن کے شخصی عیوب قومی خدمات کے مقابلے میں وہی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو کاہ کو کوہ کے مقابل ہے۔اس میں وہ فاتحین بھی شامل ہیں جنہوں نے مصطفیٰ کمال کی طرح قوم کو تنزل کے خارزار سے نکال کر ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیا۔'' پھر میں نے پوچھا کہ متقی کی کیا تعریف ہے؟ وہ بولی۔''اے سرتاج! متقی وہ ہے جس پر موت کا خوف اور خدا کا ڈر اتنا مستولی ہو کہ وہ ہر وقت گناہ پر نظر رکھے اور نیکیاں کرتا رہے۔وہ ہر انسان سے حسن سلوک کرتا ہے اور حقوق العباد کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتا۔لواحقین اور ہمسایوں کے لیے سراپا رحمت ہوتا ہے اس میں شوق شہادت نہیں ہوتا مگر غازیوں کی امداد سے دریغ نہیں کرتا ہر نیک تحریک میں حصہ لیتا ہے صالح انسانوں کی امداد میں مصروف رہتا ہے۔جب بھی اس سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہوتا ہے تو برسوں شرمسار رہتا ہے۔بیماروں کی خدمت کر کے کفارہ ادا کرتا ہے اور قومی اور ملی تحریکات میں بقدر امکان اعانت کر کے روٹھے ہوئے خدا کو خوش کرنے کی سعی کرتا ہے۔اے آقا! متقی اور صالح لوگ باوجود گنہگار ہونے کے اپنے نیک اعمال کی کثرت کی وجہ سے دوزخ کی آنچ سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔اگر تم شہید نہیں ہو سکتے تو وہ کام کرو۔جس سے مخلوق خدا کو نفع کثیر ہو زندگی ایک نظام کے ماتحت بسر کرو۔قوم کی عزت کے محافظ بنو آزادی کو اپنا حق سمجھو۔''

رفیقۂ حیات کی ان تصریحات کے بعد میں نے پاک زندگی بسر کرنے کی ٹھان لی جو وقت پیٹ کے دھندے سے بچتا میں مخلوق خدا کی خدمت میں بسر کرنے لگا۔جس سے میری طبیعت میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا گیا میں قولی عبادت مختصر سی کرتا تھا مگر عملی عبادت یعنی خدمت خلق میں رات دن لگا رہتا۔ہمیشہ یہی خیال دامنگیر تھا کہ اس تھوڑی سی زندگی میں کوئی بڑا کام سرانجام پا جائے۔ایک دن صبح سویرے نور کے تڑکے میں روزانہ کی عبادت سے فارغ ہو کر یہ دعا مانگ رہا تھا کہ الٰہی خدمت خلق کا بہترین موقع دے کہ کسی نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا۔میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا دیکھا تو خان دوراں سبز عمامہ پہنے ہاتھ میں تسبیح لئے کھڑا ہے چاہا کہ دھکے دے کر نکال دوں مگر غصے پر تحمل نے فتح پائی غصہ ضبط کیا اسے مردانہ مکان میں لے جا کر بٹھایا۔چونکہ اس کی آشنائی پہلے مضر ثابت ہو چکی تھی اس لئے ملاقات کو مختصر کرنے کے لئے بے وقت آمد کی وجہ پوچھی اس نے آنکھیں اوپر اٹھاتے ہوئے کہا کہ ''عشرت نے پیغام محبت دے کر بھیجا ہے۔''

عشرت کا نام سن کر مارے غصے کے میرے جسم پر کپکپی سی طاری ہو گئی۔خان نے میری کیفیت قلب

کو چہرے ہی سے بھانپ لیا اور بات بدل کر کہا کہ میں تمہیں نصیحت کرنے آیا ہوں کہ اب گوشہ نشین ہو کر یادِ خدا میں مشغول ہو جاؤ عبادت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ میں نے کہا کہ عزت گزینی کا میں قائل نہیں رہا۔ ملت کی خدمت مخلوق خدا کی بھلائی میری عبادت ہے۔ خان دوراں نے کچھ پریشان ہو کر کہا کہ آپ عبادت کی ضروریات کے قائل نہیں؟ میں نے کہا کہ عبادت عمل حسنہ کی ابتدائی تیاری ہے اس لئے عبادت مقصد نہیں ہے بلکہ خدا کی مخلوق کی خدمت ہی انسان کے لئے دنیا اور آخرت میں بھلائی کا باعث ہے۔ جو شخص خدا کی حمد کے ساتھ مخلوق کی خدمت کرتا ہے اسی کو نجات ابدی کی بشارت دی جاتی ہے۔

خان دوراں کے سینے سے اک آہ نکلی اور بے اختیار ہو کر بولا کہ تو میرے قبضے سے نکل گیا۔ یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے اٹھا۔ میں نے اس کی عبا کے کنارے کو پکڑ کر پوچھا۔ میں تیرے قبضے سے کیوں کر نکل گیا؟ مگر وہ نہ رکا اس نے کنارے کو جھٹکا دیا مگر میں نے دامن تھامے رکھا اس کی ناک سے سگریٹ کے دھوئیں کی طرح غبار سا اٹھا اور بتدریج پھیلنا شروع ہوا۔ اس دھوئیں سے ایک نہایت کریہہ شکل نمودار ہوئی جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں دانت باہر نکلے ہوئے تھے ناک لمبی اور خمیدہ سر کے بال چھوٹے چھوٹے تیروں کی طرح کھڑے تھے جوں جوں دھواں پھیلتا گیا یہ شکل قد میں بڑھتی گئی مگر اس کے نقوش مدھم پڑتے گئے حتیٰ کہ وہ غائب ہو گئی اس دہشت ناک شکل کو دیکھ کر میری گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ وہ عبا چھڑا کر باہر نکل گیا۔ میں نے بڑھ کر راستہ روکنا چاہا وہ بولا کہ اے انسان! میں تیری دسترس سے باہر ہوں اس وقت تو میں عالم ناسوت کے مثالستان میں ہوں مگر اب عالم لاہوت کے خیالستان کو جاتا ہوں یہ کہا اور میری نظر سے غائب ہو گیا میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتا رہا مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔

☆☆☆

باب دوم

عالم مثال

(دارالمعائنہ)

آغاز بہار کی ایک صبح کو جب فرشتے اہل زمین پر برکتوں کی بارش کر رہے تھے اور اس راحت جاں کا لگایا ہوا باغیچہ نئے پھولوں اور پتوں سے سبز پوش محبوب معلوم ہوتا تھا ایک طائر خوش رنگ وخوش الحان زمزمہ سرائی کرتا ہوا آیا اور ایک شاخ گل پر بیٹھ کر پھولوں کے حسن کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی بے فکر مشغولیتوں کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا کہ اے مرغ رنگین پر! تیری زندگی قابل رشک ہے کہ نہ اس جگ میں کچھ غم نہ اس جہان میں جزا و سزا کا اندیشہ۔ اتنے میں رفیقہ حیات نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ''کس فکر میں پڑے ہو؟'' میں نے کہا کہ فکر فردا میں وہ بولی کہ ''فکر فردا بے سود ہے۔ آج ہمت سے کام لو کل کا اندیشہ نہ کرو جو دنیا میں ہمت نہیں ہارتے ہر کٹھن منزل کو ہمت سے طے کرتے ہیں وہ آخرت میں مستحق انعام ہوتے ہیں۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ ''کبھی کبھی تو مجھے حیات بعد الموت پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے'' بولی کہ ''ایسے موقع پر استغفار پڑھو۔'' میں سجدے میں گر پڑا اور دیر تک تضرع وزاری کے ساتھ استغفار پڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد سجدے سے سر اٹھایا۔ وہ میرے پاس آ بیٹھی اور مصلے پر لیٹ جانے کا اشارہ کیا تھوڑی دیر محبت سے میری طرف دیکھا مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اس عالم میں میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔

عذاب قبر:

کیا دیکھتا ہوں کہ میں مر گیا ہوں اور احباب میرے جنازے کو کندھوں پر اٹھائے قبرستان لے جا رہے ہیں میں نے گھبرا کر اٹھنا چاہا سکت نہ پائی بولنا چاہا زبان بند ہو گئی میں نے ہزار دفعہ ہلنے اور بولنے کی بے سود کوشش کی حتیٰ کہ جنازہ قبرستان پہنچا تابوت ایک درخت کے نیچے رکھ دیا گیا۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ میری نگاہ جہت کی قید سے آزاد ہو گئی ہے میں جدھر چاہوں بغیر آنکھیں پھیرے اور سر ہلائے دیکھ سکتا ہوں مذہبی پیشوا آخری رسوم پوری کرنے کو آیا اور سرہانے کھڑے ہو کر کہا کہ

ویرانا نی ہے۔ سب کے چہروں پر فنا کے ذکر سے مردنی سی چھا گئی اب اس نے جلد جلد کچھ آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ اندھیرا ہو رہا تھا سورج لحد مغرب میں اتر چکا تھا قبرستان کے درختوں کی جھکی ہوئی ٹہنیاں اور ملبوری کی چیخ و پکاروں پر افسردگی طاری کر رہی تھی جوں جوں اندھیرا زیادہ ہو رہا تھا لوگوں میں بے چینی کے آثار زیادہ بڑھ رہے تھے۔ گورکن شمع کی مدد سے لحد تیار کر رہا تھا میرے احباب جو جنازے کے ہمراہ آئے تھے لحد کی تیاری کا نہایت اضطراب سے انتظار کر رہے تھے اب گہری تاریکی چھا گئی گورستان پر خاموشی طاری تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد گورکن نے آواز دی۔" لحد تیار ہو چکی ہے جنازہ اتارو۔" لحد کی تنگی اور قبر کی تاریکی کے تصور سے میں نے چیخنا چاہا مگر آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ احباب نے اٹھا کر مجھے لحد میں لٹایا قبر کو مٹی سے بھر دیا اور مجھے اس ہولناک مقام پر چھوڑ کر چلے گئے۔ باوجود اس خاک کی چادر اوڑھنے کے میں سب کو دیکھ رہا تھا تنہائی کے ڈر سے میں گھبرایا اور زور سے چلایا کہ دوستو! کچھ دیر ٹھہرو۔ یوں چھوڑ کر نہ جاؤ انہوں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا میں نے سر دھن کر کہا کہ اہل دنیا کی دوستی کا کچھ اعتبار نہیں۔

جنگل میں یہ پہلی رات تھی اندھیرا تہ بہ تہ تھا گردو پیش سیاہی کا بے پایاں سمندر تھا مجھے معلوم ہوا کہ اب آنکھوں میں بصارت نہیں رہی تاریک رات میں پتھریلی زمین پر جس طرح غازیوں کے گھوڑوں کے سموں سے شرارے نکلتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے روشن نقطے آنکھوں کے سامنے اڑتے دکھائی دیتے تھے پھر تاریکی چھا جاتی تھی موسم سرما کی کالی رات میں سیاہ بادلوں کی ہلکی رگڑ سے جس طرح مدھم سی بجلی چمک اٹھتی ہے اسی طرح قبر کی تاریکی میں روشنی کی ہلکی سی لکیر کبھی کبھی آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد پھر اندھیرا پرے باندھ کر کھڑا ہو جاتا تھا آخر میں اٹھا گرتے پڑتے اور ٹٹولتے ایک طرف کو بڑھا کبھی دائیں گیا کبھی بائیں معلوم نہیں کتنا عرصہ یونہی بھٹکتا رہا قبر کی وسعت نے خدا جانے کتنے جہانوں کو گھیر لیا تھا کہ جاتے جاتے کہیں دیوار نہ ملی معلوم ہوا کہ میں ایسی دنیا میں آ گیا ہوں جہاں زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔

خدا جانے کتنے منٹ گھنٹے سال اور قرن یونہی گزر گئے۔ پھر دور سے روشنی نمودار ہوئی میں آنکھوں کو مل مل کر دیکھنے لگا۔ یہ روشن شعاعیں بلند و بالا ہستیوں کی آنکھوں میں سے نکل رہی تھی جو سیاہ فرغل پہنے گرز گراں ہاتھوں میں لئے میری طرف آ رہے تھے جب میرے پاس آ پہنچے تو وہ ایک روزنامچے کے اوراق آنکھوں کے سامنے رکھ کر پڑھنے لگے ایک صاحب نہایت سرکہ جبیں تھے

دوسرے کبوتر کی طرح بھولے بھالے اور بچے کی طرح معصوم صورت۔

اول الذکر تیوری چڑھا کر اپنی ڈائری کے اقتباسات پڑھنے لگا۔اس کے بعد مئوخرالذکر نے کشادہ پیشانی سے اپنا روزنامچہ پڑھا۔میں اس نظارے کو نہایت خوف سے دیکھ رہا تھا یک بیک اس ترش رو شخص کی بھنویں اور تن گئیں اور وہ کچھ بڑبڑایا۔عشرت جہاں اور ناحق پھانسی پانے والے لڑکے کا نام ہی میری سمجھ میں آیا اب وہ اپنا گرز گراں تان کر میری طرف بڑھا میں چیخ مار کر پیچھے کو ہٹا۔وہ بھی اپنا جانستان ہتھیار مجھ پر رسید کرنے کو تول ہی رہا تھا کہ اس کا ساتھی مضطرب ہو کر درمیان میں حائل ہو گیا اور اسے اپنی زبان میں کچھ سمجھایا۔اس کی گفتگو میں عسرت جہاں اور مغلانی کے نام ضرور آئے۔پھر اس نے اپنے ساتھی کو ڈائری دکھائی جس کو وہ بھی پڑھتا رہا اس کی پیشانی کے بل غائب ہونے لگے میں سمجھ گیا کہ مصیبت کے بادل چھٹ رہے ہیں چنانچہ اظہار تشکر و اطمینان کے لئے اس فرشتہ رحمت کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دینے کے لئے جھکا مگر پاؤں دکھائی نہ دیئے میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو دونوں نظر سے غائب تھے۔

اب میں نے ادھر ادھر دیکھا تو ہر طرف اجالا نظر آنے لگا ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ دنیا کی بستی اس مقام سے کچھ دور نہیں سامنے والے اونچے پہاڑ کے عقب میں وہ جہاں بستا ہے جسے لوگ دنیا کہتے ہیں جہاں محبت کی پینگیں بڑھائی جاتی ہیں اور جہاں اب بھی ناز و نیاز کارزار گرم ہوگا جہاں کی رنگینیاں اور دلفریبیاں دیکھ کر فرشتے بھی آسمان سے اترنے کے خواہاں رہتے ہیں میں نے چاہا کہ دوڑ کر ہمالیہ سے سربلند پہاڑ کو پھاند جاؤں اور اہل دنیا کے ہاؤ ہو میں شامل ہو جاؤں میں بھاگا دامن کوہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ پہاڑ میرے اور دنیا کے درمیان حائل ہے کشتوں کے پشتوں کا بنا ہوا اور دامن کوہ میں آنسوؤں کے ہزاروں دریا اور خون کی لاکھوں ندیاں بہہ رہی ہیں ان دشوار گزار مراحل کو طے کر کے جانا ناممکن ہے اب پھر آنکھوں کے سامنے ایک تاریکی کا پردہ سا پڑ گیا اور میں چپ و راست اندھے کی طرح ٹٹولنے لگا خوف سے ہزار بار مرا امید سے ہزار بار جیا۔

ایک مدت کے بعد تاریکی کا بادل جو مجھ پر محیط تھا چھٹنے لگا۔صرف ایک غبار سا باقی رہ گیا میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا۔کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان بے تحاشا میری طرف بھاگا چلا آتا ہے میں نے پہچانا کہ یہ وہی لڑکا ہے۔جس نے میرے حکم سے پھانسی کی سزا پائی تھی۔وہ میرے دیکھتے دیکھتے بڑھنے لگا اور اس کا قد چوگنا ہو گیا غور سے دیکھا۔اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ایک ہار پڑا دکھائی دیا اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح روشن ہو گئیں۔وہ میرے قریب

چیخ کر اچھلنے کودنے لگا اور میرے گرد گھوما۔ میں مارے خوف و دہشت کے کانپنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں تین لمبی لمبی سلاخیں تھیں جو اس نے زمین میں گاڑ دیں اور ایک موٹا سا رسا ان سے لٹکا دیا میں خوف سے بھاگا وہ میری طرف لپکا میں ایک مدت آگے آگے بھاگتا رہا ہر لحظہ یہی گمان ہوتا تھا کہ اس نے مجھے آلیا میں اور تیز ہو جاتا تھا کبھی کبھی اس کے پاؤں کی چاپ اور اس کی پھولی ہوئی سانس کی آواز سنائی دیتی تھی میں موت کے منہ سے نکلنے کے لئے اور زیادہ سعی کرنے لگا۔

آخر مجھے اس کا ہاتھ اپنی گردن پر پڑتا محسوس ہوا۔ بے اختیار چیخ نکل گئی اب دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ میں نے راضی بقضا ہو کر اس دیو قامت نوجوان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے خونخواری ٹپک رہی تھی فریاد و فغاں سے میں نے قیامت برپا کر دی۔ وہ مجھے اٹھا کر پھانسی کے قریب لایا میں نے عاجزی کے سارے طریقے خوشامد کے تمام الفاظ ختم کر دیئے۔ میری منت وزاری کا جواب اس دیو ہیکل نے طنزیہ مسکراہٹ سے دیا۔ میں نے پھر زاری کی اور زور کیا مگر رہائی کی صورت نہ پائی۔ اس نے اب مجھے گردن سے پکڑ کر اونچا اٹھایا۔ میری گردن میں حلقہ پہنایا۔ میں نے مایوسی کے عالم میں کہا کہ بیگناہ کو زبردستی پھانسی دینا کیا انسانیت ہے اس نے آنکھ ملا کر کہا رشوت لے کر پھانسی دینے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ میں شرم کے مارے گویا زمین میں گڑ گیا۔ موت نہ بھی آتی تو میں منہ سے مانگ لیتا۔ چنانچہ جوش میں آ کر کہا بس لٹکا دو اب مجھے مرنے دو اسے میری موت سے بڑھ کر میری اذیت میں مزہ آتا تھا حلقہ رسن کو گردن سے نکالا اور کہا وہ وقت یاد کر جب میری آہ و زاری سے تجھ پر ذرہ بھر اثر نہیں ہوا تھا اور چند سکون کے لئے تو ضمیر فروشی اور انسان کشی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ میں نے ہاتھ باندھ کر کہا خدارا رحم کرو۔ مگر اس نے کوئی توجہ نہ کی جب اسے معلوم ہوا کہ ندامت کی جگہ خوشامد نے لے لی ہے۔ تو پھر حلقہ گردن میں ڈالا۔ ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور نہایت آہستگی سے مجھے لٹکا دیا۔ گلا گھٹتا گیا اور میری آنکھیں باہر نکل آئی خلاصی کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ رسہ اور گلو گیر ہوا دم لینے کے لئے منہ کھولا سانس سینے میں رک گئی جان کنی کی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی میں نے چیخنا چاہا مگر آواز نہ نکلی زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا پھانسی سے موت بہت جلد واقع ہوتی ہے مگر مجھ پر مہینوں یہی عذاب رہا۔

ایک مدت کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کی خلاصی ہو رہی ہے اور میرے ہاتھ کھولے جا رہے ہیں اگرچہ نقاہت سے حرکت اعضا اور جنبش لب ممکن نہ تھی اور آنکھیں اب تک روشنی سے

محروم تھیں تاہم معلوم ہو رہا تھا کہ اب میں آرام دہ مستقر پر لایا جا رہا ہوں۔ جان نے مدت کے بعد
آرام پایا اور آنکھوں میں بتدریج روشنی آنے لگی گویا لاکھوں گلی سڑی لاشوں کے پاس لیٹا ہوں ناک
بند کر کے کچھ دیر سانس روکی اور ادھر ادھر دیکھا اب سب چیزیں صاف نظر آتی تھیں۔ میں اٹھ
بیٹھا اور اٹھنے کے ساتھ ہی کسی کے پازیب کی جھنکار سنائی دی مڑ کر دیکھا تو عشرت جہاں سولہ سنگار
بارہ ابھار سے آراستہ میری طرف آ رہی تھی جب آنکھیں چار ہوئیں اس نے آغوش کھول دی میں
اس کی طرف اس طرح چلا جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ بدبو میں
افزائش ہے۔ میں وہیں رک گیا جوں جوں وہ قریب آئی بدبو میں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر عفونت کی تاب
نہ لا کر پلٹا۔ اس نے بازو پھیلائے اور کہا۔ "اللہ میرے پاس آ، یوں چھوڑ کر نہ جا" وہ بڑھی اور بڑھ کر
ہاتھ گردن میں حمائل کر دیے اس کے قرب نے مجھ پر قیامت ڈھا دی دماغ پھٹنے لگا میں پاؤں سر پر
رکھ کر بھاگا۔ وہ تیزی سے تعاقب میں چلی۔ میں نے بھاگتے ہوئے کہا۔ "ذرہ دور رہ کر بات
کر۔" وہ بولی "دنیا میں میری حضوری کے لئے وہ بے صبری یہاں دوری کے لئے یہ بیقراری۔"
میری آنکھیں شرم سے زمین میں گڑ گئیں۔

پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو عشرت جہاں کا حلیہ عجیب نظر آیا۔ نہ اس کے منہ میں دانت نہ پیٹ میں
آنت۔ اب وہ سو سال کی ڈھڈو کی طرح بدرو اور بدنما نظر آئی۔ میں نے ڈانٹ کر کہا۔ "او شعبدہ باز
بڑھیا۔ سچ بتا تو کون ہے؟" وہ بولی "واللہ میں عشرت جہاں ہوں۔ تو نے جوش جوانی میں میری
حقیقت کو نہ پہچانا تیرے شباب کی مستی نے تجھے میری اصلیت کا اندازہ نہ کرنے دیا۔" یہ کہہ کر اس
نے بازو پھیلائے اور بولی کہ اے محبوب! آ میں وہی ہوں جس کے حسن کی بلائیں تو انتہائی وارفتگی
سے لیا کرتا تھا۔ تجھے آج مجھ سے اتنی گھن کیوں آتی ہے؟ تو میرے وصال سے کیوں گھبراتا
ہے؟ کہا اور تیزی سے میری طرف جھپٹی۔ میں نے ہزار بچنا چاہا مگر اس کے بازو میرے گرد مضبوط ہو
گئے مجھے محسوس ہوا گویا میں گندگی کے گہرے تالاب میں پھینک دیا گیا ہوں ہزار زاری اور اضطرار
کے باوجود اس نے گرفت ڈھیلی نہ کی مجھے عجیب عذاب نے آ گھیرا ہر اک سانس کے ہمراہ لاکھوں
عفونتیں جسم میں داخل ہوتی تھیں میں نے بے سود ہاتھ پاؤں مارے ناک بند کی تو منہ کھل گیا۔ منہ
پر ہاتھ دیا تو ناک کے راستے بدبو داخل ہوئی ناک اور منہ دونوں بند کئے تو دم گھٹا اسی طرح ایک مدت
مبتلائے عذاب رہا آخر سر چکرایا اور میں گر پڑا کچھ دیر بے ہوش پڑا رہا آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی استانی
میرے پلنگ کے پاس کھڑی صبح دل کشا کی طرح مسکرا رہی ہے ہجوم آلام کے بعد اس خوشگوار

ملاقات پر میں بے اختیار رو دیا۔

اس عصمت بی بی نے بڑی شفقت دکھائی اور تسلی دے کر کہا کہ تیری خدمت کو دو تو کرلائی ہوں جن پر تو نے دنیا میں احسان کیا تھا۔ یہ کہہ کر وہ ان کے نام لے کر پکاری کہ اے بچو! اپنے محسن کے پاس بیٹھو۔ میٹھی باتوں سے اس کا دل بہلاؤ۔ جو حکم دے اسے بجا لاؤ۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا جن کی عمریں دس بارہ بارہ سال ہے خوش خوش میری طرف آئے اور پاکتی بیٹھ کر تلوے سہلانے لگے۔ حسن میں ایک آفتاب دوسرا ماہتاب تھا ایسا معلوم ہوا کہ جنت کی ٹھنڈی ہوائیں پنکھا جھل رہی ہیں۔ مکان نہایت صاف بستر بہت نرم تھا دل کی تمام کوفتیں اور کدورتیں دور ہو گئیں تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھا کمرے سے باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک طویل و عریض عمارت میں ہزاروں لوگ مختلف کمروں میں پڑے سو رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اشخاص کے چہروں پر تو اطمینان کے آثار نمایاں ہیں اور بعض درد و کرب میں مبتلا ہیں۔ وہ کروٹیں بدلتے ہیں ٹانگیں سیکٹرتے ہیں ہاتھ پھیلاتے ہیں سر کچلے سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ ماتھے کی شکنیں اور اعضاء کا تشنج بتا رہا تھا کہ بے انتہا درد و کرب میں مبتلا ہیں ان کے مرغوب خاطر مگر پر عیب مشاغل میری طرح انہیں ہیبت ناک خواب دکھا رہے تھے میں پریشان ہو کر جھٹ وہاں سے نکلا۔

باہر نکل کر دیکھا کہ ایک نہایت پاکیزہ صورت فرشتہ کھڑا کہہ رہا ہے کہ اے گنہگار و مضطرب نہ ہو یہ تمہارے خیال کی دنیا ہے تم نے زندگی بھی تو انہی مشاغل میں بسر کی تھی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "اے عزیز یہ لوگ اسی مصیبت میں مبتلا ہیں جس سے تم رہائی پا چکے جو دنیا میں اپنے اعمال کا جائزہ نہیں لیتے وہ آخرت میں خمیازہ اٹھاتے ہیں۔"

ہم اس طرح باتیں کرتے ایک گنجان جنگل میں داخل ہوئے جہاں چنبیلی خودرو پودوں سے بغلگیر تھی سدا بہار گلاب کے نازک پتوں پر شبنم موتیوں کی طرح ٹکی ہوئی تھی تمام اشجار کو سبز پتوں سے لدا دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ جنگل خزاں سے نا آشنا ہے۔ بلند درختوں کی لمبی لمبی شاخیں بعض جگہ آپس میں مل کر دور تک محراب بناتی چلی گئی ہیں۔ ان میں سورج کہیں کہیں جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ پانی کی افراط اور زمین کے نشیب و فراز سے جگہ جگہ آبشاریں بنی ہوئی تھیں خوشبو سے لدی ہوئی ہوا دماغ کو معطر کر رہی تھی ہزاروں انسان اس جنگل میں آلتی پالتی مارے آنکھیں جلدی جلدی جھپک رہے تھے پہلے حیرت ہوئی پھر ہنسی آئی۔ چاہا کہ پوچھوں یہ کیا کیفیت ہے ہمراہی نے بازو تھاما اور اشارے سے باز رکھ کر کہا کہ یہ سعی بے سود ہے۔ دنیا میں یہ انسانوں سے نفوز بستیوں سے دور رہے۔ آج بھی

کسی مداخلت کے متحمل نہیں یہ جوگی سادھو مست قلندر رقلاً کوہ اور گنجان جنگلوں میں بیٹھ کر بزعم خود یادِ خدا کیا کرتے تھے انہیں عمل کی دنیا میں بھیجا گیا تھا یہ خیال کی دنیا میں رہے خیال تو آپ جوگی طرح آنی جانی چیز ہے خوشگوار تصور جو وہ اب باندھنا چاہتے ہیں۔ استقلال نہیں پکڑتا آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے تو نیا خوبصورت تصور باندھنا چاہتے ہیں۔ اسی کوشش میں آنکھیں کھولتے اور بند کرتے ہیں۔

آگے بڑھ کر میں نے ایک اور گروہ دیکھا کہ آنکھ ناک منہ موند کر چت لیٹے ہوئے چپ چاپ اپنے خیال کی دنیا میں پڑے رہتے ہیں اور جس طرح دنیا میں اپنے خیال میں مست دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے رہتے تھے اب بھی مگن ہیں ان کے کمال تصور نے ان کے حسب منشا ایک نئی دنیا بنا رکھی ہے۔ آگے جا کر دیکھا تو لاکھوں انسان تسبیح اور مالا لئے خدا کا نام جپ رہے ہیں۔

ذرا اور بڑھا تو دیکھا کچھ لوگ ساز بجا رہے ہیں۔ کچھ نوجوانوں کو دیکھا کہ تانیں اڑا رہے ہیں اور کچھ سبز پوش فقیر ہیں کہ وجد میں آ کر تھرا رہے ہیں اف اف اور ہائے ہائے کے درد انگیز نعرے لبوں پر رواں ہیں کبھی ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں کبھی کولہوں کو مٹکاتے ہیں کچھ جسم پر بھبوت لگائے اور دھونی رمائے بیٹھے ہیں میرے ہمراہی نے کہا کہ یہ حال مست لوگ دنیا میں عیب و ثواب دونوں سے ناواقف رہے نہ اہل دنیا کو دکھ دیا اور سکھ پہنچایا۔ خدا کی یہ مخلوق جنگل کے پھولوں کی طرح ہے کہ نہ تو کسی کو ان کا کانٹا چبھا نہ رنگ و بو سے کوئی بہرہ اندوز ہوا۔ بد اور نیکی سے ناآشنا رہ کر خدا کے غصے کی آگ سے بچ نکلے مگر اس کی خوشنودی کی بہشت سے محروم ہو گئے۔ دیدار کردگار تو بے شک انہیں میسر ہوگا مگر اس کا حسن بے پرواہ انہیں درخورِ اعتنا نہ سمجھے گا۔ در آنحالیکہ نیکوکار نوازشہائے پیہم سے شادکام ہوں گے۔ محبت اور پیار کی وہ اصلاحات جو دنیائے عمل میں مروج ہیں وہ آئندہ دنیا کی کیفیت و سرور کو بیان کرنے میں استعمال کی جائیں تو مفہوم ادا نہیں ہوتا بہرحال یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ دنیا میں فراق کو وصال پر بعض حالتوں میں فوقیت حاصل ہے مگر وہاں وصال خوشی کی انتہا ہے دیدار و وصال کے برابر نہیں جو دیدار سے محروم ہے وہ وہاں بدنصیب ہے۔

میرے ہمراہی نے یک بیک گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا کہ میری سرحد ختم ہو گئی ہے۔ یہ دوسرا درجہ تھا اب تیسرا درجہ شروع ہوگا میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک اور وسیع عمارت موجود ہے میں ایک بلند دروازے کے راستے اس میں داخل ہوا۔ ایک نہایت پاک نورانی فرشتے نے میرا خیر مقدم کیا اور کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم ایک ارذل مقام سے نکل آئے جو بدترین گنہگاروں کے

لئے مخصوص ہے تاکہ وہ اپنے فاسد خیالات کی دنیا ہی کا مزا چکھیں۔ اب تمہارے لئے مزید ترقی کا موقع ہے موقعے کو پہچانو گے تو پھل پاؤ گے ورنہ پچھتاؤ گے۔

اس ہولناک خواب کا تصور میرے دل میں قائم تھا جس سے میں نے ابھی ابھی نجات حاصل کی تھی۔ میں نے کہا نہیں صاحب اب کھائی تو کھائی پھر کھائی تو رام دہائی۔ اب مجھے برائی پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا یہ بات سن کر اس نے اطمینان کا اظہار کیا۔ اور کہا لو آؤ اب ذرا اپنا جسمانی اور روحانی معائنہ کراؤ۔ چنانچہ ہم ایک ربڑ کی صاف ستھری اور کشادہ سڑک پر چل پڑے جس پر دو رویہ سپید سے کے فلک بوس درخت لگے تھے اس سڑک کے ساتھ ساتھ سبز گھاس سے ڈھکی ہوئی ایک روش تھی جس میں اس افراط سے پھول کھلے کہ بجائے سبزے کے پھولوں کی لمبی لمبی چادریں بچھی معلوم ہوتی تھیں۔

تھوڑی دور جا کر سنگ مرمر کی ایک وسیع عمارت دکھائی دی جس کا ہر کونہ خوبصورتی میں تاج محل سے سوا تھا معلوم ہوا کہ اس عمارت کو بیسیوں راستے جاتے ہیں اور سینکڑوں انسانوں کی آمد و رفت ہے میں اپنے ہمراہی کے ساتھ ڈرتے ڈرتے داخل ہوا دروازے پر دربان نے میرے ہاتھ میں ایک لمبا کاغذ دیا جس پر جسمانی اور روحانی عوارض کی مفصل فہرست تھی اور سامنے کیفیت کے اندراج کے خانے خالی تھے ہم غلام گردش سے ہوتے ہوئے متعدد کمروں کے سامنے سے گزرے جن میں عجیب عجیب قسم کے آلات دھرے تھے۔ ہماری طرح اور بھی لوگ مصروف سیر تھے ان کے ہاتھوں میں اسی طرح کے کاغذ تھے آخر جب سب کمروں کی سیر ہو چکی تو ایک ڈیوڑھی پر پہنچے اور متحرک تختے کے ذریعے سے اوپر کی منزل میں گئے۔ بالائی حصے میں بھی کئی کمرے اور ہر کمرے میں طرح طرح کے آلات رکھے تھے ہم آہستہ آہستہ پھرتے پھراتے پھر اسی متحرک تختے کے قریب پہنچے۔ اور اسی کے ذریعے سے نیچے اترے اور اترتے ہی عمارت کے باہر آ گئے۔ میرے ہمراہی نے کہا اب اپنا کاغذ دیکھو میں نے دیکھا کہ جسمانی بیماریوں کے سامنے اور تقریباً تمام روحانی امراض کے سامنے کے خانے میں لفظ ہاں ہاں درج تھا اور سب کے نیچے نوٹ درج تھا کہ جسم جلدی اصلاح پذیر ہو سکتا ہے اور روح بہت محنت کی محتاج ہے طہارت اور صفائی کی طرف سے طبیعت میں لاپروائی ہے۔

میرے ہمراہی نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا کیفیت دیکھی؟ میں نے پوچھا اس کے سامنے کیا اس نے کہا کہ عمل کا کاغذ غیر نہیں پڑھ سکتا۔ تم پڑھو میں سنوں میں نے پوچھا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ اس کاغذ پر اندراجات کس نے کیے ہیں کہا کہ اس عمارت میں جو مختلف آلات رکھے ہیں ان کے سامنے

سے گزرتے وقت کاغذ پر تمہارے جسم کا عکس پڑ گیا عیب و ثواب خود بخود تحریر ہو گئے یہ کاغذ نامہ اعمال ہے اس پر تمہارے درجے کا تعین ہو گا۔

میں نے گھبرا کر کہا کہ میرا کیا حشر ہو گا؟ میں تو معاشرے میں پورا پھوڑا ادھورا بھی نہیں اترا۔ میں ہر مضمون میں پھسڈی ہوں۔ اس نے کہا تم پر سلامتی ہو گھبرانے سے عمل میں اضافہ نہیں ہو سکتا رونے سے رستگاری نہیں مل سکتی تم نے ایک آسان اور عظیم موقع کھو دیا۔ اب تمہیں کٹھن منزل در پیش ہے اگر کلیجہ پتھر کا اور ارادہ چٹان کا سا مضبوط کر لو تو ابھی دنیا کی منٹوں میں خریدی ہوئی مصیبت برسوں کے بعد آسان ہو گی گناہ کا وہ داغ جو روح کے دامن پر دنیا میں پل بھر کے عرصے میں لگ جاتا ہے اس جہان میں عمریں گزرنے تک بھی دھویا نہیں جا سکتا تاہم توبہ اور عمل کا دروازہ قطعی بند نہیں۔

میں نے بیتاب ہو کر پوچھا کہ میری نجات کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تم پر خدا کا رحم ہو تمہارے ہر سوال کا جواب تمہارے اعمالنامے کی پشت پر لکھا ہوا ہو گا۔ یہاں کسی چیز کا تجسس درکار نہیں۔ صرف اپنے اپنے اعمالنامے کی پشت دیکھنا ہی کافی ہے میں نے جو کاغذ الٹ کر دیکھا تو اس پر یہ ثبت پایا:۔

"پانچ ہزار برس تک بلا ناغہ روزانہ چھ گھنٹے اہل دنیا کے لئے امن اور سلامتی کی دعا مانگی چاہیے۔ اتنا ہی عرصہ روزانہ ایک گھنٹہ ورزش دو گھنٹہ گھر کی صفائی اور جسم اور لباس کی طہارت پر خرچ کرنا ہوں گے۔ اس میں ایک دن کا ناغہ نہ ہو یاد رکھو صرف کوہ ثبات ہی اس عزم میں پورے اترتے ہیں۔"

پانچ ہزار برس کا بلا ناغہ روزانہ پروگرام دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ سر میں چکر سا آیا اور دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا سوچا کہ میں آسان پسند لاابالی عاشق مزاج آدمی زندگی بھر ایک پروگرام کے مطابق بھی کام نہ کیا یہ کوہ کنی مجھ سے کب ممکن ہے برس چھ مہینے کی بات ہوتی تو بھی کمر ہمت باندھ لیتا۔ ایک دو سال چھوڑ اکٹھے پانچ ہزار برس کا معاملہ ہے یہ صبر آزما مدت ایک پروگرام کے مطابق کیسے بسر کروں گا میرا ساتھی میرے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے عزیز! دنیا گناہ میں کھوئی۔ یہ جہان اگر افسوس میں گیا تو عاقبت کا رنار جہنم کے کچھ حاصل نہ ہو گا جس کا ایک منٹ مصیبت میں لاکھ لاکھ برس کے برابر ہے تم نے دنیا کی زندگی کو آسان سمجھا۔ اس مصیبت میں پڑے اب یہاں تن آسانی کرو گے تو عاقبت میں بیش از پیش مصیبت میں پھنسو گے دنیائے عمل کے چند روزہ عیش اور گناہ کی زندگی کی یہ پاداش بے شک سخت ہے مگر تم اپنی گزشتہ مختصر زندگی کا اس پانچ ہزار برس کے عرصہ سے مقابلہ نہ

کرو اگر تم عاقبت کی تکالیف کا اس سے موازنہ کرو تو پروگرام کو آسان سمجھنے لگو کے یقین جانو کہ دارالجزاء کا عذاب شدت میں اس عذاب سے ہزار گنا زیادہ اور دردناک ہے۔

اب وہ اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ سے کہا آؤ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ابتداء میں انسانوں کو توبہ کا یہ موقعہ میسر نہ تھا۔ روحیں حالت امید و بیم میں رہتی تھیں۔ پھر پیغمبروں اور شہیدوں کی نیک روحوں نے خدا کے حضور میں عجز و الحاح کے ساتھ عرض کی کہ گنہگاروں کو ایک لاکھ برس کی مزید مہلت دی جائے تاکہ جو کوتاہیاں دنیا میں ہوئیں ان کی اس عرصے میں تلافی کر سکیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں بارگاہ خداوندی سے حکم ہوا کہ میرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں تمہاری محدود عقل میرے لامحدود علم کو نہیں پا سکتی خدا کے یہ پاک بندے لاڈلے بچے کی طرح مچل گئے۔ آخر ان کی عرض قبول ہوئی دنیا اور برزخ کا یہ نظام صرف دس ہزار برس اور قائم رہتا مگر اب لاکھ برس جاری رہے گا۔ دس ہزار برس تک عالم ارواح کی وہ روحیں جو زمین کی زندگی کے لئے مختص ہیں۔ ختم ہو چکیں گی پھر نوے ہزار برس تک یہ عالم ارواح قائم رہے گا۔ کچھ فکر نہ کرو تمہیں بیسیوں موقعے حاصل ہیں کہ نار سے نجات پاؤ ہمت نہ ہارو اپنے عزم صمیم سے مشکل کو آسان کرو۔

میں نے اپنے ہمراہی کے قول کے مطابق درجہ اول میں ہلکے سے عذاب کا مزا چکھا تھا اب اس سے لاکھ گنا شدید عذاب عاقبت کا دھندلا سا تصور میرے ذہن میں آیا۔ میں اس عزم شکن عرصے کی مہلت کو غنیمت جان کر اٹھ کھڑا ہوا اور گرد دیکھا دارالمائنہ سے لوگ نکل رہے تھے ان میں سے بعض کے چہروں پر وحشت برس رہی تھی بعض کے بشرے خوشی سے گلاب کی طرح کھل رہے تھے۔ ایک صاحب جو خوشی سے شادی مرگ ہوتے جاتے تھے میرے قریب سے گزرے میں نے کہا او بھائی جانے والے! کہو کاغذ پر کیا لکھا پایا کہا کہ خدا کے رحم کو اپنی امید سے زیادہ پایا میں تھا تو فاسق و فاجر مگر ایک عمل خدا کے حضور میں پسند آیا جس سے میرے گوناگوں گناہ معاف ہو گئے اور حکم ہوا کہ مجھے درجہ دوم میں رکھا جائے۔ فرشتے مجھ پر ہزار سال رحمت بھیجیں اور رنج و غم میرے پاس نہ آنے پائیں۔

میرا ہمراہی یک بیک اس کی طرف لپکا اور شہید! شہید! حضرت شہید! پکار اٹھا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آغوش میں لے لیا۔ ان کی طفلانہ خوشی اور گرمجوشی دیکھ کر میں اپنی پریشانی کو بھول گیا۔ ان کے پاس دریافت حال کو جا کھڑا ہوا۔ میرے ہمراہی نے میرا مطلب پا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پاس ہی ایک خوبصورت درخت کے خوشگوار سائے میں لے گیا جہاں بیٹھنے کے لئے صندلی تخت بچھے ہوئے تھے اس نے بیٹھتے ہی پوچھا کہ تم پر سلامتی ہو یہ اجر عظیم تم نے کیسے پایا پل بھر

کے لئے ہم وہاں بیٹھ گئے گویا چند دوست سیر کے لئے آئے ہیں اور لطف صحبت اٹھا رہے ہیں ہوا اٹھکھیلیاں کرتی تھی پتے گویا خوشی میں آ کر تالیاں بجاتے تھے سرخ زریں پرندے درختوں پر بیٹھے نغمہ سرائی کر رہے تھے لیکن راحت و آرام کی اس فضا کو دیکھ کر میرے دل میں پھر ایک ہوک سی اٹھی اپنی سیاہ کاری اور اس کے انجام کی اطمینان سوز یاد نے مجھے ماہی بے آب کر دیا اور انگاروں پر لوٹا دیا۔ میں چاہتا تھا کہ کپڑے پھاڑ کر صحرا کی طرف نکل جاؤں مگر اس نووارد نے اپنے قصے کا آغاز کیا:

☆☆☆

عالم مثال میں پاک روحوں کی دلچسپ گفتگو

ایک خادم خلق کی کہانی

میں نے ابھی عمر کی 25 بہاریں دیکھی تھیں۔ مست شباب تو تھا ہی شغل شراب نے انجام فراموش کر رکھا تھا بزرگوں سے وراثت اس قدر پائی تھی کہ عشرت کے سارے سامان خرید کر بھی قلاش ہونے کا اندیشہ نہ تھا فکر معاش سے آزادی کیا کم دولت ہے۔ جہاں سرمائے کی فراوانی وہاں دماغ کیسے ٹھکانے رہے قمار خانوں میں میرا شہرہ اور حسینان خود فروش کے بالا خانوں پر میرا چرچا تھا ساز و سرود رات دن کا شغل تھا۔

والد مرحوم نے دریا کے کنارے ایک خوشنما اعلیٰ درجے کا مکان تیار کرایا تھا۔ یہ جگہ میری دل پسند تھی برسات کا موسم تھا ایک دن ٹھنڈی ہوئیں چلیں گھٹائیں جھوم کے اٹھیں بادل تھوڑی دیر تک دل کھول کر برسا پھر مطلع صاف ہو گیا میں اس مکان کے بالائی حصے میں مست سرود بیٹھا تھا ساز اور آواز آپس میں مل جل جاتے تھے یونہی دوپہر ڈھل گئی ابر کا ایک ہلکا سا آوارہ ٹکڑا آفتاب کے چہرے پر چھا گیا افق مشرق پر خوشنما قوس قزح نمودار ہوئی گویا کوئی نیلی پوش حسین ساڑھی میں گوٹہ کنارے ٹانکے کھڑا ہے۔

میں نے شغل طرب چھوڑا اور چھت پر چڑھ کر آسمان کا نکھار دیکھنے لگا۔ دریا بہاؤ پر تھا پانی کناروں سے اچھل اچھل پڑتا تھا میں نے اپنی عمر میں ایسی طغیانی اور اتنا پاٹ نہ دیکھا تھا۔ ابھی پانی

لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا کیا دیکھتا ہوں ایک ملاح ہلکی کشتی میں بہت سی سواریاں لئے آرہا ہے دریا کی موجیں ایک دوسری سے ٹکرائیں اور بھنور بنا کشتی گرداب میں پھنسی ملاح نے بہتیرا سنبھالا مگر کچھ پیش نہ گئی ادھر میں بھی ہمہ تن متوجہ تھا کھڑا کھڑا فرط اضطراب سے بے چین ہو گیا اور پکارا۔ سنبھل سنبھل مگر کشتی نہ سنبھلی۔

الٰہی! میلوں کا پاٹ بانسوں کی گہرائی ڈوبنے والے ہاتھ پاؤں مارتے تھے اور امداد کے لئے پکارتے تھے وہ بیکسی کا منظر مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ رحم رحم خدایا رحم! کہتا ہوا میں حوصلہ کرکے پانی میں کودا اور شیر کی طرح دریا کے جگر کو چیرتا ہوا کشتی تک جا پہنچا۔ سواریوں میں بعض لوگ تیراک تھے وہ جان بچا کر ساحل سلامتی پر پہنچنا چاہتے تھے میں زور سے پکارا کہ نامردو! عورتوں اور بچوں کو منجدھار میں چھوڑے جاتے ہو۔ کچھ غیرت مند پلٹے۔ باقیوں نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا اس وقت ایک ایک کا سنبھالنا مشکل تھا۔ میں نے دو بچوں اور ایک عورت کو سنبھالا اور لے چلا۔ کچھ دور جا کر معلوم ہوا بوجھ قوت برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ کنارہ ابھی دور تھا دل نے ہمت تو نہ ہاری مگر مصلحت نہ مانی مجبوراً ایک لڑکے کو خدا کے حوالے کرنا پڑا۔ وہ ڈوبنے لگا ایک دفعہ عاجزی اور حسرت سے میری طرف دیکھ کر پکارا کہ آپ مجھے نہ بچائیں گے؟ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرط رحم نے دو اور جانوں کی ذمہ داری سے غافل کر دیا میں نتیجے سے بے پروا ہو کر بڑھنا چاہتا تھا کہ اس کو بھی اٹھا لوں پھر خیال آ گیا کہ اس بار عزیز کو جان بوجھ کر پھینکا ہے ایک جگر پاش آہ نکلی اس نے مجھے نگاہ حسرت سے میں نے اسے نگاہ ترحم سے دیکھا اس نے غوطہ کھایا اور لاکھوں من پانی اس کے اوپر سے گزر گیا۔

اتنے میں میں نے اپنے وفادار ملازم کی آواز قریب ہی سنی کہ آقا جان! میں آ گیا ہوں۔ میں نے کہا گل نواز اس لڑکے کو جلدی لینا لڑکا ابھرا ہاتھ پاؤں مارے چیخا دوسرا غوطہ کھانا چاہتا تھا کہ گل نواز تیر کی طرح پہنچا۔ پھول کی طرح لڑکے کو اٹھا لیا اور ہم سہمی ہوئی جانوں کو لے چلے گل نواز بولا آقا جان! آپ بہاؤ کے ساتھ ساتھ تیر کر کنارے کی طرف آیئے میرا بوجھ کم ہے میں دریا کو چیرتا چلتا ہوں میں نے کہا جلدی کنارے پہنچو تاکہ جلدی واپس آئیں شاید کوئی اور جان بچ سکے ہم دونوں جلدی جلدی دریا چیرتے پار ہوئے۔ بچے ڈرے ہوئے دریا سے دور جا کھڑے تھے عورت نے سو دعائیں دیں۔ میں نے جو دریا کی طرف نظر اٹھائی دوسروں کو جو پہلے تیرتے تھے ڈوبتے دیکھا معلوم ہوا کہ تیرنے میں پورے مشاق نہ تھے میں دیکھتے ہی پھر پانی میں کودا اور کہا گل نواز! آؤ ان کو بھی بچائیں۔ اس نے کہا آقا جان! آیا وہ جواں ہمت بوڑھا ایسا شہ زور تھا کہ شیر کی

طرح سیدھا بڑھتا آیا گو میرے پیچھے پانی میں پاؤں ڈالا تھا لیکن مجھ سے پہلے پہنچا اور ایک ڈوبتے کو سہارا دیا میں بھی زور لگا کر پہنچا دوسرے کو میں نے بچایا۔ اب ہم سوئے ساحل چلے راحت اور آرام کے حصول میں میں دریا دل تھا روپے پیسے کو اس کے لئے پانی کی طرح بہاتا تھا لیکن اس وقت مجھے ایسا اطمینان قلب نصیب تھا اور ایسی سچی خوشی حاصل تھی کہ دولت دنیا دے کر میسر نہ آسکتی تھی۔ میں وفور مسرت میں کہنے لگا۔ "گل نواز! ساحل پر پہنچ لیں تجھ کو اتنی دولت دوں گا کہ تیری اولاد بیٹھی کھائے گی یہ سن کر وہ رو دیا اسے دیکھ کر میں آبدیدہ ہو گیا دونوں کو پریشانی تھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو انعام کی خاطر جان خطرے میں ڈال دیتے ہیں بہادر اور شریف کے لئے کوئی انعام کافی بھی کیونکر ہوسکتا ہے اسے افسوس ہوا کہ میں نے اسے ایسا سمجھا مجھے شرم آئی میں نے کیا کہہ دیا اسے کلام کا یارا نہ رہا مجھے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ ہوئی گو بظاہر تیرتے جارہے تھے لیکن دراصل دریائے حیرت وندامت میں ڈوبے ہوئے تھے۔"

اب کچھ دور چل کر معلوم ہوا کہ سانس پھول رہا ہے میں نے ہمت کر کے رفتار تیز کر دی۔ پانچ دس قدم گیا تھا کہ بوجھ پہاڑ معلوم ہوا کہ خود غرضی نے کہا۔ جان ہے تو جہان ہے ایک تو دوسرے کی جان بھی نہ بچائی اور اپنی بھی ساتھ گنوائی یہ کہاں کی دانائی ہے غیرت بولی جس کو سہارا دیا اس کو پار نہ اتارا۔ یہ کیسی بھلائی ہے تہور مصلحت پر غالب آیا خود غرضی نے غیرت سے شکست کھائی نتیجہ سے آنکھیں بند کر کے میں نے اپنا آخری زور لگایا۔ کنارہ قریب ہی تھا کہ میرا دم ٹوٹ گیا اور جسے بچا رہا تھا ہاتھ سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ اس میں کسی قدر سکت باقی تھی وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا میں غوطے کھانے لگا قسمت کے کھیل ہاتھ پاؤں مارتے اس کے پاؤں زمین پر جا لگے میں کنارے سے اور الگ ہوتا گیا جو ڈوب رہا تھا وہ بچ نکلا اور جو بچانے آیا تھا وہ ڈوب چلا آخری غوطے سے قبل میں نے دیکھا کہ تماشائیوں کی اس مختصر جماعت میں جن کو بھی بچایا تھا اضطراب عظیم پیدا ہے بچے بلک بلک کر میری سلامتی کے لئے یا خدا رحم!! پکار رہے ہیں عورتیں دامن پھیلائے دعائیں مانگ رہی تھیں مرد سربسجود تھے گل نواز نے میرا حال دیکھا چیختا ہوا پانی میں کودا یہ آخری نظارہ تھا جو میں نے روئے زمین پر دیکھا لوگ مضطرب تھے میں مطمئن کہاں مجھ سے فاسق و فاجر کہاں یہ شاندار موت؟ مجھے اس کا کبھی وہم نہ گزرا تھا۔

میں سطح آب کے نیچے اور قعر دریا کے درمیان بہہ رہا تھا۔ کروڑوں من پانی میرے سر سے گزر گیا چلتے پانی کی آواز میرے کان میں ایسی معلوم ہوتی جیسے دور سے آبشار کا شور۔ میں شاید کئی

سکینڈ بیہوش رہا ہوں گا۔ جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک کشتی میں سوار پایا۔ یہ کشتی زیر آب جا رہی تھی ناخدا سفید رنگ سبز پوش بزرگ تھا جس کے پاس نہ چپو تھا نہ پتوار۔ سفینہ آبدوز معلوم ہوتی تھی اس میں نہ کوئی مشین۔ مگر یہ دور تک پانی میں خود بخود بہتی جا رہی تھی۔ میں نے متعجب ہو کر ناخدا سے پوچھا میاں ملاح! یہ تیری ناؤ کیا اور روزگار ہے کہ زیر آب بہہ رہی ہے مگر دامن تر نہیں ہوتا وہ مسکرا کر بولا صاحب! دین کے نیکوکاروں سے غریب تر نہیں کہ معصیت کے سمندر میں برسوں بسر کرتے ہیں مگر دامن آلودہ نہیں ہوتا۔

وہ گفتگو سے بڑا عالی مرتبت معلوم ہوا اب میں نے ادب سے پوچھا اے مرد عالی مقام! آپ کا نام؟ اس نے مسکرا کر جواب دیا: "گمنام" میں اور کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے کشتی کو جھٹکی دی وہ بلند ہو کر سطح آب پر آئی میں نے کنارے کے قریب سفید پوش زریں کمر لوگوں کا ہجوم پایا جنہوں نے مجھے دیکھتے ہی خوشی کے نعرے بلند کئے میں تھوڑی دور پایاب پانی میں چل کر خشکی پر آیا اب اس ناؤ کی طرف نظر اٹھائی تو وہ ویل مچھلی تھی جو مع سوار کے تڑپ کر گہرے پانیوں میں جا رہی میں نے خیر مقدم کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور ایک شخص نے مجھے ہمراہ لیا ہم دونوں ساحل سے دار معافیت کو سدھارے میری مجال نہیں کہ خدا کے انعامات کی ناشکری کروں مگر میرے لئے تو اس موت کی مسرت بے پایاں ہی میں انعام موجود ہے۔ معلوم نہیں کہ بہشت میں اس سے زیادہ اور کیا مل سکتا ہے؟

وہ کہانی ختم کر چکا تو خدا جانے میں کتنی دیر اس کی نیک انجام زندگی کے تصور میں محو رہا کاش ایسی موت مجھے بھی نصیب ہوتی۔ اس خیال کے آتے ہی ایک آہ نکلی آنکھیں حسرت کے آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں میں یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا کہ دوزخ کے ایندھن کا بہشت والوں کے پاس بیٹھنا اپنی مصیبت کو بڑھانا ہے کسی اور سمت جاؤں شاید اپنی طرح کوئی مصیبت زدہ پاؤں اس کے دکھڑے سنوں آپ بیتی سناؤں ان ہمراہیوں کی ہم جلیسی کو بیگانوں کی صحبت سمجھ کر یگانوں کی تلاش میں چل دیا حیات مستعار میں اپنے عصیاں کی چند روزہ طغیانیاں یاد آئیں دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی میں چلتا چلتا ٹھہر گیا کسی کے پاؤں کی کچھ آہٹ سی پا کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہی پہلا ساتھی سائے کی طرح ساتھ آتے پایا کہا مرد خدا کب تک پیچھا نہ چھوڑو گے؟ بولا کہ تم پر سلامتی ہو بحکم خدا مامور ہوں غروب آفتاب تک ساتھ ہوں ابھی اپنے مکان میں جاؤ تو میں آزاد ہوں اگر ساتھ ناگوار ہے۔ تو بیشک یہ جلد دیکھو بھالو شام سے پہلے مجھے آ کر یہیں ملنا نگرانی مقصود نہیں تمہارا آرام منظور ہے۔ تا کہ تم

سلامتی سے منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گر بار خاطر نہ ہو۔ تو بتاؤ اب کیا ارادے ہیں؟ میں نے کہا یہی کہ کوئی اپنا سا پاؤں اس کی سنوں اپنی سناؤں اس نے کہا اپنے جیسے لوگوں میں ہزار سال رہنا ہوگا ان کی زبوں حالی رات دن کی دیکھی سنی ہوگی چند گھنٹوں کی فرصت کو غنیمت جانو عالم بالا کے ساکنوں سے ملوان کی نیک زندگی کے حالات سنو تاکہ تو بہ پر طبیعت قائم رکھ سکو گو من نہ مانتا تھا مگر مصلحت اندیش عقل کو یہ بات پسند آئی دل کو کڑا کر کے ایک بشاش مجمع کے قریب جا کھڑا ہوا جو اپنے اپنے اعمال اور انعام بیان کر کے خوش ہو رہے تھے جب میں پہنچا تو ایک بوڑھے شخص نے اپنا ماجرا یوں کہا۔

☆☆☆

معلم کی کہانی

"صاحبو! میں ہندوستان جنت نشان میں متمدن آبادی سے دور ایک گاؤں میں پیدا ہوا جہاں دھڑے بندی لوگوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ لوگ جاہل تھے اور کینہ توز۔ میرے والدین کسی فتنہ و فساد میں شامل تو نہ ہوتے تھے ہاں انہیں کفو اور کنبے کی فوقیت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ان کا پیشہ زراعت تھا لیکن آمدنی محدود تھی میری تعلیم میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے تاکہ میں اقران و اماثل میں ممتاز ثابت ہوں ماں اور باپ میں محبت کے ساتھ ساتھ تفوق کا یہ جذبہ بھی تھا جس کی وجہ سے وہ خود تنگی ترشی میں بسر اوقات کر کے بھی میری ضروریات کو پورا کرتے تھے ان کی پندرہ برس کی محنت بر آئی میں ایم اے میں اول رہا۔ ملک میں تعلیم کم تھی جگہ جگہ سے ملازمت کے لئے میری طلبی ہونے لگی سورت کے ایک تاجر نے دو ہزار روپیہ ماہوار کی پیشکش کی والدین باغ باغ تھے لیکن خدا کی مرضی کہ اس سال ملک میں طاعون پھوٹا ماں باپ نے انتقال کیا اور میں ان کی شفقت اور خدمت کے شرف سے محروم ہو گیا۔"

اس صدمے نے طبیعت کو دنیا سے اچاٹ کر دیا۔ چاہا کہ کسی گوشے میں بیٹھ کر خدا کی حمد و ثنا میں عمر بسر کر دوں اور اہل دنیا سے کچھ مطلب نہ رکھوں۔ لیکن زمانے نے دھیرے دھیرے اس زخم کو مندمل کر دیا اور مجھے بھی خیال آیا کہ خدا تو حاجات سے بالا صفت و ثنا سے بے نیاز ہے۔ پھر جس ذات بے ہمتا کے لئے جن و ملک زمین و آسمان سورج اور چاند ستارے اور سیارے سجدہ ریز ہیں اگر میں اس کے سامنے تا قیامت بھی سر بسجود رہوں اس کی شان میں کیا اضافہ ہوگا کیا میرے

مناسب نہ ہوگا کہ میں حاجت مند مخلوق کے کام آؤں اور مشکل میں ان کا ہاتھ بٹاؤں؟ خدا اس طرح خوش نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کا نام ورد زبان رہے بلکہ اسے خوش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے بندوں کی مدد کی جائے مخلوق کے کام آنا خالق کی خدمت کے مترادف ہے میں نے یہ سوچ کر فیصلہ کیا کہ آؤ زندگی کی ایک حقیری سی ابتداء کریں علم کی جو دولت مجھے ملی ہے اس سے دنیا بھر دیں اور فرقہ پسندی کا مرض جو ملک میں موجود ہے اس کا قلع قمع کر دیں چنانچہ میں نے گاؤں کے باہر ایک مسجد میں ابتدائی مکتب کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان دنوں پاس کے علاقے کے ایک زاہد شب زندہ دار نے مجھے فرزندی میں قبول کرنے پر اصرار کیا۔ اللہ جانے سسرال والوں نے کیا مصلحت سمجھی جھٹ منگنی پٹ بیاہ کی ٹھہرائی۔ میں نے یہ سوچ کر قبول کر لیا کہ زندگی کی کٹھن منزل میں ایک اکیلا دو گیارہ ہیں مشترکہ کوشش سے بڑی مشکل بھی آسان ہو جاتی ہے بیوی کو خوشی خوشی گھر لایا لیکن جلد معلوم ہو گیا کہ بیوی کیا مصیبت ہے۔

اس نے مکتب کے اجراء کی خبر سنی اپنے بال نوچے میری ڈاڑھی پکڑی کہ بھلے ہو تو ٹھنڈے ٹھنڈے سورت سدھار و ورنہ کچھ چاٹ مروں گی یا کسی طرف نکل بھاگوں گی۔ میں شماتت ہمسایہ کے خوف سے آہستہ آہستہ بات کرنا چاہتا تھا وہ آسمان سر پر اٹھاتی اور ہمسایوں کو بلاتی تھی۔ شور و شغب سن کر لوگ جمع ہو گئے بڑی تشہیر ہوئی میں پیچھا چھڑا کر اندر جا لیٹا اور دروازے کو قفل لگا دیا وہ طوفان تھا۔ وہ تھک کر واویلا سے رکی لوگ اپنے اپنے کام کاج کو چلے گئے میں نے ڈرتے ڈرتے جونہی سر نکالا وہ تاک میں بیٹھی تھی۔ کم بخت بولی۔ ''اچھا'' میں بھی دبک گیا۔ جب وہ سو گئی تو میں رات کے اندھیرے میں باہر نکلا مسجد میں جا کر قضا نمازیں ادا کیں۔

عقل نے کہا عورت کی مان لو ایمان بولا کار خیر میں عجلت کروں۔ خدا کی امداد خواہ دیر سے آئے آتی ضرور ہے میں نے بھی ہارے نہ ہمت بسارے نہ رام کے مقولہ پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ صاحبو! میں اپنی داستان درد مختصر کہتا ہوں طویل بیان سے کچھ فائدہ نہیں غرض ہزار خواری اور لاکھ زاری کے بعد اس نیک بخت نے اس شرط پر میرے عزم میں حائل نہ ہونا قبول کیا کہ وہ پاؤں پسار کر سوئے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے کام کاج کوئی باندی کر دیا کرے ماننے کو تو مان گیا مگر بلا معاوضہ باندی کہاں سے لاتا۔ والد مرحوم کی ساری عمر کی محنت کی کمائی ایک ہزار روپیہ نقد اور کچھ زمین تھی ایک ہزار ی کی زندگی بھر میں قیمت کیا۔ کھیتی خصم سیتی۔ زمین کی کاشت غیروں سے کرائی آدھی رہ گئی جس سے نان ونفقہ مشکل سے چلتا تھا۔ باندی رکھنے کی استطاعت کہاں؟ ناچار میں نے سوچا کہ اپنے پاؤں دھوتی

رانی باندی نہیں کہلا سکتی گھر کا کام کرتے مجھے کیا عار ہے۔ چنانچہ شام کو پانی لانے رات کو چکی پیسنے لگا۔ صبح اندر باہر صفائی کرتا آگ جلاتا کھانا پکاتا خود کھاتا اور اس کو کھلاتا پھر بچوں کو سبق دینے چلا جاتا مگر اس بی بی کو مجھ پر اور میرے حال پر رحم نہ آتا میں نے یہ کہہ کر دل کو تسلی دی کہ نوکر عورت اور قسمت ہی سے اچھے ملتے ہیں میرا یہی مقدر تھا جو مل گیا۔

ایک دن بھادوں کی شام کو میں پانی بھرنے گیا تو مطلع صاف تھا گھڑیا بھرتے بھرتے ایک بادل سا اٹھا گھر پہنچتے پہنچتے چھاجوں پانی برسنے لگا۔ میرے کپڑے بھیگ کر شرابور ہو گئے کپڑے بدل رہا تھا کہ ہوا لگ گئی۔ تپ چڑھ آئی حدت بخار سے بے ہوش ہو کر پڑ گیا۔ اس نیک بخت گھر والی نے نہ کھانا پوچھا نہ پانی شاید میں کچھ بولا بڑبڑایا ہوں گا کہ رات کے بارہ بجے اس نے پوچھا۔ "کیوں کیا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "بخار!" یہ کہہ کر کہ "میرے سر میں بھی درد ہے" خراٹے لینے لگی۔ قریب تین بجے شدت عطش سے زبان تالو میں لگ گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ مصلے پر کھڑی نماز تہجد پڑھ رہی ہے۔ اس نے سلام پھیرا تو میں پکارا۔ اے بی بی! ذرا پانی دینا۔ وہ ابھی ہاتھ اٹھائے اور یہ کہہ کر نیت نماز باندھ لی کہ میں نماز پڑھ رہی ہوں۔ اٹھ کے لے لو۔ میں لڑکھڑاتا ہوا اٹھا پانی پیا اور صبر شکر کیا چار بجے میرا کندھا ہلا کر بولی کہ صبح کے لئے آٹا تو ہوگا شام کے لئے نہیں ہوگا غرض یہ تھی کہ سوئے کیوں ہوں پیستے کیوں نہیں؟ میں حیران کہ الٰہی کس بے رحم سے پالا پڑا ہے صبح ہوئی بخار ہلکا ہوا۔ تیمم کیا نماز پڑھی کچھ کسل سی تھی ذرا لیٹ گیا اس نے آ جھنجھوڑا کہ تمہیں بخار ہوگا مجھ کو تو کوئی مرض نہیں۔ پیٹ کا دوزخ کسی نہ کسی طرح بھرنا ہے۔ اٹھو آگ جلاؤ کھانا پکاؤ یہ کام کئے سے ہوگا آج جی میں آیا کہ خوب صلواتیں سناؤں۔ اس پر ہاتھ اٹھاؤں گھر سے نکال دوں مگر اس چنڈال سے ڈر آیا کہ چیخے گی چلائے گی محلہ بھر کو سر پر اٹھائے گی جو سنے گا ہنسے گا جگ ہنسائی کے خیال سے پھر خاموش۔ ناجوں توں کر کے کھانا پکایا اس نے کھایا میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور مکتب کا راستہ لیا۔

"آج مکتب سے جلدی فارغ ہو کر چلا آیا۔ پہلے پانی لایا پھر دروازے کا قفل لگایا پھر چپ رہا شام کو کہا کہ اب کوئی ملازمہ رکھ لینی چاہیے۔ وہ بولی کہ گھر کا کام ہو ہی رہا ہے۔ جو روپیہ اس کو دو گے وہ کسی اور کام آئے گا اب اس کے سامنے بولے کون؟ جو بولے سو برا صبر کیا چپ رہا تین برس کے بعد خدا نے فرزند عطا کیا بڑی خوشی ہوئی مگر بیوی کا مزاج اور بگڑنے لگا کہنے لگی چند سال کی تیری خوشامد ہے پھر میرا لال جوان ہو جائے گا بہتیرا کما لائے گا۔"

میرے ایک شاگرد کی والدہ جو باوجود عسرت زدہ ہونے کے محلے بھر کی ممدوح اور مخدوم تھی ہر

ایک سے میٹھا بولنے والی اور برے وقت میں ہر کس و ناکس کے کام آنے والی تھی۔ ایک دن اس کے کان میں میری گھر والی کے اعمال کی بھنک جو پڑی تو بیچاری ناصح مشفق بن کر آئی اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے بولی۔ "بی بی رحیمن! خدا اس گاؤں کے لوگوں سے بچائے۔ کل ایک ڈومنی آئی۔ بولی کچھ سنا میں نے پوچھا کیا؟ کہا کہ آپ کے لڑکے کے استاد کے گھر وہ بم چیخ مچتی ہے کہ توبہ ہی بھلی کیا اس کو اتنا بھی علم نہیں کہ خاوند کی خدمت سے خدا خوش ہوتا ہے محبت خالق کے رحم کا باعث بنتی ہے؟ یہ نماز روزے بدون خدمت خلق کس کام کے؟ یہ عبادت گزاریاں حسن سلوک کے دوش بدوش رہیں تو کچھ معنی رکھتی ہیں ورنہ پت دلوں کے سجدے بے سود اور سر زمین پر مارنے کے برابر ہیں۔"

پہلے تو وہ چپکے سنا کی پھر غصہ سے تھرتھرائی۔ اس طرح پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی کہ بیچاری کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا کچھ نہ پوچھو کیا کچھ کہا۔ یہ اس سوچ میں تھی کہ ٹھہرے یا بھاگے۔ اسے بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ جس منحوس وقت میں نصیحت کوشی کا خیال آیا تھا اسے کوستی ہوئی خوشی کے گھوڑے پر سوار آئی تھی شرمندہ و نادم آہستہ آہستہ لوٹی وہ بھی بولتی بکتی گھر کے دروازے تک پہنچا کے واپس آئی میں اندر ہی تھا سب کچھ دیکھا سنا دم نہ مارتا ہم اس نے مجھے سنانے کو کہا کہ کیسے گنہگاروں کا گاؤں ہے کہ کم بخت روزہ و نماز کو کچھ سمجھتے ہی نہیں اور خلقت کی خوشامد کو بڑا گن جانتے ہیں۔

صاحبو! یہ کتھا میں نے اس لئے سنائی ہے کہ آپ کو میرے کام کی مشکلات کا تھوڑا سا اندازہ ہو جائے جس خاوند کی زوجہ رفاقت نہ کرے وہ کوئی معرکے کا کام خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے سکتا جس مرد کی عورت ٹانگ پکڑ کر نیچے کھینچے اس سے ترقی پر پہنچنے کی کوئی کیا امید کرے؟ عورت کا خمیر یا یہ مٹی سے گو مرد ہی کی طرح اٹھایا گیا ہے مگر عناصر کی ترکیب میں وہ مرد سے جدا معلوم ہوتی ہے۔ وہ نار اور نور دونوں کی طرفہ معجون ہے اس میں خاکستر کر دینے کی خاصیت بھی ہے اور تاریکیوں کو دور کرنے کی صلاحیت بھی۔ اس کی کانا پھوسی یا تو شیطان سے ہے یا فرشتوں سے جب تک یہ دو متضاد وصف جھجک اور شرم کے پردوں میں مستور ہیں وہ عارضی طور پر انسان ہے ورنہ دونوں میں سے ایک اگر علوی سرشت بیدار ہے تو زہے قسمت دونوں مستقل خصلتیں خوابیدہ ہوں تو بھی خیر ہے انسان کا انسان سے نباہ آسان ہے میاں بیوی کی نبھ جائے گی اگر سرشت میں سفلی عناصر کا غلبہ ہے تو خدا کا دامن بندہ نواز ہو بیچارے مرد کو کہاں پناہ دے شیطان صرف لاحول سن کر بھاگ جاتا ہے مگر یہ بلا تو دعائے سریانی سے بھی نہیں ٹلتی عورت کی فطرت کی بوقلمونیوں سے ناواقف لوگ اس لئے مجھے کاٹھ کا الو اور مٹی کا مادھو کہتے تھے کہ میں زبان ہلا کر سمجھاتا نہ تھا اور ہاتھ اٹھا کر ڈراتا نہ تھا مگر میں

جانتا تھا کہ بدخو عورت سے جھگڑا کرنے کی نسبت سانپوں سے کھیلنا کم خطرناک ہے۔ خیر یہ تو چاردیواری کی سرگزشت تھی اب باہر کی کیفیت سنئے:

میرے اعزہ واقارب جوں جوں اعلیٰ عہدوں کے لئے مجھے دعوتیں آنے کا حال سنتے تھے حسد سے جلتے تھے جب میں نے ملازمت کا ارادہ ترک کر کے خدمت خلق کا فیصلہ کیا انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ جب گھر کی فضیحت سنی تو سمجھے کہ اس میں حقیقی فضیلت کچھ نہیں صرف گدھے پر کتابیں لدی ہیں لیکن محض اس ڈر سے میری حوصلہ افزائی کرتے تھے کہ مبادا میں ارادہ بدل لوں اور ملازمت یا تجارت کا سلسلہ اختیار کر کے ممتاز زندگی بسر کرنے لگوں اب جو میری کوششوں کو بار آور ہوتے دیکھا تو رخنہ اندازیاں شروع کیں۔ گاؤں کے باہر سنگ سرخ کی ایک وسیع ویران مسجد تھی جس کے اردگرد کوڑا کرکٹ کے ڈھیر دیہاتیوں کے حسن مذاق کا نوحہ کر رہے تھے مسجد کی بیرونی دیوار استداد زمانہ سے گر چکی تھی اور کنواں کوڑے کرکٹ سے پٹ گیا تھا یہاں میں نے مکتب کھولا تو پہلے شب و روز کی محنت شاقہ سے کوڑا کرکٹ اٹھا اٹھا کے متصل کھیتوں میں ڈالا ادھر کھیتیاں زرا گنے لگیں ادھر مسجد پر نور برسنے لگا جو مسافر تھکن سے چور چور آتا ذرا مسجد میں نماز کے لئے ستاتا تو مسرور ہو جاتا ایک دن ایک سوار شدت گرما سے بے تاب آیا ایک طالب علم نے گھوڑا تھاما میں نے محبت سے پاس بٹھایا ایک دوسرے لڑکے کو گاؤں بھیجا کہ ٹھنڈا پانی لائے گاؤں ذرا دور تھا قدرتی طور پر کچھ دیر لگی مسافر کی زبان پیاس سے تالو کو لگ رہی تھی۔ جو گرم پانی موجود تھا اس نے اسی کو غنیمت سمجھ کر پی لیا پھر کہا اس پتھر کی عمارت کو تم نے شیشہ بنا دیا مگر پانی کا کچھ انتظام نہ کیا میں نے کہا اتنی مقدرت نہیں کہ کنواں کھدواؤں اس نے کہا میں ایک غریب پٹواری ہوں اور بال بچے سے محروم ہوں یہ تین ہزار روپیہ میری عمر کی کمائی ہے یہ نذر ہے تاکہ کنواں کھدواؤ اور اس مسجد کے آس پاس گھماؤں اراضی وقف ہے اس میں جس قدر ہو سکے باغ اور سایہ دار درخت لگاؤ تاکہ جو آئے آرام پائے۔

میں نے محنت کی لڑکوں نے ہاتھ بٹایا۔ صرف دو سو روپیہ کے خرچ سے پٹا ہوا کنواں صاف ہو گیا ٹھنڈے میٹھے پانی کی دھار بہنے لگی۔ سایہ دار درخت تیار ہونا کافی وقت کی بات تھی اب مجھے خیال آیا کہ خیرات کا روپیہ اور وقف کی زمین بیکار کیوں رہیں۔ میں نے ایک بیل خریدا اور ایک ملازم رکھ کر رہٹ بنایا ہل چلایا۔ زمین کا جگر چیر کر ایک طرف پھلواڑی لگائی دوسری طرف سبزی ترکاری۔ آہستہ آہستہ پانچ برس کے اندر وہ جگہ جہاں خاک اڑتی تھی رشک ارم بن گئی۔ سبز درختوں

میں سرخ نارنگیاں بہار دکھانے اور ہوا میں گلاب اور چنبیلی کی کیاریاں عنبر بکھیرنے لگیں رنگارنگ کے بلبل میٹھی بولیاں بولنے لگے یہ باغ نہ صرف نظر افروز تھا بلکہ دولت خیز بھی تھا برسوں کی خالی زمین میں بیج جو پڑا ایک دانہ کے ہزار ہوئے۔ باوجود ابتدائی خرچ اور مشکلات کے پانچ برس کے بعد میرے پاس دو ہزار روپیہ جمع ہو گیا ابھی اراضی کے تیسرے حصے میں زراعت ہوئی تھی۔ پانی کم تھا دو اور کنویں لگانے کا ارادہ کیا۔

ایک روز بچوں کو سبق دے رہا تھا۔ وہی مرد خیر آیا اسے مجھے دیکھ کر اور مجھے اسے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی میں نے باغ کے تمام میوے اس کے سامنے رکھے۔ وہ بولا "یہ کیا؟ میں نے کہا آپ کی نیت کا پھل وہ ساری کہانی سن کر مسرور ہوا اور بولا۔ میں بھی دو برس کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ جی چاہتا ہے تمہارا ہاتھ بٹاؤں۔ میں نے اس کی رفاقت کو غنیمت جانا اور شکریہ ادا کیا پانچ ہزار روپے جو میرے پاس تھے۔ اس کے حوالے کیے اس کی جانفشانی سے کنویں لگائے اور کھیتوں کو درست کیا کہ پہلی فصل پر وارے نیارے ہو گئے۔"

میں نے بچوں کی تعلیم کا جو میرا مقصد وحید تھا ذکر نہیں کیا ماں کے لئے ایک برس تک بچے کی پرورش مشکل استاد کے لئے اول سال کی تعلیم کٹھن ان دونوں میں صبر سلیقہ اور محبت ہے تو بیل منڈھے چڑھتی ہے ورنہ ایک کے ہاتھ سے بچے کی موت اور دوسرے کے ہاتھ سے بچے کی بربادی یقینی ہے۔ جس مقام پر ماں کی مصیبت ختم ہوتی ہے وہاں سے استاد کی مصیبت کا آغاز ہوتا ہے جہالت کے زمانے میں دہقان کے گھر اور جاہل ماں کی گود سے بچے کو حاصل کرنا سمندر کی گہرائیوں سے موتی نکال لانے سے بھی مشکل ہے ابتدائی مکاتب کے جن مدرسوں کو بچوں کی تعلیم سے عشق ہے ان سے پوچھو کہ دیہات میں بچوں کے والدین کو کیا کیا سبز باغ دکھانے پڑتے ہیں تو کہیں مطلب حاصل ہوتا ہے۔

میں نے ستائیس بچوں پر محنت کی انہیں پڑھانے کا کم اور کھلانے کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ اول تو ناک صاف کرنے اور ان کا ازار بند کھولنے باندھنے میں بڑا وقت لگتا تھا کیونکہ میں ان سے اتنا پیار کرتا تھا کہ کبھی کبھی وہ محبت میں مجھے گھوڑا بننے کو کہتے اور میری پیٹھ پر چڑھ کر میرے منہ میں رسی کی لگام دیتے یا دونوں کان پکڑ کر ایڑیاں مار مار کر منہ سے ٹخ ٹخ اور چل چل کہتے۔ میں بھی مجبوراً دو چار قدم چوپاؤں کی طرف ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتا تو سب ہنستے اور خوش ہوتے حتیٰ کہ مدرسہ انہیں تفریح گاہ معلوم ہونے لگا۔ چھٹی ملنے پر بھی دیر سے جاتے صبح سویرے خود بخود چلے آتے تھی

یا کاغذ پر پڑھنا شروع نہیں کرایا بلکہ چھوٹے چھوٹے خوش رنگ پتھر لے کر ان کے بڑے بڑے حروف ابجد بنائے تا کہ نظر افروز اور خوش منظر حروف دماغ پر بوجھ ہونے کی بجائے تفریح کا باعث ہوں بچوں میں سبق کی رغبت بڑھی اور میرے اندازے سے بھی زیادہ بڑھی ایک سال کے بعد لکھنا شروع کرایا۔ کنکریاں بچوں کو دیتا تا کہ وہ ابجد کے ہم شکل حروف بنائیں۔

اب مجھے ایک معاون کی ضرورت محسوس ہوتی۔ چاروں طرف نظر دوڑا کر باپ کے اندوختہ اس کام میں لگانے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کل رقم میں سے پانچ سو شادی پر خرچ ہوئے تھے دو سو اس دوست کے تھے۔ ان کے ساتھ بیوی کا صدقہ اتارا میں نے کہا اول تو سب خدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے تھا لیکن اب جو نصف اپنی خوشی اور بیوی کی اسیری میں صرف ہو چکا ہے تو نصف خدا کی راہ میں خرچ کرو چنانچہ بیس روپیہ ماہوار پر ایک مدرس رکھا دونوں نے مل کر محنت کی۔ میں درجہ اول اور وہ درجہ دوم کو پڑھاتا رہا۔ تین درجے تک بھی مل جل کر کام کیا چار درجے ہوئے تو دو استاد رکھے بیس والے کو پچیس دیئے اور بیس پر ایک اور نوجوان رکھا غرض ہم تین استاد پانچوں درجوں کو پڑھاتے رہے اس مرد مخیر کی تین ہزار کی بروقت امداد نے بڑا کام کیا۔ میرا حوصلہ دوگنا ہوا ہم سب معلم اور متعلم فرصت کے وقت زمین صاف کرتے اور باغبان کی امداد کرتے تھے دو اور کنویں جب لگ چکے تو جنگل میں منگل ہو گیا میں نے اس وقت زمین کی دولت خداداد کا باقاعدہ بہی کھاتہ کھولا۔ پائی پائی کا حساب رکھنے لگا مدرسہ مڈل کے درجے کو پہنچا۔ میں نے اور استاد ملازم رکھے۔

اب جوگاؤں کے سربرآوردہ لوگوں نے میری محنت کو بارآور پایا تو رخنہ اندازیاں شروع کیں۔ امراء نے غرباء کو بھڑکایا کہ وقف کا مال بغیر ڈکار کے ہضم کر رہا ہے غرباء ہمیشہ اپنے مقاصد کے خلاف امراء کے آلہ کار بنے رہتے ہیں وہ بھڑک اٹھے جہاں سے میں گزرتا انگلیاں اٹھاتے۔ زبان طعن دراز کرتے۔ جن لوگوں نے کبھی عید کی نماز نہ پڑھی تھی وہ ہر روز فساد کی نیت سے وقت بے وقت آتے اور نماز کی نیت باندھ کر توڑ دیتے کہ یہاں یکسوئی نہیں مکتب کا شور ہے۔ آخر گاؤں میں پنچایت ہوئی مجھے طلب کیا میرا حساب پاک تھا مجھے محاسبے سے کیا فکر تھا چلا گیا حساب طلب ہوا میں نے بہی کھاتہ پیش کر دیا انہوں نے دیکھ دکھا کر کہا یہ مال وقف کسی اور شخص کے انتظام میں رہے تو اچھا ہے میں نے صاد کیا۔ حساب کی کتابیں اور زر بقایا پنچوں کے حوالہ کیا۔ پبلک کاموں کو خوش قسمت قومیں کامیابی سے انجام دیتی ہیں خود غرض افراد سے یہ کام کب ہوا ہے۔ انصاف اور ایثار جو شرط اول ہے وہ یہاں مفقود تھا ترکاری کچھ پنچوں کے پیٹ میں گئی کچھ ان کے

احباب میں بنی گاؤں میں کوئی بڑا باہمت ہوتا ہے جو اپنی کھیتی کی بھی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے وقف مال میں کون دلچسپی لے دو سال میں باغ سوکھا آمدنی آدھی ہو گی مدرسوں کی تنخواہیں سر پہ پڑیں میں پنچوں کے پیچھے جوتیاں چٹخاتا پھرنے لگا۔

صاحبو! عوام جذبات کی مخلوق ہوتے ہیں جب انہوں نے وقف کا وہ اور میرا یہ حال دیکھا پنچوں کے پیچھے پڑ گئے کہ غریبوں کا مال تو مارتے تھے اب خدا کے مال پر بھی ہاتھ صاف کر رہے ہو جیسے دو سال پہلے مجھے عزت بچانی مشکل تھی۔ اب انہیں پگڑی سنبھالنی محال ہو گئی۔ پھر پنچایت ہوئی مگر پنچ نہ پہنچے حساب کے کاغذ پرزوں کی صورت میں تھے انہوں نے معذرت کی کہ استروں کی مالا ہم گلے میں نہیں ڈال سکتے سب نے مجھے پھر کہا کہ تمہیں سنبھالو میں نے تجویز کی کہ میرے چند فارغ التحصیل طلبہ کی کمیٹی بن جائے جو اس پنچایت کے روبرو ہر سال آمد و خرچ پیش کرے اور سال نو کے اخراجات کا تخمینہ بنا کر لوگوں سے منظوری لی۔ ایک تو ہر ایک کی حس انانیت کو یہ بات بھائی دوسرے ارتباط باہمی کا ایک موقعہ پیدا ہو گیا۔ میں بھی خوش ہوا وہ بھی راضی اچھے سال گزرا پنچایت کا سوال آیا مدرسے میں جلسہ کیا۔ چھوٹے بچوں نے نظمیں پڑھیں بڑے لڑکوں نے کرتب دکھائے میں نے امداد باہمی پر تقریر کی جو پسند کی گئی یہ سارا انتظام لوگوں کو تماشا سا معلوم ہوا۔ اگلے برس گاؤں والوں نے خود انتظام جلسہ میں حصہ لیا رشتہ داروں اور دوستوں کو دعوت دی جلسہ کی رونق دوبالا ہوئی عورتوں کے لئے پردے کا انتظام تھا میری تقریر بھی تھی سب سننے کو آئے تقریر کا ملخص انجمن انتظامیہ نے یوں شائع کیا:

"خدا نفاست کو پسند کرتا ہے وہ بدبو سے نفور اور خوشبو سے مسرور ہوتا ہے۔ وہ کبھی ایسی بستی یا شہر میں نہیں آتا جہاں غلاظت کے ڈھیر اور کوڑے کے انبار ہوں خدا کی رحمت کے پاک فرشتے کوثر کے پانی سے منہ دھو کر گھر میں امن اور سلام کا پیغام لے کر داخل ہوتے ہیں جہاں والدین اجلے کپڑے پہنتے ہیں اور بچوں کا منہ صاف پانی سے دھوتے ہیں خدا امراء کے بڑے بڑے باغوں میں جا کر خوش وقت نہیں ہوتا وہ ان غریب لوگوں کی پھلواڑی دیکھنے کا اشتیاق رکھتا ہے جہاں باعصمت عورتیں اپنے ہاتھوں سے خوشنما پھول کے پودے لگاتی ہیں اور ننھی بچیاں چھوٹے چھوٹے مٹکوں میں پانی لا لا کر ان کو سینچتی ہیں۔ وہ بادشاہ کے محل کے پرتکلف کمروں میں آ کر کبھی نہیں بیٹھتا۔ پھوس کے جھونپڑے میں دھوئے دھائے اور سلیقے سے سجائے برتنوں کو دیکھنے کے لئے وہ صاف فرش پر بیٹھ جاتا ہے۔"

''میں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ اہل جنت کی ظاہری نشانی کیا ہے وہ بولا ظاہری صفائی جس باہمت نے آنگن صاف نہ کیا وہ روح کو کیا پاک کرے گا؟ جس کا ظاہر درست نہیں اس کا باطن کیا ہوگا جو قومیں دنیا کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے بہشت بے تاب ہے غلیظ انسانوں کے لئے دوزخ منہ کھولے بیٹھی ہے جنت پاک بندوں کی آبادی ہے گندے لوگ جہنم کا ایندھن ہیں خدا خود پاک ہے پاکیزگی پسند کرتا ہے اگر اس کی خوشنودی مطلوب ہے تو صاف ستھرے رہو حسن سلوک اور حسن معاملہ ہی اصل عبادت ہے فریب اور فساد سے پاک خدمت خلق پر آمادہ لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔ جو رات دن خالق کا نام لیتا ہے مخلوق پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔''

''اے جواں ہمت جواں سال! کیا کسی بوڑھے کو عمر کے بوجھ تلے لڑکھڑاتے اور خمیدہ خمیدہ جاتے دیکھ کر بغیر التجا کے تو اس کا عصائے پیری بنا؟ اے تندرست و توانا کیا بے یار و مددگار مریض کے بستر علالت کے پاس بیٹھ کر تو نے میٹھی باتوں سے اسے تسلی دی؟ اپنے ہاتھوں سے اس کے تلوؤں کو سہلایا؟ اگر ایسا نہیں کیا تو جوانی و صحت تو نے اکارت گنوائی۔ بیمار کا جب بند بند دکھتا ہو ہمسایہ اگر آہستہ آہستہ آکر مٹھی چاپ کرے تو جوں جوں بیمار کو آرام ملتا ہے۔ خدا کو راحت ہوتی ہے خدا کے جھوٹے متلاشی خدا کو جنگلوں میں اور کنوؤں میں ڈھونڈتے ہیں۔ سچے جویا کو اللہ آبادی میں ملتا ہے۔ جوگی پہاڑوں میں سر ٹکراتا ہے بھوگی گلیوں میں موہن پاتا ہے اللہ اللہ کی تسبیح کرنے سے وہ نہیں ملتا اوم ادم کی مالا جپنے سے اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ زبان سے شکر شکر کہنے سے وہ مشکور نہیں ہوتا زبانی جمع خرچ سے جب انسان تسلی نہیں پاتا عبادت لفظی سے خدا کیونکر مطمئن ہو سکتا ہے انسان کے رنج و کلفت میں شرکت مصیبت کے وقت اس کی امداد و اعانت جملہ عبادات کا مغز ہے۔ کسی کا حق دبانے کمزور پر ظلم ڈھانے سے زمین کانپتی ہے عرش ہلتا ہے خدا کا غضب جوش مارتا ہے حتیٰ کہ فرشتوں کے دل دہل جاتے ہیں بعض خدا ناشناس رات دن نمازیں پڑھتے ہیں زبان سے رب رحیم پکارتے ہیں مگر اپنی ناانصافیوں پر دھیان نہیں دیتے کمزوروں پر رحم نہیں کھاتے من میں مست ہیں کہ خدا کی خوشنودی یعنی جنت ان کے پاس بیچ ہو گئی درآنحالیکہ وہ قہار کے غضب یعنی دوزخ میں رہیں گے۔''

''ایک دو برس کے یتیم بچے کو دیکھو جسے اجل نے باپ کی شفقت اور ماں کی محبت سے محروم کر دیا ہے وہ نہیں جانتا کہ جنت سے زیادہ خوشگوار آغوش مادر سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکا ہے۔ وہ

ماں کی محبت بھری نگاہوں کو ڈھونڈتا ہے انہیں نہیں پاتا تو بے اختیار روتا ہے خدا کی رحمت کے انمول موتی یتیم بچے کے آنسو بن کر خاک میں گم ہو رہے ہیں کوئی ہے جو اس رحمت کے خزانے کو اٹھا کر اپنے گھر لے جائے۔ بچوں کی طرح پرورش کرے زیور علم سے مزین کرے جس گھر میں یتیم اس گھر کے اپنے بچوں کی طرح پرورش پاتا ہے خدا کی بخشش اس پر صبح کی شبنم کی طرح گرتی ہے زاہد تیرے ایک لاکھ برس کے ریائی سجدے اور زحمت خیز چلے ایسے رحمت خیز نہیں جتنی کہ یتیم پر ایک پیار کی نظر یا اس پر ایک پائی کا خرچ۔ جس کا دل اہل شہر اہل ملک بلکہ اہل دنیا کے مصائب پر نہیں پسیجتا وہ دوزخ کی آگ میں جلے گا جو لوگ بنی نوع انسان کی علمی اور عملی امداد میں کوشاں رہتے ہیں ان کے دکھ درد کو دور کرتے ہیں خدا کا جوش کرم ان پر الفت کی دنیا یعنی جنت کے دروازے کھول دے گا۔ ان کے عمل صالح کبوتر کی طرح دلآویز اور بھولے بچوں کی طرح معصوم صورت اختیار کر کے ان کی خوشیوں میں اضافہ کریں گے۔ یا الٰہی! مجھے ایسی نماز اور سجدوں کی توفیق دے جن سے خدمت خلق کا جوش بڑھے۔ لوگوں میں عدل اور انصاف کرنے کی صلاحیت پاؤں اور میری زندگی اہل دنیا کے لئے مفید ثابت ہو آمین!"

میرا لڑکا جوان ہوا تعلیم پائی ہونہار نکلا اور ایک تجارتی ادارے میں کارکن حصہ دار بن گیا۔ محنت اور احتیاط سے کام لیا۔ دولت کمانے لگا شادی کی گھر آباد ہوا اس بی بی کی جو شامت آئی بیٹے کی محبت سے بیتاب ہوئی کس ماں کی خواہش نہیں کہ اولاد کو آباد اور دل شاد دیکھے میں نے بھی باوجود کئی احتمالات کے جانے سے نہ روکا۔ لیکن مہمان تو وہی اچھا ثابت ہوتا ہے جو میزبان اچھا ہو۔ جسے اپنے گھر میں رہنے کا ڈھنگ نہ ہو وہ دوسری جگہ رہنے کا سلیقہ کیا جانے بیٹے نے ماں کی آؤ بھگت کی مگر بہو سے ساس کا بگاڑ ہو گیا۔

ایک دن دونوں میں تیز کلامی ہوئی دوسرے دن سخت تلخ تلخ باتیں ہوئیں تیسرے دن ساس نے بہو پر جوتا اچھالا۔ بہو نے ساس کے بال نوچے۔ دنیا نے تماشا دیکھا لڑکا دن بھر کا تھکا ہارا آیا گھر کا یہ رنگ دیکھا دنگ رہ گیا عزت خاک میں ملی صدمہ سے صاحب فراش ہوا بڑھاپے میں ماں باپ جوان اولاد کے پاس بیٹھنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ جوان اولاد کو تنہائی پسند ہوتی ہے۔ بہو کو خاوند کے پاس تنہا بیٹھنے کی خواہش تھی اور خاوند کو علالت میں اس کی ضرورت تھی مگر ساس سایہ کی طرح بیٹے کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ اس سے بہو کا مزاج اور بگڑا بیٹے کا دل مکدر ہوا علالت نے مستقل صورت اختیار کی۔ مجھے تار دیا گیا میں سر پر پاؤں رکھ کر پہنچا حالات دیکھے بغیر بات کئے بھانپ گیا بی

بی کو سمجھا بجھا کر لے آیا۔ بہو نے شکریہ اور سلام کیا لڑکے کی طبیعت بہت دنوں کے بعد جا کر بحال ہوئی بعض سادہ لوح عورتیں شادی کے بعد خاوند کو خاطر میں نہیں لاتیں۔ ماں باپ پہ مغرور رہتی ہیں اولاد ہوتی تو امید اس پر اٹکاتی ہیں جب ان سے دل مکدر ہوا تو بڑھاپے میں میاں کے پاؤں پڑتی ہیں ماں باپ کو بچوں سے جو پیار ہوتا ہے وہ اولاد کو والدین سے نہیں ہوتا۔ یہ قدرت کا قانون ہے اور بہت صحیح ورنہ انتظام عالم میں نقص پیدا ہو۔ بعض والدین خدمت اور عزت کی بجائے متاہل اولاد سے محبت اور پیار چاہتے ہیں۔ نہیں پاتے تو ناراض ہو جاتے ہیں میری بیوی کا ایسی بیویوں میں شمار تھا۔

اس واقعہ کے بعد بیوی جو جان کا روگ ہو رہی تھی میرے صبر اور اپنے جبر کا موازنہ کر کے نادم ہوئی سر پاؤں پر رکھ دیا اور معافی چاہی۔ میری مسلسل مہربانیوں نے اس میں علوی فضیلتیں پیدا کر دیں گھر میں رحمت کے فرشتے امن کا پیغام لے کر داخل ہو گئے۔ نیک عورت گھر کو بہشت بنا دیتی ہے وہاں دنیا جہان کا آرام حاصل ہوتا ہے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے عورت کی طبیعت کے اس انقلاب سے میری ہمت میں ایسا اضافہ ہوا کہ مجھے گمان گزرا کہ میں دنیا کو بہشت بنا کر رہوں گا۔ شداد نے تو غریبوں کے خون سے اپنے لئے بہشت بنائی تھی میں نے چاہا کہ اپنے خون سے غریبوں کے لئے دنیا میں جنت تعمیر کر دوں میرا گھر ایک غریب گھر تھا عورت کی محنت اور میری توجہ سے وہ رشک گلزار بنا پھولوں کی بیلیں دیواروں پر چڑھی تھیں صفائی میں صحن آئینہ کو مات کرتا تھا اگرچہ ہمارا لباس سادہ مگر ایسا پاکیزہ رہتا تھا کہ ڈھونڈے سے کوئی داغ نہ ملے۔ گھر میں عزت پائی باہر بھی توقیر ہونے لگی۔ آہستہ آہستہ خدا کے فضل کے دروازے کھلتے گئے۔

برس کے اندر اندر میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا اور ان کی نظروں میں محبوب ٹھہرا۔ جب میرا حکم واجب التعمیل اور میری بات واجب التسلیم ہوئی تو میں نے "خدام خلق" کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی عورت اور مرد اس کے ممبر بنے ان کے یہ پانچ بنیادی اصول ٹھہرے:

☆ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آرام کی ضرورت صرف بیماروں کو ہے یا اوباشوں کو۔ خواہش محنت اور ادائے فرض کو ہم داخل حسنات سمجھیں گے۔

☆ علم سے عرفان اور احساس بڑھتا ہے اس لئے علم کو تادم زیست حاصل کرتے رہیں گے اور یہ غیر فانی دولت اپنے بچوں میں چھوڑ جائیں گے اور اس سے اہل دنیا کو بھی بہرہ اندوز کریں گے۔

☆ ظاہری صفائی سے اندرونی طہارت حاصل ہوتی ہے غلیظ رہنے والوں میں گندے خیالات

پیدا ہوتے ہیں اس لئے جسم اور لباس کو ہمیشہ صاف رکھیں گے اپنے اہل وعیال میں صاف ستھرے رہنے کا جذبہ پیدا کریں گے۔گھر کی وسعت کے مطابق اس میں پھلواڑی لگائیں گے۔

☆ خالق مخلوق کی خوشی سے خوش ہوتا ہے اس لئے خدمت خلق کو ہم دنیا کا اول و آخر فرض سمجھ کر اس میں رات دن کوشاں رہیں گے۔موت سے پہلے کوئی ایسا کام چھوڑ جائیں گے جس کا فائدہ جاری رہے اور ایسی موت کی خواہش کریں گے جس میں اہل دنیا کا نفع ہو ملک کی خوشحالی بڑھے اور علم و اقتدار میں اضافہ ہو۔

☆ صحت خدا کی نعمت ہے مضبوط قویٰ دنیا کے مصائب کے مقابلہ کے قابل بناتے ہیں اس لئے ایک خزانے کی طرح صحت کی حفاظت کریں گے اور جسم کو محنت کے قابل بنائیں گے۔

بعض لوگوں کو انجمن سازی کی علت ہوتی ہے وہ رات دن سیکرٹری بننے کی ترکیبیں سوچا کرتے ہیں بعض کو عہدہ دار بننے کا ایسا ملکہ ہوتا ہے کہ کارکن دیکھتے رہ جاتے ہیں اور وہ اچک کر کرسی صدارت پر جا بیٹھتے ہیں ایک سوا یک انجمن کے صدر مگر سب دم واپسیں بعض پبلک جماعتوں کے عہدوں کو باپ دادا کی جائداد سمجھ کر قابض رہنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔مجھے نفس انسانی کی ان کمزوریوں کا احساس ہے پچیس برس سے گاؤں میں تعلیم کا پرچار ہو چکا تھا بیسیوں نوجوان مدرسہ سنبھالنے اور کامیابی سے چلانے کے قابل ہو گئے تھے۔تعلیم کا کام اب انہوں نے سنبھال لیا میں نے خدا کا شکر کیا تن من سے اس انجمن کو زندہ ادارہ بنانے کے درپے ہوا بیوی نے میرا ہاتھ بٹانا شروع کیا اگرچہ ہمارا گھر آئینے کی طرح صاف تھا مگر محلے میں غلاظت کے ڈھیر لگے تھے بیبیاں غلاظت کوڑا کرکٹ اپنے گھر سے اٹھا کر دوسروں کے دروازے کے سامنے پھینک دیتی تھیں گھروں کا پانی کوچے میں ادھر ادھر بہتا تھا کہیں رک جاتا تھا تو مچھروں کی افزائش نسل کے کام آتا تھا ہم دونوں نے اللہ کا نام لے کر ہاتھوں میں جھاڑو لی۔منہ پر کپڑا باندھا اور کوچے کو صاف کرنے لگے بچے اس نئی بات کو دیکھ کر ہم پر تالیاں بجانے اور ہمارا مذاق اڑانے لگے عورت اور مرد سب گھروں سے نکل آئے پاس ادب سے ہم کو روکا اور خود صفائی میں مصروف ہوئے سب نے وعدہ کیا کہ ہم اپنے مکان کے سامنے کا حصہ خود صاف کریں گے۔کبھی گھر کی غلاظت دروازے پر نہ پھینکیں گے اس طرح ہم نے ایک ماہ ہر مختلف محلوں میں کام کیا سب نے صفائی کے اہتمام کا وعدہ کیا انجمن کے ممبروں نے عالم پیری میں ہم کو گلیوں میں تنکے چنتے دیکھا تو ان کے کام کا جوش بڑھا اور لوگوں نے خوشی سے نالیاں اور فرش بنانے کے لئے ٹیکس لگوایا۔ایک برس کی مسلسل نگرانی اور محنت کے بعد فرش بندی کا کام خیر و خوبی سے انجام پایا۔اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی کسی بی بی نے بچے کو محلے کے فرش پر پاخانہ بٹھایا ہو یا گھر کے

کوڑے کا ڈھیر باہر لگایا ہو۔

لباس مکان محلے کی صفائی بھی ایک عادت ہے ابتداء میں طبیعت اکتاتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے ہر عورت ممبر نے زنانے میں باغیچہ لگایا۔ ہر مرد ممبر نے مردانے کو پھولوں کے گملوں سے سجایا انجمن کے کارکن مہینے میں دن اور وقت مقرر کر کے دوسرے دیہات کو جاتے اور لوگوں کو صاف رہنے سہنے کا ڈھنگ سکھاتے اس مدرسے کی وجہ سے دو دو تین تین میل تک کے دیہات میں تعلیم ہو گئی تھی اس لئے صفائی کا پیغام اور پروگرام جلدی مقبول ہو گیا زیادہ غریب طبقے کے معاملے میں دشواری ہوئی وہ اپنے مویشی خانے میں سونے کے عادی تھے۔ کیونکہ ان میں مویشیوں کے لئے علیحدہ مکان بنانے کی توفیق نہ تھی۔

دوسری بات جس کا مجھے احساس ہوا وہ یہ تھی کہ بعض نوجوان سرمایہ کی کمی کے باعث بیکار رہتے اب چونکہ ہر شخص کو کام کا شوق تھا آوارہ گردوں کے لئے گاؤں کی دنیا تنگ ہو رہی تھی ہر شخص کو سرگرم کار دیکھ وہ بھی جمائیاں لیتے تھے اور سوسائٹی کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنی زندگی کو بدلنے ہی میں خیر سمجھتے تھے ان کو کام پر لگانے کے لیے انجمن خدام خلق کو فکر ہوئی میرے شاگرد جوان ہو چکے تھے کئی ممتاز ملکی عہدوں کو سنبھالے ہوئے تھے کئی تجارت پیشہ تھے انہوں نے سب کے نام ایک مختصر اپیل شائع کی:

"پیارے بھائیو اور بہنو! ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اصل اخلاق یہ ہے کہ ہم جو کمائیں بانٹ کر کھائیں لیکن سوسائٹی کی موجودہ تشکیل مساوی تقسیم کی متحمل نہیں دوسری بات یہ ہے کہ جو روپیہ اپنے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے بعد بچ رہے اس کا کچھ حصہ دنیا کے کام آئے گا۔ گاؤں میں کم از کم ایک سو پچاس نوجوان بیکار ہیں جو مالی و اخلاقی امداد کے محتاج ہیں پچاس دہقان ایسے ہیں جو مویشی خانوں میں سوتے ہیں علیحدہ مکان بنانے کی ان میں وسعت نہیں ہم چاہتے ہیں کہ نوجوانوں کو کام پر لگائیں اور غریب دہقانوں کے لئے ایک مشترکہ مکان بنائیں جسے امیر غریب جو چاہے سونے بیٹھنے کے کام میں لائے۔"

اس اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا بیس ہزار روپیہ کا سرمایہ دنوں میں فراہم ہوا اور ایک سو سے زیادہ لڑکوں کو باہر کام دلا یا گیا۔ جو باقی رہ گئے انہوں نے تھوڑی تھوڑی امداد لے کر اپنا کام چلایا۔ دہقانوں نے مشترکہ مکان کی تجویز کو پسند کیا مگر خودداری کی بنا پر وہاں جا کر سونے سے انکار کرنے لگے چنانچہ سب کو دس برس کی آسان قسطوں پر قرض دیا گیا جس سے انہوں نے مویشیوں

کے لئے چھوٹے چھوٹے مکان الگ بنائے آپ اسے مبالغہ نہ سمجھیں۔ اگر میں کہوں کہ ہمارے گاؤں کے مویشی خانے دوسرے دیہات کے گھروں سے زیادہ صاف ستھرے تھے سارے علاقے نے آہستہ آہستہ ہر امر میں میری پیروی شروع کر دی۔ قریب کے دیہات میں جا بجا ہماری انجمن کی شاخیں قائم ہو گئیں جہالت اور غلاظت کے خلاف ہم نے مل کر جو جہاد شروع کیا تھا وہ میری عمر کے سترھویں برس میں ختم ہو گیا ایک دن اتفاق سے تفریح طبع کے لئے امراء کا ایک گروہ شوق شکار کا مارا آوارہ ادھر سے گزرا وہ اس علاقے کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گیا دور سے چلچلاتی دھوپ میں چل کر آئے تھے۔ یہاں سڑک پر دورویہ سبز درختوں کا گھنا ٹھنڈا سایہ پایا کھیتیاں لہلہاتی دیکھیں خوبصورت پرندے میٹھی بولیاں بولتے سنے کنوؤں پر کسان رہٹ چلا رہے تھے میرے بھائی: بار الائیو لال رام منائیو لال کی دل کش آوازیں جگہ جگہ سے بلند ہو رہی تھیں قریب قریب ہر کنوئیں پر پانی چھڑوں سے سر پٹختا جھاگ اڑاتا مچلتا کیاریوں میں بل کھاتا جاتا تھا۔ وہ اس فردوس نما نظارے کو دیکھ کر لوٹ ہو گئے اور:

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

کہہ کر فیصلہ کیا کہ ڈیرا یہیں ڈالا جائے۔

سپنے کی باتیں بیداری میں دیکھیں ڈیرے والوں نے دم لیا اور ذراستائے تو شام گاؤں میں آئے غلاظت کی بدبو کے بجائے خوشبو سے لدی ہوا نے استقبال کیا جس طرف نظر اٹھائی نظارے نے نگاہ کا دامن کھینچا پھولوں سے سجے ہوئے مکان بیلوں سے ڈھکی ہوئی دیواریں ہر بچے بوڑھے عورت مرد کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب چہروں پر تبسم آنکھوں میں شرافت زبان میں شیرینی۔ جس سے جو سوال پوچھا جواب باصواب پایا جدھر گئے لوگوں کو زیور علم و حلم سے آراستہ پایا۔ جس گاؤں میں بیس برس پہلے کسی شریف کی تعریف کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا وہاں ہر جگہ لوگ میری تعریف سے خوش ہوتے تھے اور میری مذمت برداشت نہ کر سکتے۔ وہ جدھر گئے لوگوں نے میری تعریف کی اور کہا کہ تاج و تخت بھی ایسے آدمی کی خدمات کا معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے ایک بزرگ بولا کہ اے نیک مرد! اس کار خدمت میں ہم کیا امداد کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا پاکستان کے ذی استطاعت لوگو! اس بدقسمت سرزمین میں جو آپ کا اور میرا مشترکہ وطن ہے جہالت اور جرائم کا دور دورہ ہے۔ آبادیوں کے قریب غلاظت کے ڈھیر اور کوڑے کرکٹ کے انبار پڑے ہیں وباؤں نے مستقل ڈیرہ جما رکھا ہے تمہیں تمہاری تفریح گاہیں مبارک اگر کبھی فرصت پاؤ تو پاکستان کو فی الحقیقت جنت نشان بنانے

کے خیال کو نہ بھلاؤ متمدن ملکوں کے امراء وطن کی مالی خدمت کرتے کرتے فقیر ہو جاتے ہیں مگر ان کا شوق خدمت کم نہیں ہوتا۔ جو کام مجھ سے تہی دست نے تیس برس میں کر دکھایا آپ تیرہ برس میں کر سکتے ہیں صرف شوق بے پروا کی ضرورت ہے۔ میری امداد اور میرے کام میں امداد یہی ہے کہ آپ اپنے علاقوں میں جا کر لوگوں کو چاہ جہالت سے نکالیں گھروں اور آبادیوں سے غلاظت دور کریں انہیں صفائی صحت اور خدمت خلق کے اصول سمجھائیں محنت اور ترقی کا خیال ان کے دل میں پیدا کریں۔ سب نے بقدر امکان اس پروگرام پر کاربند رہنے کا وعدہ کیا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد یکایک میری طبیعت خراب ہوئی نبضیں چھوٹنے لگیں میں سمجھ گیا کہ دنیا کو الوداع کہنے کا وقت آ گیا میں اپنی عمر پر نظر کر کے مطمئن تھا شکر کرتا تھا کہ زندگی اکارت نہ گئی کسی کام آئی لوگ کام کاج چھوڑ کر بھاگے رونے لگے میں مسکرایا لڑکھڑاتی زبان سے کہا کہ روتے جب اگر عمر فساد اور فتنہ میں بسر کی ہوتی خدمت خلق سے منہ موڑا ہوتا یا محنت و مشقت سے جی چرایا ہوتا اور زندگی آوارہ گردی میں گنوائی ہوتی ایک پیاری لڑکی نے میری بات سنی میرے دم واپسیں کی کیفیت دیکھی آنسو بھر لائی اور کہا:

یاد داری کہ وقت زادن تو
ہمہ خندان بود نہ تو گریاں
آں چناں ذی کہ وقت مردن تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

میں نے بے چینی سے کروٹ لی نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک دوسرا جہاں موجود پایا ہزاروں نفوس میرے استقبال کے لئے پھولوں کے ہار لئے کھڑے تھے۔ ہر طرف سے مبارک و خوش آمدید کی آوازیں اٹھیں۔ معلوم ہوا کہ میں عالم عقبیٰ میں آ پہنچا۔ صاحبو! یہ ہے میری دنیوی زندگی کی مختصر کہانی!

سب سامعین نے سن کر مرحبا کہا میرے منہ سے بھی بے ساختہ شاباش نکلی فوراً اپنے عمل اور عاقبت کا خیال عود کر آیا۔ محویت جاتی رہی بیگانی کہانی نے میرے دل کو شاد کیا تھا اپنی شیطانی سرگزشت کی یاد نے اسے ناشاد کر دیا میری آنکھوں میں رشک کے اشک بھر آئے پھر غم کے آنسو بہنے لگے اف اف کرتا اٹھا دیوانگی سر پر سوار ہوئی چاہا کہ خاک سر پر ڈالتا ہو سوئے صحرا نکل جاؤں رفیق سفر نے ہاتھ تھاما کہ یہ بیبیاں بیٹھی ہیں کچھ ان کا بھی ماجرا سنو:

☆☆☆

ایک ہندو لڑکی کی کہانی

میں نے نظر اٹھائی تو قریب ہی ایک درخت کے سایہ میں دو بیبیوں کو مصروف گفتگو پایا میں ان بیبیوں کے پاس گیا انہوں نے بڑی محبت سے پاس بٹھایا۔ایک بی بی دوسری سے کہنے لگی۔"بہن! میرا نام لاجونتی ہے میں اجودھیا کے پنڈت للتا پرشاد کی لڑکی ہوں بچپن میں لکھنا پڑھنا سیکھا بڑی ہوئی تو کاشی جی کے برہمنوں کے ہاں بیاہی گئی میں ہندی پڑھی ہوئی تھی میرے پتی کی سندر صورت ایسی کہ کوئی کہے وہ پرمیشر کا روپ تھے ان کی ماتا بڑی میٹھی تھی مجھ سے بڑا اچھا سلوک تھا سسر بوڑھا ساس جوان وہ اس کے ہاتھ میں موم کی ناک تھے اگرچہ گھر میں لکشمی دیوی کا باس مگر پتی کا ہاتھ تنگ تھا۔ساس کو ہماری خوشیاں نہ بھاتی تھیں۔وہ باپ کو بیٹے کے خلاف بھڑکاتی تھی وہ دونوں دھرم کی باتوں میں بہت مگن رہتے۔سویرے اٹھ کر ایشور کے بھجن گاتے اور پکار پکار کر" جو رام بھجا سو جیتا جو رام بھجا سو جیتا" کے سر الاپتے سر کے ماتھے پر ہمیشہ سیندور کا تلک ہاتھ میں ہر وقت تلسی کے موٹے دانوں کی مالا رہتی وہ رام نام کا جاپ کرتے رہے گرہستی ہو کر جوگیوں کی طرح سندھیائیں کرتے مگر دیا جو پرم دھرم ہے نام کو بھی ان میں نہ تھی۔"

میرے پتی نے لاچار ہو کر دیس چھوڑ پردیس جانے کی ٹھانی کہ شاید شیو جی یوں راضی ہو جائیں اور کچھ ہاتھ لگے میں نے سوچا کہ جوانی میں کمائیں گے تو بڑھاپے میں کھائیں گے ان کے جانے پر راضی ہو گئی راضی تو ہو گئی مگر جب وہ چلے گئے تو دنیا اندھیر ہو گئی آنگن مکان تو وہی تھا مگر در و دیوار پر اداسی چھائی تھی پہلے پنچھی بولتے بھاتے تھے اب بول بول کے سر کھاتے تھے بال کنگھی بن الجھ گئے سنگار کو پھر کبھی جی نہ چاہا۔جب کبھی خط آتا دل کا کنول کھل جاتا تھا ورنہ بے کلی رہتی تھی وہ کبھی سپنے میں آتے تو تسلی ہو جاتی کام میں ہاتھ ہوتا خیال میں ان کا تصور بندھ جاتا اور دیر تک کام میں ہاتھ ڈالے بیٹھی رہتی۔ساس دھمکاتی اور اس کی آواز سن کر دل دھڑکتا اور کام دھندے کو پھر لگ جاتی غرض ان کی جدائی میں سڑن سی ہوئی ان کا خط پہلے جلدی جلدی آیا کرتا تھا پھر دھیرے دھیرے آنا شروع ہوا اور بعد کو رام جانے کیا بھیٹر بنی کہ خط سندیسہ بالکل بند ہو گیا۔میں جیتے جی مر گئی۔ساس مجھے خصم کھائی ڈائن کہنے لگی۔ایک دن صبح سویرے ایک فقیر سارنگی بجاتا بھیک مانگتا دروازہ

پر آ کھڑا ہوا۔ اس نے سر ٹھیک کر کے یہ دوہا کہا:

سونا لینے پی گئے سونا کر گئے دیس

جب تک وہ گاتا رہا میں سنتی رہی اور روتی رہی جب جانے لگا تو مٹھیاں بھر کر آٹا اس کو دینے کے لئے گئی ساس نے دیکھا آگ بگولا ہو گئی دور سے پکاری ہاں لٹا دو گھر پہلے پتی کو بھڑکایا پھر مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا میں آگے ہی جلی ہوئی تھی ان باتوں سے اور جل گئی مگر ہاتھ باندھ کر ساس کو کہا ماتا رحم کرو دکھی کو نہ دکھاؤ۔ مگر وہ لات مکے مارتی رہی وہ مارتے مارتے تھک کر پلنگ پر جا لیٹی میں روتے روتے زمین پر سو گئی یوں ہی دوپہر ہو گئی کھانا کسی نے نہ پکایا سسر باہر سے آیا تو مجھے دھمکایا اور بولا جدھر میرا بیٹا گیا ادھر تو بھی جا۔ میں نے جلدی اٹھ کر آگ جلائی چوکا دیا رسوئی بنائی اور ایک طرف بیٹھ کر روتی رہی شام کے کام سے فارغ ہو کر چارپائی پر جا لیٹی دل میں سوچا۔ پتی کو گئے دس برس گزرے ماتا پتا کو سورگ سدھارے پانچ برس ہوئے کوئی بہن نہ بھائی میں عورت ذات ٹھہری جاؤں تو کہاں جاؤں آخر غیرت نے من کو منایا۔ کہ اس بے عزتی کی زندگی سے موت اچھی اس ٹکڑے سے بھیک بہتر اگر برتن صاف کر کے گزر اوقات کرنی ہے تو یہ اور جگہ بھی ہو جائے گی میں ہمت کر کے اٹھی رام کا نام لے کر سر کے بال چھوٹے کیئے خاوند کے پرانے کپڑے پہنے پگڑی سر پر باندھ کر رات کے اندھیرے میں گھر سے نکلی اور شہر کے باہر جا کر ایک سڑک پر ہو لی۔

رات کالی ڈائن کی طرح بال کھولے کھڑی تھی میں سہمی جا رہی تھی پتوں کے ہلنے اور جھاڑیوں کے سرسرانے سے میں ڈر ڈر کر بھاگتی تھی۔ درخت مجھے بھوت پریت نظر آتے تھے کوئی منہ کھولے زبانیں نکالے نوالہ بنانا چاہتا تھا کوئی ہاتھ پسارے پکڑنے کے لیے جھپٹتا دکھائی دیتا تھا میں سہمی جا رہی تھی یک بیک گیدڑوں نے اکٹھے ہو کر بولنا شروع کیا میں شہروں میں رہنے والی سمجھی کہ چڑیلیں میرے ڈرانے کو اکٹھی ہو کر روتی ہیں ہرن چوکڑی بھرتے ہوئے سڑک کاٹ گئے مجھے چھلاوے کا یقین ہو جاتا تھا الو بولے میں ڈری اس طرح میں صبح ایک قصبے میں جا پہنچی ایشور کا دھنباد کیا۔

رات کی تھکی دن کو ایک دھرم شالے میں جا لیٹی۔ بند بند دکھتا تھا میں جا لیٹی ہاتھ پاؤں ہلانا دوبھر ہو رہا تھا میں آنکھیں بند کرتی تھی نیند نہ آتی تھی اتنے میں ایک بھدر پرش آیا مصر سے بولا مصر کہو مہاراج ہمارے لئے کوئی رسوئیاں ڈھونڈا مصر نے جواب دیا۔ بھگوان سانجھ سویرے آپ کا کام کردوں گا میں نے سنا تو پکاری مہاراج! میں رسوئی چوکے کا کام جانتا ہوں۔ اجودھیا کے برہمنوں

کا بیٹا ہوں ماتا پتا بیکنٹھ سدھار گئے ہیں کسی اچھے گھر کی چاکری کے خیال سے یہاں آیا ہوں اس نے مجھے اچھی طرح جانچا اور کہا اچھا چلو بیٹا مگر کھیل کود کا خیال نہ رکھنا کام پر دھیان دینا میں نے اشیر باد دی اور نئے مالک کے ساتھ ہو لی گھر پہنچی اس کی دھرم پتنی نے بڑی دیا کی اپنے بالکوں کی طرح میرے لئے ان پروسا۔ میں دو روز کی بھوکی تھی پیٹ بھر کر کھایا تھکی ہوئی تھی جی بھر کر سوئی اٹھی تو کام کاج میں لگ گئی گھر بھر میرے کام سے خوش تھا بچے مجھے بیر کہہ کر پکارتے تھے پتی پتنی بیٹا کہتے تھے ایک دن بچے غلط پڑھ لکھ رہے تھے میں نے اصلاح کی ان کے پتا ایک مشہور وید تھے یہ جان کر کہ میں لکھی پڑھی ہوں اور پرسن ہوئے۔

میں نے بھیس بدلنے کو تو بدل لیا اور لڑکی سے لڑکا بن گئی۔ مگر میری ہر ادا ازلی تھی۔ آواز میں باریکی جوانی کا ابھار چال سبک چہرے پر زنانہ پن کیا کیا چھپاؤں اور کس کس طرح میں بولتی کم تھی اور ہر وقت شرمائی ہوئی رہتی تھی میری رازداری کی کوششوں سے خواہ مخواہ ہر کسی کو شک ہوتا تھا ایک دن پتا جی باہر کھیتی دیکھنے گئے بچے پاٹھ شالا کو گئے ہوئے تھے میں اور ماتا گھر میں اکیلے تھے وہ بولی بیٹا! تم گنوں کی پوٹ ہو میں تمہارے کام سے بہت راضی ہوں پر تم ہنستے بولتے کم ہو تم چور چکار کم ذات بدکار تو معلوم نہیں ہوتیں پھر مردوں کا روپ کیوں دھارا یہ کس کا سوگ ہے میں افشائے راز پر ڈری اور پاؤں پڑ گئی مگر اس نیک عورت نے سر سینے سے لگایا اور کہا بیٹی ڈرو نہیں بات کرو سچ سچ کہنا تمہیں کیا روگ ہے؟ میرا جی بھر آیا۔ میں نے آپ بیتی رو رو کر کہہ سنائی مجھے گلے لگا کر وہ بھی خوب روئی رو دھو کر بولی بیٹی پریم تو پارس ہے جس کو چھو جائے سونا بنا دے محبت میں بڑی شکتی ہے اس نعمت کو رو رو کر نہ بہاؤ بلکہ رونا دھونا بند کر دو اور پریم کی لہروں کو سنسار کی سیوا کے کام میں لاؤ تم ودیا کا ساگر ہو کچھ ویدک حکمت سیکھو تمہارے پتا حکیم ہیں گھر میں گنگا بہتی ہے پیاسی کیوں رہتی ہو۔ یہ من میں دھارن کرو کہ میں پتی کی محبت کے مندر کی جگہ ایک ایسی دکھ نوارن جگہ بناؤں گی۔ جہاں دکھی روگی رہ کر آرام پائیں گے اسیس دیں گے۔

”مجھے یہ بات پسند آئی پتا نے جب سنا کہ میں عورت ہوں مجھے بیٹی کہہ کر پیار کیا اور کہا کہ ہماری لڑکی کوئی نہیں تم ہماری لڑکی ہو ڈرو نہیں رام بھلی کرے گا لڑکے بڑے خوش تھے اچھلتے تھے کودتے تھے کہ آہا بھائی بہن بن گیا پتا جی مجھے بڑے پیار اور محبت سے ویدک پڑھاتے اور میں شوق سے پڑھتی تھی ماتا کا کہا بہت ٹھیک نکلا کہ محبت میں شکتی ہے میں نے رات دن ایک کر دیا۔ محنت سے دل نہ اکتایا ایک برس کے بعد پتا جی عورتوں کے علاج میں میری مدد لینے لگے میں مریضوں سے محبت

کے ساتھ بات کرتی توجہ سے دیکھتی تھی۔چار سال کے اندر اندر مجھے تمام روگوں کی خبر ہو گئی میرے علاج سے پتا جی کی دکان چمکی اور کاروبار بڑھا وہ ماتا کی طرح بڑے دھرماتما تھے ایک دن بولے لڑکی میں تو سال ایک کا دنیا کا مہمان ہوں دل مدت سے کمزور ہو رہا ہے اب تو دم کا کھیل ہے آئے نہ آئے۔جو روپیہ ساری عمر میں کمایا تیرے اور تیرے بھائیوں کے لئے کافی ہے۔میں نے تو عمر دھن کمانے میں گنوائی تم دیا دھرم کا کام کرنا ایشور نے کرپا کی۔آخری عمر میں اولاد دی میری یہی پرارتھنا ہے۔کہ غریبوں کے مفت علاج کا کچھ سربندھ کرو۔اپنے بھائیوں کو بھی وید پڑھاؤ اپنی امداد میں لگاؤ۔"

دنیا میں بڑے بڑے گیانی وید حکیم ہوئے مگر موت کی دوا کسی کو نہ معلوم ہو سکی۔ایک سال میں پتاجی کا مرض بڑھتا گیا ہر دوا زہر ہو گئی ہر علاج الٹا پڑا ایک دن دیکھتے دیکھتے نبضیں چھوٹ گئیں۔

کریا کرم سے فارغ ہو کر تن من دھن سے اسی دھن میں لگ گئی بہت کمایا تھوڑا کھایا میرا اور شہرہ ہوا یہاں تک کہ راجہ رانیوں تک مجھ سے علاج کرانے لگے۔میں نے پتاجی کے سرگباش ہونے کے بعد جو کمایا اسے ایک ہسپتال بنانے میں لگایا۔جوں جوں لوگوں نے عمارت کو دیکھا دانیوں نے دان دیا۔آج کچھ کل کچھ بیس برس کے اندر ایک بڑی عمارت کھڑی ہو گئی۔عمارت کا کچھ حصہ تیار ہوا تو میں نے لڑکیوں کے لئے وید پنتھ جاری کیا۔دور دور سے لڑکیاں وید پڑھنے کو آتیں۔میں پستکوں پر سبق بھی پڑھاتی تھی اور انہیں روگی بھی دکھاتی تھی اس طرح ان کو سبق یاد رکھنے میں آسانی ہوتی تھی بھائی اب جوان ہو گئے تھے میرا ہاتھ بٹانے لگے ماتا بہت بوڑھی ہو گئی تھیں۔

میرے اس گھر میں آنے کے 27 برس بعد ہم سے آنکھیں پھیر کے چل دیں مجھے بڑا دکھ ہوا میری اپنی صحت بگڑنے لگی مگر سیوابھاؤ میں کوئی فرق نہ آیا۔

ایک رات میں دن کے کام کاج سے تھک کر سو گئی سپنے میں کیا دیکھتی ہوں کہ ماں باپ کا گھر ہے باجا بج رہا ہے۔برات کی آمد آمد ہے میں اور میری ہمجولیاں چھت پر چڑھ گئیں میں نے لڑکیوں سے پوچھا یہ کس کی برات ہے؟انہوں نے کہا تجھے بیاہنے تیرے کنت آئے ہیں۔میں جلدی جلدی نیچے اتری الڑھ پنے سے ماں کی گود میں لیٹ گئی ماں نے پیار کیا اتنے میں میرا سوامی اندر آئے میں نے پوچھا سوامی اتنی مدت نہ خط نہ سندیسہ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا تم کون ہو پھر میں نے ہاتھ باندھ کر کہا سوامی! مجھے بیاہ لے جاؤ تمہارے بغیر میرا جی نہ لگے گا سوامی رونے لگے میں اٹھی اور ان کو دلاسا دیا اور کہا میں تو اب مر گئی ہوں اداس نہ رہنا مگر جلدی آجاؤں گی۔

میں چونک اٹھی کیا خواب دیکھا انمل بے جوڑ خیر سپنے ایسے بھی ہوتے ہیں میں اٹھی اور اٹھ کر مریضوں کی دیکھ بھال کو لگ گئی۔ بات آئی گئی ہوگی میری عمر اس وقت 85 سال کی تھی۔ اس گھر آئے چالیس برس ہو چکے تھے اور مطب کرتے 35 برس۔ ہمارے ہسپتال میں 500 مریضوں کے بستر لگے تھے ایک سو عورتیں مستقل ملازمہ تھیں۔ علاوہ ازیں مدرسے میں 500 لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ سارے ملک میں میری دھوم تھی شہر کے لوگ میری عزت کرتے تھے بچے پیار سے میری ٹانگوں کو لپٹ جاتے تھے ابتدا میں روپے کی تنگی ضرور ہوئی مگر ہم نے ہمت نہ ہاری اب یہ حال تھا کہ ہاتھ پساریں تو لوگ جھولیاں بھرنے کو تیار رہتے۔

ہم نے ایک عمدہ اوشدھالیہ کھول رکھا تھا۔ جس کی آمدنی لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ وہ سب خیراتی کاموں میں خرچ ہوتی تھی۔ اس ہسپتال کا نام اس پردیسی پیا کی یاد میں ان کے نام پر رکھا تھا ہمیں ہر طرح کا اطمینان نصیب تھا۔ مگر بڑھاپے میں بھی ان کی یاد جوانی کے دنوں کی طرح تازہ تھی۔ میری بہار اور برسات اسی خیال میں گزری کہ اب پیا پردیس سے آئیں گے۔ اس لئے مرتے دم تک سنگار نہ چھوڑا۔ بعض عورتیں پختہ عمر میں مجھے پریم کی پیاسی دیکھ کر ہنستی تھیں مگر انہیں کیا خبر کہ حسن بے بنیاد ہے عشق بے بنیاد نہیں روپ اور جوانی بھادوں کی گھٹا کی طرح آتی ہیں۔ تھوڑی دیر بہار دکھا کر چلی جاتی ہیں مگر پریم کا پیالہ کم ہونے کے بجائے روز بروز گہرا ہوتا جاتا ہے بعض بے سمجھ کام ہی کو پریم سمجھتے ہیں طوفانی جوانی میں جذبات کی طغیانی ایک موٹی بات ہے۔ جس کو حسن کی طرح ثبات نہیں۔ محبت پر جوانی اور بڑھاپے زندگی اور موت کی رنگارنگی کا صرف اتنا اثر پڑتا ہے کہ یہ جوانی میں پیدا ہوتی ہے بڑھاپے میں جوان ہوتی ہے موت کے بعد زندہ رہتی ہے۔ جس شخص کے دل میں محبت ہو وہ بوڑھا نہیں ہوتا موت سے مرتا نہیں محبت میں امرت ہے اس کا نام آب حیات ہے یہ حیات افروز چیز جسم اور دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ رہتی ہے پریم نیکیوں کی انتہا ہے یہ وہ اعجاز ہے جو نار کو گلزار کرتا ہے برائیوں کا ناش اور بھلائیوں کو پیدا کرتا ہے محبت بھرے دل میں خدا بسیرا لیتا ہے۔

اس سے دنیا پر ایشور کا قہر ٹوٹا شہر میں ہیضہ پھوٹا جوانا مرگوں کی یاد میں بیسیوں مائیں جیتے جی مر گئیں سینکڑوں سہاگنوں کے سہاگ اجڑے اور سوگوار ہوئیں باغ زندگی کی بہت سی کلیاں وبا کی صرصر سے مرجھا کر سپرد خاک ہوئیں۔ جس کا باہر ٹھکانا تھا۔ وہ شہر چھوڑ بھاگا غریب گھروں میں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے ہم چاروں بہن بھائیوں نے رات دن ایک کر دیا لوگوں کے گھروں میں جا کر تیمارداروں کو حفظان صحت کے اصول سمجھائے بیماروں کو دوادی مکانوں کی صفائی میں امداد دیتے

رہے اسی دوران میں میرا منجھلا بھائی لوگوں کی خدمت کرتا وبا کا شکار ہوا۔ عمر بھر کا ساتھ چھوڑ گیا اور ہمیشہ کے لئے ہم سے منہ موڑ گیا دل کو بڑا صدمہ ہوا لیکن ہم رومال سے آنسو پونچھتے لوگوں کی خدمت میں مصروف رہے تا آنکہ موت نے مجھے آ گھیرا وبائی مرض کی ساری علامتیں ظاہر ہوگئیں اور ہاتھ پاؤں نے چلنے پھرنے سے جواب دے دیا۔ بے کلی لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ مجھ پر غنودگی سی طاری ہوگئی کچھ لوگ ادھر ادھر چلتے پھرتے نظر آتے میں نے دیکھا سوامی ایک طرف اداس کھڑے ہیں میں بھاگ کر پاس گئی اور دامن تھام لیا۔ انہوں نے دامن جھٹک دیا میں ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی انہوں نے پوچھا تم کون ہو میں نے کہا۔ مہاراج! تمہاری چیری! وہ چپ ہو گئے پھر کہا کیا مجھے پہچانتی ہو؟ میں بولی تم میرے مالک ہو اس پر وہ مسکرائے اور خوشی سے میرے آنسو نکل آئے آنکھیں کھل گئیں کچھ ہوش سا آ گیا۔ گرم قطرے رخساروں پر ڈھلکتے معلوم ہوئے ایک لمبی سی آہ سینہ توڑتی ہوئی نکلی نزع کا وقت آ پہنچا۔ میرے بھائی رونے لگے سانس چھوٹے ہوتے گئے مگر اطمینان بڑھتا گیا کہ میں محبت میں ستی نہیں ہوئی۔ نہ رونے میں آنکھیں کھوئیں بلکہ زندگی میں بہتوں کی زندگی اجڑنے سے بچائی بہتوں کے آنسو پونچھے۔ محبت کے صدمے نے مجھے باہمت بنا دیا بھگوان نے توفیق دی اور میں لوگوں کی خدمت کے قابل ہوئی۔

اس طرح ایشور دھیاد کرتے کرتے میری جان نکل گئی اور میں یہاں آ پہنچی۔

یہ قصہ سن کر سب نے صد آفریں کہی میں بھی صد رحمت پکار اٹھا۔ لمحہ بھر اس فسانے میں کھویا رہا گویا میں ابھی دنیا میں ہوں اور اسی دیوی کی طرح نیکیوں میں مصروف ہوں بیماروں کی تیمارداری کرتا ہوں اور ان کے اقرباء کو تسلی دے رہا ہوں۔

اے کاش! یہ خوشگوار خود فراموشیاں کچھ دیر اور رہتیں مگر بد قسمت نظر اپنے نامہ اعمال پر جا پڑی میں اس طرح تڑپ اٹھا جیسے بچھو نے ڈنگ مارا ہو۔ چاہا کہ گریبان چاک کر کے خاک اڑاؤں۔ انسانوں کی نظر سے اوجھل ہو جاؤں میں جانا چاہتا تھا کہ دوسری عورت بولی:

☆☆☆

مراکش کی ایک عورت کی کہانی

میں ملک مراکش کی رہنے والی ہوں جس کا کچھ حصہ تپتا ہوا ریگستان ہے اور باقی خوش نما مرغزار۔ جب تک ملک میں مائیں اولوالعزم تھیں۔ بہادر بچے پیدا ہوتے رہے ملکوں کو فتح کیا دنیا میں بادشاہی کی پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ماؤں نے ان مجاہدوں کی بجائے جو ڈاڑھیاں دانتوں تلے دبا کر اور اللہ اکبر کہہ کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے تھے ایسے آرام طلب نوجوان پیدا کئے جنہیں آرام کے بستر میدان محاربہ سے زیادہ دلکش معلوم ہونے لگے۔ ملک عزیز کی خاطر محبوب بچوں کو گود سے الگ کرنے والی عورتیں جب نہ رہیں۔ تو نہ صرف ہسپانیہ سے پاؤں اکھڑے بلکہ مراکش بھی غلام آباد ہوا۔

میری اپنی پیدائش ایک غریب گھر کی ہے۔ میں نے مکتب میں تعلیم پائی۔ مراکش کو غلام دیکھا غیرت کو ٹھیس لگی رات دن اسی دھن میں لگ گئی کہ ملک آزاد ہو میرے نزدیک آزادی ایمان کی اولین شرط ہے۔

میری شادی ہوئی میرا خاوند ایک خوش رو نوجوان تھا عسکری تربیت حاصل کرنے کے لئے وہ ایک اجنبی حکومت کی فوج میں ملازم ہو گیا فن نقشہ کشی اس کی فطرت میں ودیعت تھا شوق مہارت نے اس کو بندوق کا بہترین نشانہ باز بنایا۔ میں نے خود بھی فرسٹ ایڈ کے طریقے سیکھے۔ انگلستان اور جرمنی کی حریت پرور زمینوں کے قصے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے متعلق کتابیں پڑھیں میرے خاوند کے پاس اتنی جائداد نہ تھی کہ تسلی سے بسر اوقات ہو سکے ہمارے پانچ بچے پیدا ہوئے دو لڑکیاں اور تین لڑکے جنہیں میں نے اسی طرح فوج اور فرسٹ ایڈ کی تعلیم دلائی۔ کچھ خاوند کی تنخواہ کا سہارا تھا کچھ خود سینا پرونا کر کے گزراوقات کرتی تھی مگر مقصد حیات سے ایک لمحہ غافل نہ ہوئی فرصت کا جو وقت ملتا وہ لوگوں کو آزادی کی برکات سمجھانے اور ان میں اس کے حصول کے لئے شعور و خواہش پیدا کرنے میں صرف کرتی تھی مگر امراء مخالف کرتے علماء مذہبی حجتیں نکالتے صوفیا بات سنتے تو کان لپیٹ کر حجروں میں چلے جاتے صرف غریب لوگ ہی تھے جو میری آواز پر لبیک کہتے تھے۔

یہ کیفیت حال میرے لئے کچھ ایسی باعث تعجب نہ تھی جنہیں آرام و عزت حاصل ہو وہ حالات

میں تبدیلی کی خواہش کیوں کریں۔ جن طبقوں کو عوام میں اعزاز حاصل ہوتا ہے وہ حالات کا تغیر پسند نہیں کرتے امراء نے آزادی کی آواز کو بد نظمی کا پیش خیمہ بتایا۔ علماء نے حکومت وقت کو ظل اللہ اور اولوالامر کہا صوفیا نے کہا کہ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ ہم تو خدا کی مشیت میں دخل نہیں دے سکتے خدا ملک کا والی ہے جس کو چاہتا ہے ملک کی حکومت دیتا ہے۔

حالات پر شاکر رہنے کا اصول ترقی کے راستے میں سد سکندری اور قوموں کے لئے سکرات موت کا حکم رکھتا ہے میں ان طبقوں کی مخالفت سے سخت خائف ہوتی کچھ کرتے دھرتے نہ بنتی تھی۔ میں جو بات مہینوں میں بناتی تھی وہ منٹوں میں بگاڑ دیتے تھے عوام جہاں حالات کی مجبوریوں سے انقلاب پسند ہوتے ہیں۔ وہاں اکثر انہیں مجبوریوں سے امراء کی خواہشوں کے غلام اوران کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن جاتے ہیں یہ زندگی کا آرام دنیا میں ناممکن پا کر وہ علماء کے ان وعظوں کے شیدائی بن جاتے ہیں جن میں جنت کے حسین نظاروں والی دنیا کی بادشاہت یارحیم یا کریم کی فقط ایک تسبیح سے حاصل ہو جانے کا یقین دلایا جاتا ہے کون تن آسان انسان ایسے صوفی کی عزت نہ کرے گا جو رات کے ذکر کی قیمت ایسی عمر جاوداں بتاتا ہے جس میں ہر روز خدا کا دیدار ہوگا؟ ان لوگوں کے مقابلے میں تہی دست اور سرفروشوں کی طالب کہاں کامیاب ہو سکتی تھی غریب لوگ میری بات کو پسند بھی کرتے امداد کا وعدہ بھی کرتے مگر پھر جب ان حضرات کی باتوں کو سنتے تو نہ صرف ہمت ہار دیتے بلکہ بعض دفعہ میرے ہی درپے آزار ہو جاتے اور مجھ پر اینٹ پتھر بھی پھینکتے۔

دس برس اسی مصیبت میں گزرے میری بڑی لڑکی جوان ہوئی تو بڑی آتش بیان نکلی جب وہ تقریر کو کھڑی ہوتی وطن عزیز کی خدمت کا ذکر چھیڑتی آزادی کی خوبیاں بیان کرتی تو اس کی شعلہ بار زبان قلوب میں آگ لگا دیتی جب ملک کی مصیبت کی داستان کہتی تو دلوں میں ہوک اٹھتی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے لیکن نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلتا تھا کیونکہ وہ تو ملک کے لئے انتھک جانی اور مالی قربانی کے بعد بہشت کا وعدہ کرتی تھی اور ملا پیر زبانی عبادت سے خلد کے ٹھنڈے سایوں کے نیچے حوروں کی آغوش میں پہنچا دیتے تھے۔ بہرحال اس سے اتنا تو ضرور ہوا کہ لوگوں میں نئی بات کا چرچا شروع ہو گیا۔ اور کچھ بے چینی کے آثار پیدا ہو گئے۔ میرا خاوند چھٹی پر آیا ہوا تھا میں نے اس سے ذکر کیا کہ وہ شب و روز کی محنت سے ملک میں تھوڑا بہت احساس پیدا کرنے کے قابل ہوئے ہیں مگر عوام پر تین طبقوں کا اثر بہت گہرا ہے اور اس کو زائل کرنے کے لئے عمر نوح چاہیے۔

اس نے کہا سچ ہے لفظوں میں جاذبیت کم ہوتی ہے عمل میں جادو زیادہ ہوتا ہے۔ بہادرانہ

اقدام عمل قوموں کی قسمت پلٹ دیتا ہے بہادری ہی وہ جوہر ہے جس کی دشمن قدر کرتا ہے ملک تم ماں بیٹوں کی خدمت کو نہیں بھلا سکتا اس ملک کے مخالفوں پر ایک ضرب لگانے کا وقت آ گیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مراکش کے نوجوان کتنی ایسی ضربوں کے بعد وطن عزیز کو آزاد کرالیں گے بہرحال ہمیں اپنی زندگی میں اپنا فرض ادا کرنا چاہیے باقی کام خدا کی مہربانی اور آئندہ نسل کی ہمت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ آج شام کو دو عزیز مہمان آئیں گے کھانے پر ان سے مزید باتیں ہوں گی۔

میں کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔ میرا خاوند باہر چلا گیا رات کو ایک مرد معمر اور ایک نوجوان عرب کو لے کر آیا ان کے ساتھ ان کے دو ملازم بھی تھے ہم نے ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور بوڑھے نے حدیث المائدہ کے طور پر ادھر ادھر کی پرلطف باتیں کیں کچھ سفر یورپ کے حالات بیان کئے جرمنی اور انگلستان کی مردم خیز سرزمینوں کا ذکر کیا پھر وہ دونوں قریب ہو گئے اور ہم کو بھی قریب قریب سرک آنے کو کہا۔

اس جواں ہمت بوڑھے نے بتایا کہ ملک کی بے کسی کو دیکھ کر گہرا زخم سینے میں چھپا ہے۔ اس نے مجھے ساری عمر بے چین رکھا۔ میں نے حالات سے اندازہ لگالیا کہ بغیر سرمائے کے کوئی کام ممکن نہیں اس لئے تجارت کا پیشہ اختیار کیا جزرسی اور محنت کو شعار بنایا سینکڑوں سے ہزاروں ہزاروں سے لاکھوں اور لاکھوں سے کروڑوں کمائے پائی پائی کا حساب رکھا۔ خون کو پسینہ کر کے بہایا مگر پیسہ کبھی ضائع نہیں کیا اس وقت میرے پاس سات کروڑ کا سامان حرب ہے اور اسی قدر زر نقد موجود ہے ملک کی جنوبی سرحد سے لے کر پہاڑی کے عقب تک جہاں میری تجارتی کوٹھی واقع ہے پختہ سڑکیں موجود ہیں۔ کوٹھی کے اندر وسیع تہ خانے ہیں جہاں جملہ سامان رکھا ہے۔ سامان برسوں سے فراہم ہو رہا تھا مگر آبادی کی عام ہمدردی حاصل ہونا مشکل ہو رہا تھا میں ممنون ہوں کہ آپ کی سرگرمیوں نے یہ راستہ بھی کھول دیا ہے اب آپ شعبان کی تاریخ کو تمام ارکان کو پہاڑی کے قریب کسی مقام پر جمع کریں۔ میرے لڑکے اور آپ کے خاوند کا خیال ہے کہ اب دیر درست نہیں آپ کی رائے میں ہم پہلی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ایک بہادرانہ سعی خواہ وہ ناکام کیوں نہ ہو اہل ملک کو بیدار کرنے میں بڑی مدد ہوتی ہے موجودہ حالت میں ہم ہسپانیہ کو تو ناکوں چنے چبوا سکتے ہیں اور آدھا ملک آزاد کرا سکتے ہیں مگر فرانس کے منہ نہیں آ سکتے ان کا خیال ہے فرانس باوجود ہماری مصالحانہ روش کے ہمارا قلع قمع کر دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ دنیا کی اس بہترین مسلح قوم سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں اس لئے گو ہمیں شکست کا یقین ہے۔ تاہم ابتدائی ایثار اور حوصلہ مندی کا وقت آ پہنچا ہے ہمیں شکست سے

گھبرانا نہیں چاہیے اور فتح و کامرانی کا کام آئندہ نسلوں پر چھوڑ دینا چاہیے۔

میں اور میرے بچے راضی ہو گئے مگر میں نے فرانس کو خوش رکھنے کا ذمہ اٹھایا اور کم از کم ایک کوشش کرنے کی اجازت چاہی۔ اس نوجوان نے جواب تک خاموش بیٹھا تھا کہا کہ اس سعی لاحاصل سے ہم منع نہیں کرتے مگر آپ کے لئے بہتر ہے کہ جو وقت آپ کو اس بے نتیجہ کام پر صرف کرنا ہے اسے کسی دوسرے مفید کام میں لگائیں مگر میں نہ مانی مجھے یقین تھا کہ فرانس کے حریت پسند لوگ ہماری آزادی کی آرزوؤں کی حوصلہ افزائی کریں گے کیونکہ میں اور میری لڑکی نے اپنی تقریروں میں فرانس کی تعریف اور ہسپانیہ کی مذمت شروع کر دی تھی اب ساتھ ساتھ شعبان کے اجتماع میں شامل ہونے کے لئے لوگوں سے درخواست بھی شروع کر دی۔

شعبان کی خوشگوار صبح کو طیور نے اپنی زبان بے زبانی میں وطن عزیز کی تعریف کا ترانہ سبز شاخوں پر بیٹھ کر گایا میں اٹھی دیکھا کہ راتوں رات فوجی خیمے نصب کر دیے گئے ہیں اور ان پر مراکش کی آزادی کا جان سے پیارا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ دور و نزدیک سے حزب وطنی کے ممبر آنے شروع ہو گئے دس بجے سب کو قطاروں میں کھڑا کر کے گنتی لی گئی تین ہزار کی حاضری ہوئی۔ میرا دل بیٹھ گیا لیکن پہلی دفعہ مجھے نوجوان عبدالکریم کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے میں نے افسوس سے کہا کہ دس ہزار ممبروں میں سے تین ہزار کی حاضری وہ تبسم کر کے بولا کہ ہاں یہ مراکش کے نوجوانوں میں روح آزادی کی بین دلیل ہے اگر ایک ہزار نوجوان بھی آتے تو میں ملک کی خوش قسمتی پر ناز کرتا میں نے کہا تعجب ہے اس نے کہا ہاں تعجب ہے وہ خوش خوش خیمے میں چلا گیا پچیس تیس منٹ کے بعد یہ بانکا جوان ایک خوش نما فوجی وردی پہن کر سوار ہو کر نکلا گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نوجوان محبان وطن کے سامنے پہنچ کر بولا:

"اے محبوب وطن کے عزیز فرزندو! جو قوم سیاسی آزادی کو کھو دیتی ہے وہ ان قوتوں سے محروم ہو جاتی ہے جو فطرت نے ہر انسان کو بخشی ہے۔ بہادری اور اولوالعزمی جو روح حیات ہے بتدریج ضائع ہو جاتی ہے وہ ممیانے والی بھیڑ بکریوں کا گروہ بن کر رہ جاتی ہے جو چون و چرا کئے بغیر چرواہے کے لٹھ سے ہانکا جاتا ہے رفعت خیال اور غیرت کا احساس مردہ ہو جاتا ہے۔ اہل ملک پر پژمردگی چھا جاتی ہے اور ملک کی قدرتی پیداوار اور دولت دوسروں کے کام آتی ہے میں خوش ہوں کہ تم نے وطن کے نام پر ایک انجمن بنائی ہے گویا تمہیں آزادی کی نعمتوں کا پورا پورا احساس ہے آؤ ہم تم ملک کو آزاد کرائیں اس طرح شرافتوں اور قوتوں کو جو آزادی کے ساتھ ہی انسان میں باقی رہتی ہیں محفوظ کر

ہیں اور ملک کی دولتوں کو تنہا اہل ملک کے لئے مخصوص کر دیں۔ بہادر و آؤ ہم مر کر دوسروں کو زندہ کریں اپنے لئے حیوان بھی زندہ رہتے ہیں صرف شریف ہی اپنی ذات کو قربان کر کے دوسروں کی زندگی کا باعث ہوتا ہے ایسے پاک جذبات رکھنے والا موت کے بعد ابدی زندگی پاتا ہے اور خدا کی بادشاہت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں شیریں پھلوں سے لدے ہوئے سایہ دار درخت بہنے والے شفاف پانیوں پر جھک رہے ہیں۔ وہاں تمہارے ارادوں کی تکمیل اور خوشیوں کی تکمیل ہو گی آؤ یہاں ٹھہر واب گھر نہ جاؤ وہ خوبصورت دنیا جس کو بہشت کہتے ہیں بے تابی سے تمہاری منتظر ہے۔"

کچھ لوگ واپس آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے میں انہیں روکنا چاہتی تھی مگر عبدالکریم نے منع کیا کہ جانے دو مصلحت ان کے نہ روکنے کی متقاضی ہے میں چپ ہو گئی جو رہے ان کو خیموں میں جگہ دی گئی شام کے وقت کوٹھی کے زمین دوز دروازے کھول دیئے گئے میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ہر طرف سیمنٹ کا فرش اور دیواریں ہیں اندر بجلی کا کارخانہ روشنی کا مکمل انتظام اسلحہ خانہ بارود خانہ تین ہوائی جہاز ایک سو توپیں مسلح موٹریں اور انواع واقسام کا سامان موجود تھا رات کی تاریکی میں توپیں پہاڑی پہ لے جانے کا انتظام کیا جہاں پتھروں کے نیچے مورچے تیار تھے اوپر کے پتھروں کو ہٹایا گیا توپوں کو نصب کیا گیا معلوم ہوا کہ تجارتی کوٹھی کے کارندے بھی فوجی تربیت یافتہ ہیں انہوں نے توپوں کا چارج لے لیا۔ عبدالکریم نے توپ داغنے کا حکم دیا میں نے منع کیا وہ مسکرا دیا اور دوربین سے ہسپانی شہر کے استحکامات کو دیکھنے لگا اور کہا کہ ہاں دغنے اڑا دم اڑا دھم توپیں دغنی شروع ہوئیں پانچ چھ چلی تھیں اس نے کہا کہ زاویہ پر آبادی کے قریب پھر دو تین توپیں دغیں اور سناٹا چھا گیا۔

وہ پہرہ لگا کر سونے کو جانے لگا میں نے کہا یہ کیا؟ کہا تم نے زبان سے اور میں نے توپ کے منہ سے لوگوں کو بلایا ہے۔ تم نے اپنے بلاوے کا آج نتیجہ دیکھا میں کل دیکھوں گا آج تمہاری انجمن کے ممبروں نے واپس جا کر ہماری عسکری تیاری اور فوجی بھرتی کا لوگوں میں ذکر کیا ہو گا کچھ گولے آبادی کے قریب گرائے گئے ہیں اس لئے ان کے بیان کی تصدیق ہو گی ملک کے بہادر نوجوان بھاگ بھاگ کر آئیں گے میں نے کہا مگر تم نے دشمن کو خبر کر دی وہ اسی وقت حملہ کر دے تو؟ اس نے مسکراتے ہوئے کہا نہیں ہسپانوی رات بھر سراسیمہ رہیں گے دن کے وقت معمولی بات سمجھ کر دیکھ بھال کو فوجیں بھیجیں گے توپوں کی زد میں آ گئے تو بچ کر نہ جائیں گے یہ کہہ کر وہ گیا اور جا کر سو گیا۔

میں تمام رات بے قرار رہی پہرے بدلتے رہے صبح ہوئی تو واقعی ہزاروں نوجوان بندوقیں کندھوں پر اٹھائے ہماری فوج میں شامل ہو گئے۔ وہ بوڑھا تاجر اور میرا خاوند صبح ہی سے دوربین لے

کر دشمن کے حملہ کا انتظار کرنے لگے یک بیک میرے خاوند نے کہا عبدالکریم کو بلاؤ عبدالکریم اوپر آ گیا اور بغیر تشویش کے دور بین لے کر دیکھنے لگا پھر گھڑی دیکھی اور توپچیوں کو حکم دیا کہ ٹھیک گھنٹے کے بعد 57 کے زاویہ پر گولہ گرانا اور مجھے بلا کر پھر پہاڑی کے نیچے اتر گیا۔ نئے والنٹیروں کی قطاریں بندھوا کر معائنہ کیا پلاٹون بنائے اور پلاٹون کمانڈر نامزد کئے قواعد سکھلانے کے لئے اپنے پرانے تجارتی عملے میں سے لوگ رکھے۔ ان رنگروٹوں کا خاطر خواہ انتظام کر کے پھر پہاڑی پر چلا گیا۔ توپیں چلنا شروع ہوئیں دشمن کے گولے بھی دور دور گرنے شروع ہوئے۔

تین گھنٹے کی گولہ باری کے بعد وہ نیچے آیا اور دو ہزار مضبوط جوانوں کو تیاری کا حکم دیا میرے خاوند کے ساتھ کھانا کھایا۔ مشین گن اور مسلح موٹریں لے کر دشمن کے استحکامات کی طرف کوچ کر دیا رات کے نو بجے ہمارے سپاہی لاکھوں روپے کا سامان حرب لے کر لوٹے۔ معلوم ہوا کہ ہسپانیہ کی بیرونی چوکی پر جدید ساخت کی توپیں نہ تھیں۔ نہ ان افسروں کو یہ وہم گمان تھا کہ مراکشی محب وطن جدید اسلحہ سے مسلح ہیں وہ پرانی قسم کی توپیں لے کر بڑھے اور ہماری دور رس توپوں کی زد میں آ گئے سینکڑوں مر گئے اور جو زندہ رہے وہ لاکھوں کا سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے اس ابتدائی فتح سے ملک میں ہلچل مچ گئی۔

عبدالکریم نے واپس آ کر کہا کہ ایک ماہ کی مہلت مل گئی ہے۔ اس عرصے میں ہم نئے آدمیوں کو قواعد سکھلا سکیں گے اور مشین گن کا استعمال بھی بتا سکیں گے۔ انشاء اللہ 20 روز میں اچھی تربیت یافتہ فوج مہیا ہو جائے گی۔ میں نے کہا کیا۔ مہینے کے اندر ہسپانیہ والے حملہ نہ کر دیں گے؟ اس نے کہا نہیں وہ جدید قسم کی توپیں لے کر آئیں گے پچھلی چھاؤنی میں سامان کافی ہے مگر اسی جگہ لڑنے کا ہمارے اندر اتنی قوت نہیں کہ ہم یکبارگی چھاؤنی پر ہلہ بول دیں اور ان کے لئے یہ مصلحت نہیں کہ چھاؤنی کو خطرے میں ڈال کر چوکی کو مسلح کریں اس لئے اس ناگہانی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے میڈرڈ سے سامان منگوانا پڑے گا جس میں ایک ماہ سے زیادہ عرصہ لگ جائے گا۔

ایک مہینہ گزر گیا ہسپانیہ کی چوکی ایک فوجی مرکز بن گئی میرے خاوند نے ایک جاسوسی محکمہ بنایا جو دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ دیتا تھا انہوں نے ہسپانوی چوکی کے قریب لاسلکی کا آلہ لگا رکھا تھا جو ہمیں ہر طرح کی اطلاع بہم پہنچاتا تھا ایک دن معلوم ہوا۔ کہ دشمن کی فوجوں کو آدھی رات کو حملہ آور ہونے کا حکم ہوا ہے اور ان میں سرگرمی سے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ ہماری خوش قسمتی سے ہسپانوی جرنیل کوتاہ اندیش تھا اس نے تصور کر لیا کہ ہمارے پاس آلات حرب نہیں وہ بے غل و غش بڑھے ہم

صرف سرچ لائٹ کا سامان درست کیا ہوا تھا جو نہی ان کے بڑھنے کا علم ہوا سب تو پچی تیار ہو بیٹھے
خوب بڑھ آئے تو سرچ لائٹ کی بدولت رات دن سے زیادہ روشن ہو گئی تو پیں اور مشین گنیں
کی طرح دشمن پر گولوں اور گولیوں کا مینہ برسانے لگیں۔ قبل اس کے وہ توپوں کی خبر لیں انہوں نے
میں عافیت سمجھی توپوں کی گولہ باری روک دی گئی عبد الکریم ہزار مجاہدوں کو لے کر بڑھا تھوڑی
کے بعد چوکی پر قبضہ کر لیا کم از کم دو کروڑ کا سامان حرب اور ہزاروں اسیر جنگ ہاتھ آئے
یہ کا وقار خاک میں مل گیا امراء تو قوت کے سامنے جھکتے ہیں ہماری مالی امداد کرنے لگے علماء نے
عبد الکریم کو غازی کا خطاب دیا صوفیوں نے غائبانہ امداد کا وعدہ کیا عوام میں جذبات قومی کا طوفان
اب ہسپانیہ کا مقابلہ کچھ مشکل نہ تھا مگر عبد الکریم ان آدمیوں میں سے نہ تھا جو بے ضرورت
آدمی کا بھی نقصان گوارا کر سکیں وہ اندھا دھند چھاؤنی کی طرف نہیں بڑھا بلکہ چوکی پر اڑ گیا۔

میرے خاوند کی تجویز پر قرار پایا کہ اول دشمن کے بارود کو آگ لگائی جائے اور پانچ سو جوان
کی طرف سے جا کر قبرستان پر قابض ہو جائیں۔ اور وہاں سے حملہ کریں۔ جب بارود خانہ
اڑ جائے تو عبد الکریم اصلی فوج لے کر بڑھے۔ اس سکیم کے مطابق بارود خانہ اڑانے کے ہلاکت
انگیز کام کا قرعہ میرے منجھلے بیٹے کے نام پڑا تا کہ کمسن بچے پر دشمن کو شبہ نہ ہو اور بڑا لڑکا پانچ سو کی فوج
کا کمانڈر مقرر ہوا۔ ماں کے جگر کا حال نہ پوچھیے۔ میرے دل کو دھکا سا لگا چکر سا آیا کیونکہ بچ کر
آنے کی کوئی امید نہ تھی ممتا نے کہا خاموش کیوں بیٹھی ہو شرافت نے کہا صبر کرو افراد کی موت قوموں
کی حیات ہے قوموں کی کھیتیاں نوجوانوں کے خون سے سینچی جاتی ہیں جو پیدا ہوا مرے گا وہ چاہے تو
بستر علالت پر موت کو پسند کرے۔ اور چاہے تو میدان کارزار میں داد شجاعت دے کر جام شہادت
پئے۔ اجل سے رہائی ممکن ہو تو کوئی جان چھپائے اس لئے چلو بستر پر مرنے کی بجائے میدان کا
رزار میں مرنا بہتر ہے۔ آخر الذکر موت دنیا میں اہل دنیا کے لئے مفید اور آخرت میں خود اپنے لئے
فائدہ رساں ہے۔ اس لئے کوئی دور اندیش ماں قربانی سے بیٹے کو منع نہیں کر سکتی۔ یہ صرف عورتوں کی
کوتاہ اندیشی ہے۔ کہ رو رو کر جان کھوتی ہیں بالآخر وہ معرکہ کی رات آ گئی بڑا جانباز سپاہیوں کو لے کر
چلا اور منجھلا لڑکا گھسیارے کے بھیس میں ایک ہمراہی کے ساتھ نکلا۔ میرا دل خون بن کر آنکھوں سے
بہہ نکلا تاہم میں نے دونوں بچوں کو پیار کیا خدا حافظ و ناصر کہا اور تاکید کی "بیٹا! پیٹھ نہ دکھانا یا تو کام کر
کے آنا یا وہیں ڈھیر ہو جانا۔"

بڑے لڑکے نے حکمت سے کام لیا۔ دو تابوت بنائے اس میں مشین گن رکھی اور اوپر کپڑا ڈال

کر مردہ دفنانے کے بہانے کلمہ پڑھتے قبرستان چلے گئے۔ ہسپانیہ کے کارندوں نے مردوں کے تابوتوں اور قبر کھودتے مردوں کو دیکھا "دنیا فانی ہے" کہتے اور افسوس کرتے ہوئے چلے گئے زیادہ خطرناک اور اہم کام میرے منجھلے بیٹے کے سپرد تھا اسی پر قسمتوں کا فیصلہ تھا وہ سر پر گھاس کی گٹھڑی اٹھا کر دشمن کی فوج میں گیا۔ دیر تک دام کے لئے جھگڑتا رہا شام کو گھاس بیچی پہرہ دار سے آنکھ بچا کر بارود خانہ کے پاس گیا دیوار شکن آلہ کے ساتھ نہایت سرعت سے سوراخ کیا فیتہ اس میں رکھ کر آگ لگا دی اور پکار کر کہا میری ماں سے کہہ دو میں کامیاب ہو گیا یہ سب کچھ اس کے ہمراہی جاسوس نے بتایا جو دور کھڑا حالات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ غرض قیامت کا دھماکہ ہوا لڑکا بارود کے ساتھ اڑ گیا قبرستان سے مشین گنوں اور بندوقوں کے فائر ہوئے عبدالکریم متانت سے بولا کہ ہم کامیاب ہو گئے۔

ہسپانوی پہلے تو سراسیمہ ہوئے پھر توپوں کا رخ قبرستان کی طرف پھیر دیا گولوں سے قبرستان کی زمین میں گڑھے پڑ گئے اور گڑے مردے اکھڑ آئے۔ پانچ سو جوانوں میں سے ایک بھی نہ بچا۔ عبدالکریم کے توپ خانے نے دشمن پر آگ برسانی شروع کی۔ دشمن سمجھے کہ غنیم دو پہلوؤں سے بڑھ رہا ہے۔ توپوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا اپنی نصف طاقت اور سامان حرب یوں ضائع کیا۔ پھر مقابلہ کیا تاب نہ لا کر بھاگے۔ چھاؤنی کی حد بندیاں بلند جگہ پر تھیں اس لئے انہیں نشیب کی طرف ہٹنا پڑا۔ ہم زور کر کے چھاؤنی تک پہنچے۔ بلند جگہ سے پست ہمت دشمنوں کو نشانہ اجل بناتے رہے وہ سامان چھوڑ جان لے کر بھاگے میرے دو بیٹے کام آئے مگر کام کر گئے۔

ہسپانیہ نے فرانس سے امداد چاہی۔ میں نے باوجود عبدالکریم کے منع کرنے کے فرانسیسی جرنیل سے فرانس کی حریت نوازی کا واسطہ دے کر غیر جانبدار رہنے کی استدعا کی مگر وہ نہ مانا اور کہا کہ باغیوں سے چشم پوشی نہیں ہو سکتی میں ناکام واپس آئی عبدالکریم کو دوسری جنگی تیاریوں میں مصروف پایا۔ وہ میرے چہرے سے میرے مشن کی ناکامی کو بھانپ گیا۔ اور خاموش رہا رات کو میں میرا خاوند اور عبدالکریم کھانے پر بیٹھے تو عبدالکریم آہستہ سے بولا۔ "بیگم صاحبہ! آپ منع کرنے کے باوجود گئیں۔ اور ناکام لوٹیں آپ نے قوموں کے اخلاق کا افراد کے اخلاق پر اندازہ کیا ہے۔ ایک آدمی انصاف کر سکتا ہے۔ قومیں اپنے مفاد کو چھوڑ کر رحم کی اپیلوں سے متاثر نہیں ہوا کرتیں کیا فرانس نہیں جانتا کہ آج ہسپانیہ کی تو کل ہماری باری ہے۔ فرانس کو ہماری تیاری جانبازی اور عسکری تربیت کا علم نہ تھا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہم ایک یورپی طاقت کے مقابلے کی تاب لا سکیں گے۔ ورنہ وہ پہلے ہی جنگ میں آ کودتا خیر اچھا ہوا جو فرانسیسی جرنیل نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔"

اس فاتحانہ جنگ کے بعد غیر ملکوں میں اہل مراکش کی قدر ہونے لگی۔ ملکی لوگوں کا حوصلہ بڑھا انہوں نے عبدالکریم کو مولائی کہہ کر پکارا امراء نے روپے سے مدد کی صوفیوں نے دعا دی علماء نے عبدالکریم کو غازی کہا غازی موصوف نے فوج کو حلہ بولنے کا حکم دیا قبل اس کے ہم شب خون ماردیں فرانسیسی چھاؤنی کی لاکھوں پونڈ کی عمارتیں تباہ کر کے راتوں رات توپوں کی پناہ میں چلے گئے ہم نے اس چھاؤنی پر قبضہ کر کے عمارتیں بنانی شروع کر دیں۔

ہم سب فرانس کی پسپائی سے خوش تھے لیکن میرا شوہر اور غازی بڑے پریشان دکھائی دیتے تھے پھر رات کے کھانے پر غازی نے گہری سانس لے کر کہا کہ فرانسیسی ہوشیار سپاہی ہیں۔وہ ہمارے لئے ابتدائی فتح سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع بھی چھوڑ نہیں گئے مبادا دنیا کو یہ معلوم ہو کہ اہل مراکش کے ہاتھوں میں افواج فرانس نے شکست کھائی۔اب عبدالکریم خندقوں کے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ کیونکہ اس کی رائے تھی کہ کھلے میدان میں ہم فرانسیسیوں سے جنگ نہیں کر سکیں گے۔پے در پے فرانسیسی فوج اور سامان جنگ میں اضافہ ہونے کی خبریں آنے لگیں ہم نے مدافعت کی تیاریاں مکمل کر لیں۔فرانس کی فوج کو جب حملہ کی ابتداء کا حکم ہوا تو ہمیں علم ہو گیا غازی کئی رات نہ سویا تھا۔آج سر شام سو گیا۔دس بجے تازہ دم ہو کر اٹھا ٹھیک سوا گیارہ بجے فرانسیسی مرکز سے شعلہ بلند ہوا گولہ ہمارے استحکامات پر آن پھٹا۔اس کے بعد توپ چلنے کی آواز آئی کیونکہ گولہ آواز سے پہلے آ کر گرتا تھا مطلع صاف تھا۔آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔دونوں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ اور بارش ہونا شروع ہوئی زخمیوں کی زبان سے نعرہ فغاں اٹھا خون کے ندی نالے بہنے لگے فرانسیسیوں کو ہماری قوت کا پھر بھی غلط اندازہ تھا توقع سے زیادہ مقابلہ اور اپنے کشتوں کے پشتے دیکھ کر وہ بھیگی بلی کی طرح پھر جہازوں کی پناہ میں چلے گئے صبح کو طرفین نے اپنے مردے اور زخمی اٹھانے کی مہلت پائی۔رات بھر میں تیرہ ہزار مجاہد شہید ہوئے اور بیس ہزار زخمی ہو گئے فرانسیسی فوج کے زخمیوں اور مقتولوں کی تعداد کا اندازہ اس سے زیادہ تھا۔

میں سخت غمگین ہوئی مگر عبدالکریم اور میرا خاوند بہت مسرور ہوئے انہوں نے تمام دنیا میں اسکی کے ذریعے سے پیغام بھیجے۔فرانسیسی فوج کے اخباری نمائندوں نے ہماری بہادری اور علو ہمت کی تعریف کی۔انگلستان جرمنی اور امریکہ کے آزاد باشندوں نے بے تار برقی کے ذریعے سے تہنیت کے حوصلہ افزا جوابات بھیجے تین دن طرفین خاموش رہے فرانسیسی افواج بلند مقام پر تھیں اس لئے انہی کے حملہ کا انتظار کرنا تھا فرانس کی کمان جنرل فوش کے ہاتھ میں آ گئی جس نے چوتھے روز

ہمارے قلب پر دھاوا بول دیا انسانوں کے جسم گولوں سے روئی کے گالوں کی طرح دھنکے گئے فرانس کا ہوائی بیڑہ سر پر منڈلاتا نظر آیا آسمان سے آگ برسنی شروع ہوئی ہماری حالت مخدوش ہو گئی غازی نے سب افسروں کو واپسی کا حکم دیا۔

ہم مردے میدان میں چھوڑ کر پلٹے اور خندقوں میں پناہ لی جنگ میں وہ تندی نہ رہی میں ہمہ تن زخمیوں کے معالجے میں مصروف ہو گئی فرانسیسی ہوائی بیڑے کے بل پر برابر بڑھ رہے تھے اس عرصے میں بم باری کی وجہ سے ہماری رسد رسانی کا سلسلہ بار بار خطرے میں پڑ جاتا تھا فرانسیسی تیاریوں اور بمباریوں کا ذکر سن کر اور ہمیں خندقوں میں پڑے دیکھ کر امراء نے ہاتھ کھینچ لیا۔ علماء اور مشائخ ہمیں ملامت کرنے لگے کہ ناحق ملک میں فتور کا باعث ہوئے ان کے طرز عمل سے عوام کے حوصلے پست ہو رہے تھے اور ہماری مشکلات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہمارے پاس مشکل سے ایک ماہ کی لڑائی کا سامان موجود تھا غازی اپنی کمزوریوں کو کمال حکمت سے چھپاتا رہا۔

جب ہمارے پاس پندرہ روز کا سامان رہ گیا۔ تو خندقوں سے نکل کر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا گیا۔ پہلے پستول پھر چھری کٹاری چلی آخر بہادر بہادروں سے لپٹ گئے اگر جنگ انہی حربوں تک محدود ہوتی تو فرانس کے وقار کا جنازہ اٹھ جاتا مگر ہوائی طاقت کے مسلسل استعمال نے ہمیں خاک میں ملا دیا۔ لاکھوں ٹن بم تین دن میں گرے ایک کے بعد ایک خندق ہم نے کھودی میرا خاوند لڑتا لڑتا شہید ہوا میری لڑکی خندق سے زخمی اٹھاتی وہیں ڈھیر ہوئی باوجود ہسپتال میں کام کرنے کے میں بھی زخمی ہوئی۔

"مولائی کریم گرفتاری کے آدھ گھنٹہ پہلے ہسپتال میں آیا میرے زخموں کو بوسہ دیا اور کہا بیگم صاحبہ تم مراکش میں سب سے زیادہ خوش قسمت عورت ہو جس نے اپنے تین بچے ملک اور قوم کی حرمت پر نثار کئے جس کا خاوند ملک کی خدمت کرتا ہوا شہید ہوا۔ اگر جنگی اخلاق کی رو سے فوج کے اعلیٰ کمانڈر کا خطرے میں کودنا بزدلی نہ ہوتا۔ تو میری لاش تمہارے محبوب خاوند کے پہلو میں ہوتی۔ اکثر ہزیمت خوردہ جرنیلوں کا وہی حشر ہوا جس کی مجھے توقع ہے۔ یعنی اسیری جرنیل کے لئے اگر خودکشی بزدلی کے بدترین داغ کی مترادف نہ ہوتی تو میں اپنے پیارے دوست کے پاس جا پہنچتا مگر میری قسمت میں اسیری لکھی ہے جو بہادر اور غیور سپاہیوں کے لئے بدترین اذیت ہے۔ میرے محبوب وطن اور اہل وطن کو پیغام دو کہ وہی ملک آزاد اور وہی قومیں بااقبال رہتی ہیں جن کے بچے ان تھک قربانی کا حوصلہ رکھتے ہوں پانی جب رک جاتا ہے۔ تو اس میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے قربانی

کا سرخ خون جب روانی سے رک جاتا ہے۔ تو قوموں کی عظمت خاک میں مل جاتی ہے شکستوں کے بعد فتح ہوتی ہے ایک شکست سے فتح کی امید لے کر اٹھو حوصلہ نہ ہارو۔"

"جرنیل چلا گیا میرے زخموں کو دیکھ کر ڈاکٹر نے کہا۔ یہ خون بند نہیں ہو سکتا۔ میں زخموں سے نڈھال ہو گئی میری چار برس کی لڑکی اور چھ برس کا لڑکا کھیل میں مشغول تھے انہیں نہ مرا کش کی بدقسمتی کا علم تھا نہ خاندان کی مصیبت کا خیال لڑکا کھیلتے کھیلتے میرے پاس آ گیا اور کہا اماں اٹھو اماں اٹھو میرے ساتھ کھیلو میں نے کہا۔ اب تم دونوں آپس میں کھیلتے رہنا مگر لڑنا نہیں۔ لڑکی نے توتلی زبان سے پوچھا ابا کہاں ہیں؟ بھائی جان کہاں ہیں؟ میں نے آبدیدہ کر کہا وہ تمہارے لئے باغ میں میوے لینے گئے ہیں پھر بولی ابا جان بھی وہیں ہیں لڑکے نے میرا ہاتھ کھینچ کر کہا امی اماں اچلو انھوان کے پاس چلیں میں نے کہا تم یہیں کھیلو میں اکیلی ان کے پاس جاتی ہوں اور بلا لاتی ہوں انہوں نے کہا اچھا ہم کھیلتے ہیں انہیں جلدی بلا کر لانا اور باغ سے پھول بھی لانا۔ میرے لئے بولنا دشوار تھا خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ اس لئے بمشکل آہستہ سے اچھا کہہ سکی ایک ہچکی آئی اور جان جسم سے رخصت ہوئی اور میں یہاں پہنچ گئی۔"

سب عش عش کر اٹھے میری زبان سے بے ساختہ صدائے صد آفریں نکلی ایک گھڑی کی استغراق کے بعد خود کردہ را علاجے نیست کا مقولہ یاد آیا۔ اپنے اعمال پر نظر پڑی اور میں مضطرب ہو گیا اضطراب میں دل بے تاب سے استدعا کی کہ اے دل! وہاں لے چل جہاں کوئی ملامت کرنے والا نہ ہو یا اس دنیا میں چل جہاں بالکل تنہائی ہو اور کوئی تماشائی نہ ہو تا کہ میں وحشت سے بغلگیر ہو کر اپنی بداعمالیوں کا رونا روتا رہوں۔

☆☆☆

ایک پنجابی زمیندار کی کہانی

میں دل ہلکا کرنے کے لئے باآواز بلند رونا چاہتا تھا کہ زریں کمر ساتھی نے ایک اور گروہ کی طرف اشارہ کر کے کہا تیرے خوش قسمت ہم وطن بیٹھے ہیں میری توجہ اس طرف مبذول ہوئی ایک بوڑھا بانکے جوان کی طرح مونچھوں کو بل دیئے بیٹھا تھا۔ اردگرد کچھ مدراسی اور بنگالی ہشاش بشاش لوگ مصروف تکلم تھے میں پاس جا کر کھڑا ہوا کہ پوچھوں کس شہر و دیار کے رہنے والے ہو قبل اس کے

کہ میں سوال کروں اس بانکے جوان نے یوں کہنا شروع کیا:
"میں پنجاب کا باشندہ ہوں جہاں پانچ دریا چپہ چپہ زمین کو سیراب کرتے ہیں جہاں عشق کا دیوتا محبت کے سبق پڑھاتا ہے اور حسن کی دیویاں بے نقاب پھرتی ہیں میں اس گھرانے کا فرد ہوں حکومت جس کی لونڈی اور اقبال جس کا غلام تھا مگر اب بازو میں زور نہ رہا دلوں میں حوصلے نہ رہے باوجود نہر اور دریا کے پانی کی افراط کے میرے گاؤں کے لوگوں کی کھیتیاں سوکھی ہوئی ہیں۔ باوجود ہوا کی محبت افزا تاثیر کے دلوں میں کدورت ہے باوجود صحت بخش فضا کے چہروں کی بے رونقی ان کا نشان امتیازی ہو گیا ہے۔ ہر چند میں ملک میں اجتماعی اقبال اور ادبار کو بے حد قابل توجہ سمجھتا ہوں۔ مگر افراد اور خاندانوں کے تنزل اور ترقی سے قوموں اور ملکوں کی ترقی اور تنزل کا آغاز ہوتا ہے اس لئے میں نے اپنی برادری کی اصلاح سے ملک کی ترقی میں اضافے کی سعی شروع کی۔"

قرض:

پہلے میں فوج میں ملازم تھا دو سال کی رخصت لے کر گھر آیا خدا نے میرے گھر لڑکا دیا برادری کی رسومات کے صدقے پانچ سو روپے کی قربانی کرنی پڑی۔ چھوٹی ملازمت میں کیا بچتا ہے ایک ماہ پانچ بچائے دوسرے مہینے سات خرچ ہو گئے۔ تیسرے مہینے پلہ برابر ہو گیا خیر خدا نے چاند سا لڑکا دیا تھا دل خوش تھا قرضہ لیا اور دل کھول کر خرچ کیا ماں بوڑھی تھی۔ باپ بیمار تھا ہاتھ تنگ ہو گیا مگر ان کی مصیبت بھی دیکھی نہ جاتی تھی۔ چاہا کہ اور قرض لوں اور ان کی خدمت کروں۔ مگر ہر روز ادھار کون دیتا ہے۔ ناچار کچھ زمین رہن رکھی اور ان کا علاج کیا ایک تو میری ناداری کی شہرت ہوئی دوسرے والد کی عمر نے وفا نہ کی۔ اب ایک اور خرچ آ پڑا۔ خوشی کا وقت مقرر ہو سکتا ہے غمی ہمیشہ ناگہانی ہوتی ہے جنازہ گھر میں تھا میں باہر قرض کے لئے مارا مارا پھرتا تھا۔

برادری کے لوگ ایک تو تماشا دیکھنا چاہتے تھے دوسرے رسومات کے مارے میری طرح نادار تھے لاچار میں نے مہاجن کے پاؤں پکڑے پگڑی پاؤں پر رکھ دی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اس نے بڑی مہربانی کی ہزار دے کر پندرہ سو لکھوائے۔ دو پیسے شرح سود پر راضی ہوا تم کہو گے بڑی رقم لی مگر کیا کرتا لڑکے کی پیدائش پر پانچ سو خرچ کئے باپ کی موت پر ہزار نہ خرچ کرتا تو ناک کہاں رہتی؟ لوگ نہ کہتے کہ جس باپ کی کمائی اتنی دیر کھائی اس کی قدر بیٹے برابر نہ ہوئی خیر ایک ہزار خرچ ہوا بقول برادری کے باپ کی موت سپھل ہوئی میں نے شکر کیا مگر مصیبتیں کب اکیلی اور پوچھ کر آتی ہوں والد فوت ہوئے والدہ بیمار ہوئی بہت گھبرایا بیوی کا زیور بیچا مشکل سے کچھ دنوں گزارہ کیا اب ماں کی

موت پر پھر رسومات کا خیال پیدا ہوا۔اب کیا کروں کدھر اور کس کے پاس جاؤں مہاجن کا دروازہ پھر کھٹکھٹایا پہلے قرض سے اصل چھوڑ سود کی پائی نہ پائی تھی۔میری صورت دیکھ کر بولا آؤ میاں صاحب کیا رقم چکانے آئے ہو؟ میں نے لجاجت سے کہا نہیں مہاراج! ماں کا جنازہ گھر پر پڑا ہے کچھ لینے آیا ہوں اس نے کہا بھائی! یہ روپیہ میرے پسینے کی کمائی کل تیرا باپ مرا آج ماں مری موت نے تیرا گھر تاک لیا ہے کل تو چل بسا تو میرا قرض کون دے گا میں تو پہلی رقم دے کر پچھتا تا ہوں ان تلوں میں تیل نہیں اب جاؤ کسی اور کو اپنا ساہوکار بناؤ۔

جس پر میری سی کیفیت گزرے وہ میرے حال کا اندازہ لگا سکتا ہے گھر میں لاش پڑی ہے پلے پیسہ نہیں میں بچوں کی طرح رونے لگا۔ساہوکار کی عورت گھر سے نکل آئی میرا حال سن کر خود بھی آنسو بھر لائی اور لالہ سے کہا۔اچھا میرے حساب سے جو مانگتا ہے دے دے خالی نہ پھیر۔اس نے ہزار دے دو ہزار لکھایا اور شرح سود میں بھی اضافہ کیا میں خوشی خوشی گھر آیا۔حاتم ثانی بن کر چار و نا چار ہزار کا ہزار خرچ کر ڈالا کوئی کیا کہتا کہ بیٹے کی پیدائش پر پانچ سو خرچ کیا باپ کی مرگ پر ایک ہزار اور پیاری ماں کی مرگ پر سو دو سو؟ میں نے کہا وقت نپٹاؤ برادری سے عزت بچاؤ دل کھول کر خرچ کرو پھر اللہ مالک ہے۔

غرض پانچ چھ ہزار کا مقروض ہو کر ملازمت پر گیا۔سپاہی کی تنخواہ میں بچت کیا؟ پانچ گھماں زمین اس میں کتنی پیداوار ہوتی؟ باوجود جزرسی کے قرضہ بڑھتا گیا مہاجن کے تقاضے شروع ہوئے میں نے نوٹس تک کا جواب نہ دیا آخر دعوٰی ہوا مجھ پر ڈگری ہوئی ایمان کا تقاضا ہے کہ قرض لیا ہے تو زمین رہن بیچ کر کے دو مگر میں نے قانون کی آڑ لی زمین قانون وقت کے مطابق نا قابل قرقی تھی ۔باقی پاس ہی کیا تھا ڈگری کے اجراء پر بھی کچھ وصول نہ ہوا تو اس نے وارنٹ جاری کروالئے۔میں چار ماہ کی چھٹی پر آیا اور آتے ہی دھر لیا گیا ادھر افسروں کو میرے دیوالیہ ہونے کی خبر ہوئی۔مجھے نوکری سے برخاست کر دیا۔بیوی کو جس پر زر نچھاور کر کے گھر لائے تھے سر میں تیل ڈالنا میسر نہ تھا ۔بچہ جس پر سینکڑوں روپے نثار کیے تھے ننگا گلیوں میں پھرنے لگا بے رحم برادری اس کی رسومات اور اپنی حماقت پر میں لعنت بھیجتا تھا مگر موقع کھو کر پچھتانے سے کیا ہوتا ہے میں جیل سے آیا گھر کی بدحالی کا یہ نقشہ دیکھا کہ آخری برتن بک چکا تھا اب بیوی باوجود فاقے کے چکی پیستی ہے میرے آنے پر وہ رو پڑی بچے بھی رو دیا اگر رونے سے گزارا ہوتا تو اور روتے رہتے سوچا کہ کچھ کرنا چاہیے لاچار زمین رہن رکھنے کی ٹھانی پھر خیال آیا زمین دوسرے کے قبضے میں دیکھ کر وہ لوگ مجھے اور ذلیل

سمجھیں گے اس لئے بہ تقاضائے غیرت زمین رہن بلا قبضہ رکھی یعنی زمین تو میرے قبضے میں رہی اور اس پر سود چڑھتا رہا۔

جب آدمی ایک دفعہ قرض لے کر کھاتا ہے تو اس کا دل غنی اور ہاتھ کشادہ ہو جاتا ہے قرض کے روپے کو بیگانی دولت سمجھ کر مہینوں میں اڑاتا ہے۔ بمشکل زمین کے روپے پر دو سال امیری کی ہوگی کہ وہ روپیہ بھی ختم ہو گیا۔ اب چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض لینی شروع کیں حتیٰ کہ میرا اعتبار جاتا رہا کوڑی مانگے نہ ملتی تھی پھر فاقوں کی نوبت آئی ایک صبح میں اپنے مزارعین کے ہاں گیا۔ اور ان سے معاہدہ کیا۔ کہ بیل تمہارے زمین میری اور محنت مشترکہ پیداوار نصف نصف وہ مان گئے۔ اس پر پہلے وہ میری خدمت کیا کرتے اور میری امداد پر نظر رکھتے تھے۔ اب انہوں نے مجھے چھ ماہ کے لئے غلہ ادھار دیا۔

غیر شرعی پردہ:

میں صبح کھیتوں کو چلا گیا چاشت کے وقت تک ہل چلایا کچھ بھوک معلوم ہوئی ہماری اونچی ذات تھی اور ہماری برادری میں پردے کی رسم جاری تھی میرا ساجھی کمیں تھا اور پردہ اس کے ہاں متروک تھا اس لئے میری ساجھی کی عورت سر پر چھاچھ کا گڑوا دھرے اس پر رومال میں روٹیاں رکھے آ گئی ساجھی نے شرکت طعام کی دعوت دی میں نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میرے لئے بھی کھانا آ رہا ہوگا میں نے ہل چھوڑ کر حقہ تازہ کیا اور منہ گاؤں کی طرف کر کے کش لگانے شروع کئے میں نے خیال کیا کہ عورت سلیقے والی ہے روٹی ضرور پکائی ہوگی کسی ہمسائے کے ہاتھ بھیج دے گی جو عورت سر پر روٹی رکھے گاؤں سے نکلتی میں امید کرتا کہ وہ میری روٹی لا رہی ہوگی ایک چلم پی پھر دوسری پھر تیسری مگر دھوئیں سے پیٹ کب بھرتا ہے ساجھی روٹی کھا چھاچھ پی اور ڈاڑھی مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کام کو لگ گیا میری آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں۔

ساجھی نے کہا چودھری تیری روٹی تو اب آنے سے رہی کام بھی نہ گنوا۔ میں شرمندہ سا ہوا گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا دل میں عورت کو ہزار گالیاں دیں اور ہاتھ ہل پر ڈالا نہ بہت کھا کر محنت ہو سکتی ہے نہ بھوکے رہ کر ہل سیدھا رکھنا مشکل ہو گیا پھر میں نے عورت کو گالیاں دینی شروع کیں۔ 9 بجے کی بجائے 11 بجے ایک ہمسائے کے لڑکے کے ہاتھ روٹی آئی۔ میں نے شکر کیا اور اس خیال سے روٹی تھوڑی کھائی کہ اب دوپہر کی روٹی کا وقت ہوا جاتا ہے دوپہر کا وقت گزرنے لگا تو میں نے بچی ہوئی روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر پانی کے گھونٹ سے کھا لیا اور خدا کا شکر کیا۔ لیکن دن

قیامت ہو کر گزرا۔ آگ بگولا ہو کر شام کو گھر آیا۔ بیوی کو بہت سخت سست کہا پھر بھی غصے کی آگ فرو نہ ہوئی۔ لاٹھی لے کر برس پڑا اس نے زبان ہلائی نہ ہاتھ اٹھایا جو کہا سنا جہاں پڑی سہی۔ میری ہمسائی یہ تماشا دیکھ رہی تھی دیوار کی اوٹ سے بولی بھائی اجو کیا اچھا کیا عورت کی کوئی قدر نہ سہی انصاف ہی کیا ہوتا۔ صبح آٹھ بجے روٹی پکائی 11 بجے تک لیے بیٹھی رہی کوئی آئے کہ تمہارا کھانا کھیت پر پہنچائے۔ میرا لڑکا باپ کی روٹی دے کر آیا تو تمہاری روٹی لے کر گیا دوپہر کو میں نے اس سے کہا۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں کسی کے باپ کا نوکر ہوں تم نے اپنے بچے کو مدرسے میں داخل کر دیا مدرسہ دور ننھی جان وہ صبح جاتا ہے شام کو آتا ہے میں نے کہا تو بی بی کیا اس کو علم کی دولت سے محروم کر دوں؟ وہ بولی بھائی بھوکے غریب کو علم اور ایمان کی دولت کہاں ملتی ہے اس کو تو زندگی کے دن پورے کرنے قیامت ہوتے ہیں یہ سب چیزیں تو فرصت اور اطمینان کی ہیں جس کو پیٹ سے فرصت نہ ہو وہ ایمان اور علم کی دولت کیسے حاصل کرے؟

میں نے کہا بیٹے کو حصول علم سے تو نہیں ہٹا سکتا۔ وہ بولی بھائی کسی کا بیٹا بھی ہر روز کھانا نہیں پہنچا سکتا۔ غصہ فرو ہوا۔ تو ٹھنڈے دل سے سوچا سات برس کا بچہ دو روٹیاں جس مصیبت سے لے کر آتا مجھ سے وہ سماں دیکھا نہ جاتا مگر کیا کرتا وہی پانچ سو جو اس کی پیدائش پر خرچ کئے تھے پاس ہوتے تو اس کی تعلیم ہی جاری رہتی اور ایک ہاتھ بٹانے والا لڑکا پانچ روپے ماہوار پر رکھ لیتا۔ کب تک کوئی روٹی کھیتوں میں لائے گا ایک دن میں قدر عافیت معلوم ہو گئی مجبور ہو کر لڑکے کو مدرسے سے اٹھایا۔ وہ روٹی وقت پر لاتا تو میں کھاتا اب سنئے میں تن تنہا کام کرتا اور ساجھی کی بیوی بھی اس کا ہاتھ بٹاتی تھی لامحالہ زمین کو نصف تقسیم کر کے بیج ڈالا گیا وہ جب کھیت ایک طرف سے سینچتا۔ اس کی بیوی دوسری طرف فصل کا ناکہ بند کرتی اور کھولتی۔ وہ کھاد سر پر لا کر کھیتوں میں ڈالتی ان کی کھیتیاں لہلہانے لگیں میں رہٹ چلاتا تو ناکہ ٹوٹ جاتا ناکہ روکنے جاتا تو بیل کھڑے ہو جاتے فصل سے زیادہ گھاس اور جھاڑیاں کھیتوں میں کھڑی ہو گئیں بعض کھیت بالکل خشک ہو گئے کاشت کی تو یہ صورت ہوئی اب برداشت کا موقعہ آیا۔ وہ میاں بیوی دونوں کاٹنے بیٹھے جو فصل کاٹتے اٹھا کر گھر ڈال دیتے۔ میں نے ایک دوسرے شخص کو اجرت دے کر فصل کاٹنے میں شامل کیا بہشتی خاکروب نائی اور میراثی فصلانہ لینے آئے۔ لے دے کے چھ ماہ کی کمائی پانچ من غلہ بچا کمر ٹوٹ گئی ساجھی نے حساب لگایا اتنی ہی زمین میں سے چھ ماہ کا غلہ رکھ کر دو سو روپیہ کا اناج فروخت کیا میں رات کو گھر میں جا کر لیٹ رہا مگر کسی کل نیند نہ آئی یہی فکر تھی کہ زندگی اس طرح کیوں کر کٹے گی۔ نماز پڑھنے کھڑا ہوا مگر وہاں بھی چہ

خورد یا مداد قرز ندم کا نقشہ پیش نظر تھا خیال کیا چلو شہر چلیں کوئی مزدوری کر کے کھائیں مگر شہر کے حالات مجھ سے پوشیدہ نہ تھے مزدوری ہر کس و ناکس کو کہاں ملتی ہے ہزاروں میری طرح فاقوں مرتے ہیں پھر کیا کروں۔ خودکشی؟ اول مذہب اجازت کہاں دیتا ہے پھر بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔ تو کیا میں بھی رذیلوں کی طرح عورت کو کھیت میں لے جاؤں؟ اول برادری کب گوارا کرتی ہے پھر مذہب کب برداشت کرتا ہے سوچتے سوچتے سوچا کہ در در دھکے کھا کے قرض اٹھانا اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر ادھار کھانا کہاں کی شرافت ہے؟ فاقہ مست کی برادری میں توقیر کیا؟ غریب کا ساتھی کون؟ البتہ مذہب ایک چیز ہے جس کی حرمت کو جان دے کر بچانا چاہیے میدان غزا میں جوش مذہب کے اظہار کا اب موقع نہیں ہمسائے کی خدمت یتیموں کی پرورش غریبوں کی امداد جیسے مذہب کے احکام بجالانا تو اب مجھ سے ممکن بھی نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں خود غیروں کی امداد کا مستحق ہوں عبادت میں پریشانی کی وجہ سے دل نہیں لگتا صرف پردہ غیرت کی ایک ظاہری نشانی میرے گھر میں رہ گئی ہے اب بی بی کو گھر کی چاردیواری سے نکالوں تو غیرت بھی گنواؤں یہ تو جیتے جی مجھ سے ممکن نہیں۔

خیر پانچ من غلہ ابھی باقی تھا کچھ اتنی فوری تشویش نہ تھی عورت کے کپڑے پھٹے دیکھے میں نے کہا خیر ہے گھر میں بیٹھی ہے۔ بچہ ننگا دیکھا تو تسلی دے لی کہ ابھی بچہ ہے بچے ننگے ہی رہتے ہیں سردی کے دن آرہے تھے شام کو ٹھنڈی ہوا چلی لڑکے نے سینے میں درد کی شکایت کی دو گھنٹے کے اندر اندر سانس لینے میں تکلیف ہوگئی غلہ بیچا حکیم کو بلایا دوا دی اور کچھ گرم کپڑے خریدے بچے کو تو افاقہ نہ ہوا مگر تیسرے روز ہمیں فاقہ شروع ہوگیا۔ ہم میاں بیوی تو بھاڑ میں گئے بچے کے منہ میں ڈالنے کو ایک دانہ گھر میں نہ تھا پھر اس موقعے پر وہی پانچ سو روپیہ یاد آیا اے کاش! اس وقت وہ روپیہ ہوتا۔ لیکن بہایا ہوا پانی اور لٹایا ہوا مال کب ملتا ہے؟ بچے کی حالت دیکھی نہ گئی ماں سرہانے بیٹھ کر رونے لگی۔ مگر باہر بھی آرام کہاں ادھر ادھر پھر کر اضطراب سے واپس آیا دیکھا بی بی کے پاس ایک عورت بیٹھی ہے میرے آنے پر وہ اٹھ کر چلی گئی بیوی نے بتایا کہ یہ عورت یہاں کے قانونگو کے ہاں ملازم ہے ایک ماہ کی رخصت پر جانا چاہتی تھی پانچ روپے اس نے دیئے ہیں اپنے عوض مجھے رہنے کو کہتی ہے میں نے روپے لے لئے ہیں فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے۔

بے ایمانی:

یہ پانچ روپے بھی پانچ ہزار کے برابر تھے قرض مانگنے سے بھی نہ ملتا تھا مگر عورت کو کسی کے ہاں کام کاج کو بھیجنا بھی گوارا نہ تھا۔ میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا لڑکے کی حالت اضطراب

انگیز تھی میری اور میری بیوی کی حالت اس کو دیکھ کر بری ہو رہی تھی۔ بیوی کے دوبارہ دریافت کرنے پر میں نے کہا اچھا فیصلہ کر لوں گا تم بچے کے منہ میں ڈالنے کا کچھ سامان تو کرو وہ خوش ہو گئی مجھے روپے دیئے میں سامان خورد و نوش لایا۔

چوتھے روز آہستہ آہستہ خدا نے بچے کو صحت دی وہ عورت غریب چوتھے روز آئی مجھے پھر غیرت آئی برادری کے خیال اور مذہب کے تخیل نے مل کر روکا کہ میں عورت کو گھر سے باہر نہ جانے دوں اس لئے میں نے صاف جواب دے دیا۔ وہ روتی روتی پڑوس میں گئی تو ہمسائے کی بی بی جس نے بیوی کو پیٹنے پر مجھے ملامت کی تھی اوٹ میں سے بولی "بھائی یہ بھی بڑی غریب ہے گھر جانا چاہتی ہے اس پر رحم کرو یا عورت کو کام پر بھیجو یا روپے واپس کر دو۔ باوجود اس امر کے جاننے کے کہ میری ہمسائی کو ان پانچ روپوں کا پورا علم ہے۔ میں ڈھیٹ ہو کر بولا کہ کیسے روپے؟ اس نے یہ سفید جھوٹ سنا تو آہستہ سے یہ کہہ کر چلی گئی کہ غریب کا کوئی ایمان نہیں ہوتا۔ میرے دل پر چوٹ تو ضرور لگی مگر کیا کرتا چپ ہو رہا۔ رات کی تنہائیوں میں خیالات کا ہجوم ہوا اس ہمسایہ عورت نے جس تلخ حقیقت کا اظہار کیا تھا اس نے مجھے زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔ پست اور بلند سب خیال آئے۔ غریب اگرچہ بے ایمان کا لقب منظور نہیں کرتا۔ مگر مذہب کے قوانین کے مطابق اس لقب کا پورا مستحق ہوتا ہے۔ وہ زندگی کی ضرورتوں کے باعث بے ایمانی کرنے پر مجبور ہوتا ہے اس عورت نے جو غریبوں کو سرٹیفکیٹ دیا اس کا مستحق ضرور تھا تاہم وہ میرے لئے قابل قبول نہ تھا۔"

باوصف یہ جاننے کے کہ وہ سچ کہتی ہے میں اس سے سخت کبیدہ خاطر ہوا بعض لوگ مذہب کو سب چیزوں سے بالا رکھتے ہیں۔ میں بھی ان میں سے ایک تھا مگر معلوم ہوا کہ سوسائٹی کا قانون یعنی رسم ورواج سب چیزوں سے بالا ہیں۔ لاکھوں نہیں کروڑوں نے میری طرح سوسائٹی میں عزت برقرار رکھنے کے لئے خاموش شہید کی طرح گھر بار لٹایا فاقے کئے جان گنوائی مذہب کے لئے اور خدا کے خوف سے لاکھ میں سے ایک گھر لٹاتا ہے اور فاقہ کرتا ہے اور کروڑ میں سے ایک خدا کے لئے جان خطرے میں ڈالتا ہے خدا کو انسان آسانی سے پس پشت ڈال دیتا ہے لیکن برادری کے قانون اور رسومات کو ٹھکرا نہیں سکتا برادری میں بدنامی کے ڈر سے میں پانچ روپے کھا کر مکر گیا۔ حالانکہ میں نے خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی مگر عوام کا مقابلہ نہ کر سکا۔ شرافت اور مذہب کا تقاضا تو یہ تھا کہ بیٹا بے دوا مرتا اور میں فاقوں جان دیتا مگر یہ کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل۔

رسمی پردہ:

اب میں نے اپنے عمل کا یوں تجزیہ کرنا شروع کیا۔ رسم پردہ نے شرط پوری کرنے سے روکا۔ ضرورت نے ایک غریب عورت کا روپیہ ہضم کرنے پر مجبور کیا اس طرح رسم کی پابندی یعنی سوسائٹی کے خوف اور ضرورت کی مجبوریوں نے خیانت پر آمادہ کر دیا خیانت خدا اور خلق دونوں کے نزدیک جرم ہے خدا علیم وشہید ہے لیکن خلق جرم کا ثبوت یا اقبال جرم چاہتی ہے خدا سے کیا چوری ہو سکتی ہے خلق سے چوری کی کہ کھا کر مکر گیا۔ اس لئے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اول تنگ دست انسان خدا اور خلق دونوں کا مجرم ہوتا ہے دوم سوسائٹی کے قانون یعنی رسم کو خدا کے قانون یعنی مذہب سے زیادہ پابندی کی جاتی ہے ماحصل یہ کہ افلاس اور مذہب پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتے۔

اب سوال یہ تھا کہ آیا سوسائٹی کے قانون کا احترام اور تنگ دستی برابر چل سکتی ہے یا نہیں جیسا گزشتہ عمل کا تجزیہ کیا تھا ویسے موجود حالت پر یوں نظر ڈالی۔ برادری میں پردہ کی رسم عورت کو کھیت پر جانے سے روکتی ہے اس کا کہا مانے تو فاقہ موت کی دھمکی دیتا ہے مجھ غریب کو زندہ رہنا ہے تو رسم ترک کرنا ہوگی اس لئے جب تک تنگ دستی دور نہ ہو برادری کی رسم کے قانون خطرہ میں ہیں۔ میں تمام رات جاگا خودکشی اور ترک پردہ پر دل میں بحث جاری رہی جب پردہ کے ترک کرنے کا خیال آتا تو غیرت کو ٹھیس لگتی کہ دنیا کیا کہے گی مگر فاقہ کہتا کہ خوشی سے موت قبول کر۔

میں اپنے اسی پرانے مزارع کے پاس گیا اور وہی شرط پیش کی کیونکہ اسے پچھلی دفعہ خاصا فائدہ رہا تھا بڑا خوش ہوا اور اسی شرط پر آئندہ فصل کاشت کرنے کا معاہدہ ہوا۔

عورت کو اپنا عزم راسخ بتایا کہ رسمی پردہ ترک کرنا ہوگا۔ فاقہ موت بن کر گھور رہا تھا۔ اسے بھی اس کے سوا کیا چارہ تھا۔ چھ ماہ کے ادھار پر مجھے اس سے گندم بھی مل گئی اور میں کسی قدر اطمینان سے صبح کام کو گیا اول کھیت کو جھاڑیوں سے پاک کرنے لگا مگر دل دھڑکتا تھا کہ عورت کو گھر سے باہر دیکھیں گے تو لوگ انگلیاں اٹھائیں گے تنگ دستی مجبور کرتی تھی مگر دل دنیا سے اچاٹ تھا۔ بیوی ابھی گھر میں بیٹھی تھی میں کھیتوں میں عرق عرق ہو رہا تھا آہیں بھرتا تھا اور گاؤں کی طرف دیکھتا تھا۔ کہ آج کیا ہوگا کبھی لڑکے کی پیدائش کو منحوس کہتا تھا کبھی ماں باپ کی موت پر الزام دیتا تھا کبھی اپنی رسم پرستی پر لعنت بھیجتا تھا جوں جوں چاشت کا وقت قریب آ رہا تھا میری جان پر بن رہی تھی کئی دفعہ دل میں آئی کہ بے پردگی پر لعنت بھیجوں عورت کو جا کر باہر آنے سے منع کر دوں مگر تنگ دستی روکتی تھی اور میں بیٹھے کا بیٹھا رہ جاتا تھا۔

آخر دیکھا کہ بیوی خود نہیں آئی لڑکے کے سر پر روٹی دے کر بھیج دی ہے میں نے شکر کیا وقتی طور پر ٹل ہو گئی مجھے لڑکے نے بتایا کہ ماں کئی دفعہ روٹی لے کر باہر آئی۔ پھر اندر چلی گئی آخر مجھے ہی بلایا کہ چادر لے جاؤں میں نے اپنے حال پر اس کا قیاس کیا کہ اس کو یکبارگی باہر آنے میں مشکلوں کا پہاڑ عبور کرنا ہوگا جوں توں کر کے دوپہر کا وقت آیا میں نے دیکھا کہ ایک عورت چادر میں لپٹی چھوئی موئی بنی شرماتی لجاتی اکڑی چال چلی آرہی ہے چار پانچ چھوٹے لڑکے لڑکیاں حیرت سے اسے تک رہے ہیں اور تماشا سمجھ کر ساتھ ساتھ آرہے ہیں جو راہگیر دیکھتا وہ بھی چند منٹ دیکھنے کو رک جاتا میں سمجھ گیا کہ گھر والی ہے ہاتھ سے کدال رکھ دی دھڑکتے دل سے اس کو دیکھنے لگا اس کے لئے دوراہ قیامت ہو گئی اور مجھ پر بھی حشر گزرا۔ کبھی خیال آتا کہ خود اٹھوں اور ہمراہ لے آؤں کبھی وہیں چند منٹ ہی منہ میں بچوں کو کہتا لاحول بھاگو گھروں کو جاؤ۔

جب کوئی مرد کھڑا ہو کر گھورتا میری پیشانی عرق آلود ہو جاتی اور غیرت آنکھیں نکال لینے کو تقاضا کرتی غرض وہ پہنچی مصیبت کا پہاڑ پھاند کر آئی اس کا رنگ زرد جسم پسینے میں شرابور ہانپنی کانپتی بیٹھ گئی اس کے لبوں پر پپڑی جمی ہوئی تھی اس نے گھونگٹ میں سے پانی کے لئے اشارہ کیا۔ میں نے اٹھا کر دیا اب وہ ذرا ستائی اور تھوڑا گھونگٹ اونچا کر کے ادھر ادھر کھیتوں کو حیرت سے دیکھنے لگی گویا نیا جانور ابھی چڑیا خانہ میں چھوڑا گیا ہو۔

بائیکاٹ:

خیر یہ تو گھر کی کہانی تھی اب برادری کا قصہ سنئے جب لوگوں کو ترک پردہ کا پتہ چلا تو ان کی خاندانی غیرت جوش میں آئی۔ پنچایت کی مجھے بلایا گیا تو میری ذلیل حرکت پر مطعون کرنے لگے خدا کا قانون اور ملک کا قانون توڑنے پر میں نے کبھی کوئی پنچایت ہوتے نہیں دیکھی نہ انہیں بھلائی کے کام میں متحد ہوتے پایا۔ البتہ ترک رسومات پر سب اکٹھے تھے انہوں نے سو سوال کئے میں نے ایک جواب نہ دیا جواب تو کسی چارہ گر کو دیتا برادری تو رسم و رواج کی پابندی میں ظالم بے رحم کھا کر مدد تو کوئی نہیں دیتا انہیں کے رسم و رواج کا مارا میں بیچارا اس نوبت کو پہنچا تھا آخر سب نے فیصلہ کیا کہ اس کا حقہ پانی بند کر دیا جائے کوئی نہ اس سے کچھ لے نہ دے میرے پاس لینے دینے کو کیا تھا میں نے کہا یہ بھی پردہ رہا پھر کہا کمھیو ر پانی نہ لے جائے میں نے دل میں کہا یہ بھی کچھ مشکل نہیں۔ جو عورت کھیت جائے گی وہ پانی بھی لائے گی۔ تیسری بات یہ کہی کہ خاکروب بھی اس سے ترک موالات کرے۔ میں نے سوچا یہ وقت بھی پردے کے ساتھ ہے پنچائیت یہ حکم دے کر

تر بتر ہو گئی میں گھر چلا گیا۔

حقہ:

غرض میں برادری کا باغی شمار ہونے لگا اور بیوی عورتوں میں اچھوت ٹھہری اب مجھے محنتی کاشتکاروں سے مل کر زمین کی ترقی کا خیال پیدا ہوا راجپوت زمینداروں کے گاؤں سے گزر کر سکھ جاٹوں کے ایک گاؤں میں گیا راجپوتوں کے کھیتوں میں جھاڑیاں کھڑی تھیں جاٹوں کی کھیتیاں ہری بھری تھیں میں ایک بوڑھے کسان کے پاس جا بیٹھا جو خالی وقت میں مویشیوں کے رسوں کے لئے مونج بٹ رہا تھا میں نے کہا کہو چودھری کیا ہو رہا ہے۔ وہ بولا آؤ میاں صاحب مونج بٹ رہا ہوں۔ بیٹھو مگر پستول کی نالی ذرا پرے رکھنا پہلے پستول کا نام سن کر گھبرایا پھر معلوم ہوا اس سے حقہ مراد ہے جو میرے ہاتھ میں تھا میں حقہ الگ رکھ کر کھسیانہ سا ہو کر بیٹھ گیا اس نے کہا۔ میاں صاحب آپ کی زمینداریوں کو تین باتوں نے تباہ کیا ایک زمین خود کاشت نہ کرنا دوسروں سے کرانا دوسرے تنگ دست فاقہ مست اور مجبور ہو کر ایسا کرنا بھی تو خود کھیت پر جانا اور بیوی کو پردے میں بٹھانا تیسرے حقے کو کھیتوں میں بھی گڑگڑانا میں نے کہا۔ چودھری جو چیز من کو نہ بھائے وہ عیب نظر آتی ہے ورنہ حقہ تو تکان کو دور کرتا ہے آپ کی دو باتیں تو بالکل ٹھیک ہیں البتہ حقے کے معاملے میں مبالغہ ہے۔

اس نے کہا اچھا اس ساتھ کے گاؤں کو دیکھو۔ میں نے کہا ان کی کیا پوچھتے ہیں یہ راجپوت لوگ کنگال راجہ ہیں۔ ان کے سب کام دوسروں کے سپرد ہوتے ہیں آرام طلب اتنے کہ ابر کا ایک ٹکڑا دیکھ کر بارش کی امید میں کھیت سینچنا بند کر کے واپس گھر آ جاتے ہیں غریب فاقے کرتے ہیں مگر پردہ نہیں اٹھاتے اس لئے ان کی کھیتیاں خشک اور کھیت نکمے رہتے ہیں اس نے بحث کو ٹال کر میرا پتہ پوچھا ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں کاشتکاروں کے عام اصولوں کی بابت اس نے اپنے تجربے بیان کئے میں نے دل پر لکھ لئے اور چلا آیا۔

ایک روز آسمان پر ابر محیط تھے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی میں کنیا میں اس امید پر بیٹھ کر حقہ پینے لگا کہ مینہ برسے اور محنت سے جان چھوٹے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بوڑھا کسان ادھر آ رہا ہے حقہ ہٹایا اس کی آؤ بھگت کے لئے تیار ہو کر بوڑھا محبت سے پاس بٹھایا وہ حقہ کی طرف اشارہ کر کے بولا میاں صاحب! میں ہوا کے رخ بیٹھا ہوں تم بے کاروں کے کام جاری رکھو۔ میں ہنس دیا اس نے کہا میاں صاحب تم میرے پاس آئے تو مجھے مونج بٹتے پایا میں آیا تو آپ کو حقہ پیتے دیکھا۔ میں نے وقت مفید کام میں لگایا تم نے وقت اور پیسہ دھواں بنا کر اڑا دیا۔ میں نے عذر تراشا کہ میں محنت

سے ذرا تھک گیا تھا صرف دم لینے کے لئے دو کش لگا لئے ہیں۔

وہ بولا۔ کاشتکاری میں تکان اور فراغت کا کیا ذکر؟ کاشتکاری اور باغبانی وہ محنت ہے جس میں انسان تھک نہیں سکتا قدرت اپنے حسن کو کھیتوں اور باغوں میں بے نقاب کئے پھرتی ہے۔ شادمانی اور فرحت کا دریا بہتا ہے میرے بیٹے پوتوں میں جو تکان اور فراغت کا ذکر کرتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ حیلہ جوئی کرتا ہے کاشتکاری میں فراغت ممکن نہیں پھر اس نے کہا کھیت سوکھ رہے ہیں پانی نہیں دیا میں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ رحمت ہوا چاہتی ہے۔ وہ ہنسنے لگا کہ بے ہمتوں کے لئے رحمت آسمان سے نہیں برستی البتہ باہمتوں کے لئے وہ زمین سے پھوٹ نکلتی ہے۔ اگر بے ہمت کاشتکار کے لئے تھوڑا پانی برسے تو موت زیادہ برسے تو قیامت دو بوندیں پڑیں۔ تو گھر کو بھاگے کھیتیاں اجڑیں یا بچیں وہ پھر ان کی طرف منہ نہیں کرتے۔ جس کے شکاری آنکھیں آسمان کی طرف ہوں وہ ناکارہ ہے ہماری نظروں کو تو زمین پر لگے رہنا چاہیے۔ برا نہ مانو تو کہوں تم نے جو میرے سوال پر کہ کھیت کیوں نہیں سینچے آسمان کی طرف دیکھا۔ تو مجھے ایک عورت کا قصہ یاد آ گیا۔ جس نے گھٹا دیکھ کر گھڑا چھوڑ دیا تھا کہ اب مینہ برسے گا اور جل تھل ہو جائے گی ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے بادل بن برسے کھل گیا اس نے کہا لو ابر کھلا اب کھیتوں کو سینچو۔ وہ میرے منع کرنے پر میرا ہاتھ بٹانے لگا۔ وہ بوڑھا میں جوان۔ ایک گھنٹے کے بعد کچھ کسل سی معلوم ہوئی میں نے بیلوں کو روکا حقہ تازہ کیا پیا اور پھر کام کو لگ گیا ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ پھر میں بیل کو روک کر کش لگانے لگا۔

اس نے مجھے ٹوکا کہ میاں صاحب! میں نے تمہیں کہا تھا کہ حقہ پینے والا اچھا کسان نہیں ہوتا جو مزدور جوانی میں ایک گھنٹہ کام کرے آدھ گھنٹہ آرام لے اس کو پوری مزدوری کون دے زمین پر بھی پوری محنت کرو پوری مزدوری پاؤ حقہ نوش کسان اور حقہ سے مجتنب کسان کا مقابلہ کیا؟ وہ محنت میں عورت کے برابر نہیں ہوتا وہ یہ کہہ کر مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا مجھ پر اس کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔

ایک دن ہم میاں بیوی مکئی کھیت سے اٹھا کر گھر لے جا رہے تھے میں بھاری بوجھ لے جاتا۔ وہ تھوڑی مکئی اٹھاتی تھی۔ مگر مجھے چار دفعہ حقے کی خواہش ہوئی اور کام چھوڑ کر میں نے حقہ پیا۔ اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ عورت نے مجھ سے زیادہ کام کیا۔ اس دن سے میں نے حقے پر بھی لعنت بھیجی۔ اول اول تو تکلیف ہوئی مگر فصل پر معاوضہ مل گیا پہلے سے کھیت پر زیادہ محنت ہوئی۔ برداشت پہلے سے زیادہ آئی میری محنت کی شہرت ہوئی کھیتی زرا لگنے لگی اب ہمیں صرف کھیت اور کام سے واسطہ تھا اور گاؤں سے کوئی دلچسپی نہ تھی چھ ماہ کھیت میں کھڑے رہے کھیتی امید کے مطابق لہلہانے لگی

خود ہی میاں بیوی نے مل کر فصل کاٹی خدا کی مہربانی سے بھاؤ ذرا تیز تھا چھ ماہ کا خرچ رکھ کر دو سو روپے کا اناج فروخت کیا میری آنکھیں کھل گئیں بیوی مارے خوشی کے نہال ہو گئی۔

اب ہم نے اپنے بیل خریدے ساری زمین خود کاشت کی کبھی کبھی کام کی ضرورت کو دیکھ کر ایک آدھ مزدور رکھ لیتے تھے۔ یہ سو روپیہ بڑی دولت معلوم ہوئی پائی پائی پسینے کی کمائی تھی۔ کوڑی ہاتھ سے دینے کو جی نہ چاہتا تھا ضروری خرچ پر بھی پیسہ دینا شاق گزرتا تھا۔ لڑکا جوان ہوتا گیا میری ہمت اور آمدنی بڑھتی گئی۔ اب آہستہ آہستہ میں نے قرض اتارنا شروع کیا۔ جو دو برس میں کھایا تھا وہ پورے تیرہ برس میں اتار ا زمین پھر میری ہو گئی ساہوکار اصل اور سود پا کر بڑا خوش ہوا بازار میں میرا اعتبار جم گیا اب میں جتنا چاہتا قرض اٹھاتا مگر میں قرض سے اتنا گھبراتا تھا جتنا انسان موت سے پندرہ برس کے بعد سر سے بوجھ اترا تو میں نے راحت کی سانس لے کر دنیا پر نظر ڈالی گھر فقیروں کی کٹیا سے بدتر عورت کے کپڑے پھٹے لڑکے کا لباس بوسیدہ۔

میرا حال تو کچھ نہ پوچھو ابتداء کثرت کار کی وجہ سے پگڑی ہمیشہ گلے میں پڑی رہتی تھی پھر مدتوں ننگے سر رہا اب جو قرضے سے فرصت پائی کچھ تن بدن کا ہوش آیا گھر کی صفائی سوجھی ایمان اور مذہب کے متعلق غور کرنا شروع کیا جس عورت کے پانچ روپے کھا کر مکر گیا تھا اس کے پاس پہنچا اب بڑھاپے کی وجہ سے اس کی کمر دوہری ہو گئی تھی میں نے پانچ کی بجائے اسے پچاس دیئے۔ معافی مانگی اس نے دعائیں دیں میرا دل بوجھ سے ہلکا ہوا۔ اب مجھے دنیا میں انسانوں کی محنت اور آرام کا خیال آیا پہلے ایک خوشنما مکان بنوایا صحن میں مختصر سا باغیچہ لگایا بھینس رکھی دودھ کی نہریں گھر میں بہنے لگیں۔ میں دوزخ سے نکل کر بہشت میں داخل ہوا تنگ دستی کے بعد فارغ البالی نے قدم چومے اپنے حال پر دوسروں کی حالت کا قیاس ہوتا تنگ دست کو دیکھ کر دستگیری کو جی چاہتا تھا۔

غریب نوازی:

میری برادری میں ایک شخص تھا جس نے میری طرح اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی اور اب بھیک مانگنے تک نوبت آ پہنچی تھی۔ میں ایک دن چپکے سے اس کے گھر گیا۔ پورے ایک سال کا سامان خورد و نوش اس کے گھر لا ڈالا دو سو روپیہ نقد دیا کہ وہ بھی بیل خریدے اور کھیتی کرے۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں اس نے محسوس کیا کہ وہ موت اور بے عزتی کے گڑھے سے نکل آیا ہے اب ڈوب کر ابھرنے کا موقع جو پایا سب کنبے نے ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کر دیئے۔

پہلے وہ میری طرح پردے کی وجہ سے ہچکچایا۔ مگر میں نے اسے سمجھایا کہ بھائی بیوی لڑکیوں کو

پردے میں بٹھا کر قیامت تک بھیتی کچھ کھانے کو نہیں دیتی پردہ وغیرہ امیروں کے چونچلے ہیں پردہ دار عورت کے لئے گھر بیٹھے ضروریات پوری کرنے کی غرض سے کم از کم ملازم کی ضرورت ہے جس گھر میں پیٹ کی فکر ہو وہ پردے کی رسم کو کہاں تک نباہ سکتا ہے بیوی اور لڑکیاں مل کر کھیت میں کام کرنے لگیں میاں نے میری پیروی میں حقہ چھوڑا آخر اس کی بھی حالت بدل گئی۔

میرا لڑکا جوان ہوا شادی کی فکر ہوئی میں نے اسی غریب بھائی کے ہاں پیغام بھیجا انہوں نے خوشی سے قبول کیا برادری کی شمولیت کی امید نہ تھی اس لئے یہ کھٹکا ہی نہیں تھا کہ روپیہ زیادہ خرچ ہوگا بہو نے باپ کے ہاں تنگ دستی کا تلخ مزا چکھا تھا۔ اس لئے شیریں زبان اور ہوشیار تھی اب ہم چار کھانے والے تھے۔ اور ایک بھی بیٹھ کر کھانے والا نہ تھا میرے لڑکے کے ہاں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا میں نے ان کو تعلیم کا بیمہ کرا دیا اس لئے ہمیں تعلیم کے اخراجات چنداں بار معلوم نہ ہوئے میں نے برادری کے مستحق لوگوں کو صرف محنت کی شرط پر روپیہ دینا شروع کیا کئی بیکاروں کو محنت پر لگایا اور خاندان کے آدمیوں کو فاقے سے بچایا۔

"غرض میں نے اسی سال دنیا میں زندگی بسر کی دونوں لڑکیاں بی اے ہوئیں اور ڈاکٹر بنیں لڑکے نے ایم اے کیا اور پروفیسر ہوا۔ تینوں بہن بھائی میں باہم مشورہ ہوا کہ دو بڑے بہن بھائی دنیا کمائیں اور چھوٹی بہن خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہو جائے۔ کسی کو کچھ تکلیف ہوئی چھوٹی لڑکی جا حاضر ہوئی۔ دلاسا دیا علاج کیا اور دعا کی۔ اس سے خاندان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ اپنی ہمت پر مجھے فخر ضرور تھا مگر دل میں کبھی غرور پیدا نہ ہوا۔ اطمینان نے دنیا میں میرے لئے آرام کی جنت کے دروازے کھول دیے تھے میں اس جہاں میں آیا تو محنت کا اجر امید سے بڑھ کر پایا۔"

میں نے اس شخص کا یہ سب ماجرا سنا اس کی ہمت کی داد دی اور اس کی غریب نوازی کی تعریف کی اس کے محنت سے قرضہ اتارنے اور تنگ دستوں کو سہارا دینے کا مقابلہ اپنی رشوت خوری عیش پرستی انصاف فروشی سے کیا ایک بے گناہ کو پھانسی پر لٹکانے کی یاد آئی تو غم کے نشتر دل میں چبھنے سے آہ نکل جاتا کہ آہ آہ کرتا کسی طرف نکل جاؤں مگر یک بیک ہزاروں گھڑیال بجنے لگے دروازے کھل گئے کی آواز ہر طرف بلند ہوئی میں بھی اک گروہ کے ساتھ ہولیا۔

......☆☆☆......

باب سوم

دارالاصلاح

دور سے چاندی کا ایک عالیشان محرابی دروازہ دکھائی دیا جس کے سامنے کنبد سے لگے تھے اور اوپر سبز بیل بل کھا رہی تھی۔ دروازے کے اندر جہاں تک نظر نے کام کیا چاندی کی صاف کشادہ سڑکیں دکھائی دیں۔ دو رویہ درخت لگے تھے جن کے پتے نہایت سبز تھے مگر ہلکی سی آواز بھی آتی تھی تو سنہری روپہلی جھلک مارتے تھے ان درختوں تلے چار خوشرو جوان بعد تمکنت وشان نقرئی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ہم سب قریب گئے وہ استقبال کو بڑھے انہوں نے لکھنوی انداز میں جھک کر سلام کیا۔ دونوں ہاتھوں سے دروازے کا راستہ دکھایا کہ چلئے تشریف لے چلئے سب بڑھے۔ اور اندر داخل ہوئے۔ میں چلا تو روکا میں نے روکنے پر ان کو ٹوکا اوروں سے یہ حسن سلوک اور مجھ سے یہ بدسلوکی میں جھلایا لیکن انہوں نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ صاحب ہم مجبور ہیں۔ اس جگہ صرف خدا کے فرمانبردار بندوں کو اذن باریابی ہے۔ جنہوں نے مجبور اور معذور انسانوں کی خدمت کی ہو لیکن جنہیں دنیا میں امن وانصاف سے رہنا نہیں آیا۔ اور مختصر زندگی میں اپنے ہم جنسوں میں اچھا نام نہیں پایا وہ اس دروازے سے نہیں گزر سکتے اتنے میں کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا میں نے گردن پھیر کر دیکھا تو اسی زریں کمر ساتھی کو پایا جس نے مجھے بتایا کہ آپ غلط دروازے پر آگئے ہیں بائیں ہاتھ کو چلئے اعمالنامہ سامنے رکھئیے جو وقت پیش آئے اس کا حل اسی میں دیکھئے۔ مجھے اب رخصت دیجئے اور آپ جلدی کیجئے۔ میں ہراساں ہو کر بائیں جانب بھاگا۔ ادھر کئی لوگ سرافگندہ باحال پراگندہ جارہے تھے۔ ادھر کا دروازہ کوئی عالیشان نہ تھا۔ اور چمک دمک اور سج دھج نہ رکھتا تھا تاہم کشادہ اور صاف ضرور تھا۔ وہاں ایک سفید ریش سبز پوش بزرگ کھڑا ہم سب کے حال پر زار زار رو رہا تھا اور بھرائی ہوئی آواز سے کہہ رہا تھا۔ "اے لوگو! تم نے دنیا میں رہ کر اپنے آپ کو جنت میں رہنے کے قابل نہ بنایا یہاں محنت اور ہمت سے کام لو جنت میں رہنے کا ڈھنگ اور اسلوب سیکھو آخری موقعہ نہ کھونا اور دائمی عذاب میں گرفتار نہ ہونا دنیا میں لوگوں کو اذیت پہنچانے والو! ملک وملت کے لئے مصیبت بننے والو! خدا تم پر رحم کرے۔ جلد اس دروازے سے اندر داخل ہو جاؤ۔"

داخل ہوتے ہی محراب پر نگاہ پڑی اس پر یہ تحریر تھا" یہ مقام ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے اپنی ناشائستہ حرکات اور بداعمال سے دنیا کو دوزخ بنایا" یہ کتبہ نشتر کی طرح سینہ میں چھا آنکھیں شرم سے زمین میں گڑ گئیں میں سر جھکائے اندر داخل ہوا اور سب کے ساتھ آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ ایک اسٹیشن سا دکھائی دیا وہاں کچھ سفید رنگ سفید پوش آدمی منتظر کھڑے تھے ان کی پگڑیوں پر نقرئی پٹکا تھا انہوں نے نہایت رحم کی نظروں سے ہم سب کو دیکھا اور اندر داخل ہونے کے لئے کہا ہم سب پلیٹ فارم پر جا کھڑے ہوئے جہاں بھاری آہنی زنجیریں جگہ جگہ پڑی تھیں جن کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا ان میں سے ایک نے کہا کہ آپ کی پہلی منزل دس لاکھ میل ہے ابھی چلتے ہیں ذرا ٹھہریئے تاکہ جھٹکے سے تکلیف نہ ہو۔ ہم سب اسٹیشن کے صاف اور نرم فرش پر بیٹھ گئے گھنٹی بجی ان میں سے ایک نے دیوار میں ایک بٹن دبایا ایک ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا عمارت میں کچھ حرکت معلوم ہوئی ایک منٹ میں ہم نے منزل اول طے کر لی۔

صفائی سے لاپروا:

میں سمجھ گیا کہ سب بجلی کا اعجاز ہے ورنہ اور کسی شے میں یہ تیز رفتاری کہاں کہ منٹ میں لاکھوں میل طے کر جائے ان میں سے ایک سفید پوش یک بیک پکارا کہ صاحبو! تم پر خدا رحم فرمائے اپنے اپنے اعمالنامے پڑھو جن کے اعمالناموں میں "صفائی سے لاپروا" درج ہے وہ باہر نکل جائے اور غلیظ دروازے میں داخل ہو جائے غلیظ دروازے کا نام کھٹکا میں نے اعمالنامہ پر نظر ڈالی تو بالکل سادہ نظر آیا کچھ اطمینان سا ہوا کچھ لوگ یہاں اتر گئے بہت سے بیٹھے رہے۔

جتنے اترے ان میں کثرت سے ہندوستانی تھی اور ان میں بھی مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ تھیں وہ باہر چلے گئے ہم کو بھی منٹ کے لئے گرد و پیش دیکھنے کی اجازت مل گئی جانے والوں کے پانچ منٹ کے بعد ہم بھی اس اسٹیشن نما عمارت یا گاڑی سے باہر آئے تاکہ نئی دنیا اور نئے حالات کا جائزہ لیں کچھ دور جا کر اسی طرح کا ایک اور دروازہ دکھائی دیا جس کا پھاٹک کھلا تھا۔ سب "صفائی سے لاپروا" اس کے اندر داخل ہو گئے اور پھر پھاٹک بند ہو گیا۔ میں نے صرف ایک نظر اندر کا نظارہ کیا اگرچہ اس کا نام غلیظ مقام تھا مگر غلاظت کا اس میں کہیں نشان نہ تھا اندرونی حصہ ایک سبزہ زار تھا فوارے موتی نچھاور کر رہے تھے۔ ہوا عنبر بکھیرتی تھی میں حیران تھا کہ ایسا خوش مقام اور یوں بدنام ہو۔ چنانچہ میں اپنے ساتھیوں سے اظہار تعجب کئے بغیر نہ رہ سکا۔

ایک نے کہا خدا تم پر رحم کرے یہ تعجب کا مقام نہیں اس کے بیرونی حصہ پر نہ جاؤ اگر اندرونی

حصہ کو دیکھ پاؤ تو گھبرا جاؤ گے وہاں کوڑے کے انبار اور غلاظت کے ڈھیر ہیں تمہیں معلوم نہیں کہ جامہ ہستی پر جو داغ دنیا میں لگ جاتا ہے وہ اس جہان میں عمر بھر کوشش سے بھی دھویا نہیں جاتا عالم عمل میں صفائی سے لاپروا یہاں پناہ بخدا ابتدا میں دنیاوی زندگی کا پورا ثبوت دیتے ہیں یہاں معمولی آرام کا سب سامان ہے۔ اور پیٹ کا دھندا نہیں۔ تاہم جہاں خود پڑے ہیں پڑے ہیں۔ جہاں جو چیز رکھی ہے رکھی ہے ان کو درست جگہ لگانا قرینے سے سجانا گویا ان کی فطرت میں نہیں۔ درختوں کے پتے جو ہوا کے جھونکوں سے گرے وہ ہفتوں فرش پر پڑے رہے کیا مجال کہ ہاتھ ہلائیں جیب میں رومال موجود ہے لیکن ناک دامن اور قبا سے صاف کرتے ہیں تھوکنے کے لئے اگالدان موجود ہے مگر دیوار اور فرش دونوں خراب ہیں میوہ کھایا چھلکا اسی جگہ گرایا مکھیاں بھنبھناتی ہیں مگر انہیں کراہت نہیں ہوتی نہانے کے لئے غسل خانے موجود تولیہ حاضر مگر گندہ رہنے کی عادت نے ان میں ہمت نہیں چھوڑی کہ نہالیں ہر روز کپڑے بدلنے کا پورا سامان اور انتظام مہیا ہے مگر دریدہ اور بوسیدہ لباس تن پر ہے۔ چیز دستیاب نہ ہو تو مجبوری ہے مگر ہر شے کے میسر ہوتے ہوئے بھی جوئیں مارنے کو بعض گمراہ انسان فقیرانہ شان سمجھتے ہیں دنیا میں واعظ خوش بیان نے جب کبھی فردوس کے حسین نظاروں کا خوبصورت سماں باندھا حوران جنت کا زاہد فریب قصہ کہا یا نہروں کی صفائی ثمر شیریں کے جھکے ہوئے درختوں کا منظر لفظوں میں دکھایا تو یہ بھی پھڑک اٹھے کبھی خیال نہ کیا کہ اس پاک صاف دنیا میں ناپاک لوگ کیسے داخل ہوں گے اگر صفائی سے لاپروا ہاں اپنی عادتیں لے جائیں تو آج یہ بھی دوزخ کا نمونہ بن جائے۔ جہاں اب تنکا ڈھونڈے نہیں ملتا وہاں غلاظت کے ڈھیر دکھائی دیں حقے کے دھوئیں سے مکان سیاہ ہوں تھوک تھوک کر فرش کو ایک دن میں گندہ کر دیں۔

جب یہاں انسان کی وادی نہ تھی تو یہ مقام نہایت نزہت آگیں اور صحت افزا تھا۔ جب یہ مقام صفائی سے لاپروا آدمیوں کی بستی بنا تو اسے گردش تقدیر کے ہاتھوں یہ دن دیکھنے نصیب ہو گئے اور خاک اڑی۔ ان لوگوں نے آکر خوبصورتی کی افزائش کی بجائے گندی عادت کی نمائش کی۔ تھوڑے ہی برسوں میں غلاظت کے ڈھیر لگ گئے صفائی کے ماہر برسوں ان کے ساتھ سر کھپاتے ہیں تو کہیں آہستہ آہستہ انہیں صفائی کا خیال پیدا ہوتا ہے وہ بتدریج ترقی کر کے مضافات میں آتے ہیں اور اپنی محنت سے بیرونی حصص کو خوبصورت و خوش نما بناتے ہیں یہ بیرونی حصہ جو نظر افروز ہے مبتدیوں کی جائے رہائش نہیں بلکہ یہاں فارغ التحصیل لوگ رہتے ہیں۔ اب ان میں صفائی کا شعور پیدا ہو گیا ہے اور پاک صاف رہنے کی عادت فطرت ثانیہ بن گئی ہے جو بہشت کی خوبی

اور خوبصورتی کو قائم رکھنے کی کافی ضمانت ہے اگر بغیر کافی تعلیم کے ان کو اپنی پرانی عادتوں کے ساتھ ابتدا ہی میں بہشت میں چھوڑ دیا جاتا تو وہ خالق ارض و سما بہتر جانتا ہے کہ اس سنہری دنیا یعنی بہشت کا کیا حال ہوتا؟

اتنے میں گھنٹی بجی ہم سب جلد جلد اسی اسٹیشن نما گاڑی میں جا بیٹھے۔ باوجودیکہ ضرورت سے زیادہ جگہ تھی مگر تنگ دل مسافروں نے لڑنا شروع کر دیا ہاتھا پائی کی نوبت پہنچنے والی تھی کہ ایک فرشتہ پکارا۔ صاحبو! ایسی تنگ دلی اور دوسری بدعادات کا مزا چکھنے تم سب جا رہے ہو۔ خدا جانے جاتے ہی کس مصیبت میں پھنس جاؤ مگر دنیا کی عادتوں سے اس قدر مجبور کہ چند منٹ امن و امان سے نہیں بیٹھ سکے۔ اس پر اکثر شرمندہ ہوئے لیکن بعض پھر بھی ایک دوسرے کو گھورتے رہے دوسری گھنٹی بجنے والی تھی کہ شور ہوا دیکھا کہ پھر آپ میں سر پھٹول ہو رہی ہے اب فرشتے کچھ نہیں بولے بلکہ لڑنے والوں کے گلے میں بھاری زنجیریں ڈال دیں بچارے ہلنے جلنے سے معذور ہو گئے پھر بھی بندھے کتوں کی طرح لال لال آنکھیں نکال کر گھورتے اور گالیاں دیتے رہے۔

صحت سے غافل:

دوسری گھنٹی ہوئی بٹن دبایا گیا پھر کچھ جھٹکا لگا عمارت حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوئی گاڑی دوسری جگہ رکی یک بیک بلند آواز سے پکار ہوئی۔ نامہ اعمال دیکھو اگر اس پر "صحت سے غافل" کے الفاظ مرقوم ہیں تو اتر آؤ تمہاری منزل آ پہنچی کئی اشخاص ہانپتے ہانپتے اترے ان کے جانے کے پانچ منٹ بعد ہیں منٹ کی رخصت ہوئی تاکہ یہ پڑاؤ بھی دیکھیں ہم سب باہر نکلے تو بالکل اسی سج دھج کا مکان پایا دو پہلی محرابی دروازے کا اندرونی حصہ فردوس نگاہ تھا سبز درخت اور سبز گھاس لہکتی اور پھول مہکتے تھے۔ نہروں اور حوضوں میں رنگا رنگ مچھلیاں تیرتی پھرتی تھیں۔ یہاں میں نے کئی گبھرو جوان دیکھے سب کے سب سرو قد رخساران کے قندھاری سیب کے سے سرخ چہرہ آئینے کی طرح صاف اور سینے کشادہ بازو مضبوط آنکھوں میں ایک دلآویز چمک ان کی صحت مند صورتوں کو حسن مجسم پایا۔ اس مقام کے ہر خوبرو کو دیکھ کر میں حیران تھا۔

میں نے استعجاب کے ساتھ ایک اور پیکر سے پوچھا کہ یہ حسن سراپا ہیں یا صحت سے لاپرواہ بولا خدا تم پر رحم کرے یہ اصل مقام کا بیرونی حصہ ہے مرکزی بستی نو وارد اشخاص سے بسائی جاتی ہے جہاں رونے کراہنے اور زور زور سے کھانسنے کی مسلسل آوازیں آتی ہیں متوسط طبقہ اور مزدوری پیشہ افراد میں سے جن لوگوں نے صحت کو لاپروائی کی بھینٹ کیا وہ بھی اسی مقام میں محبوس ہیں۔ اور اپنی

غلطی کا خمیازہ اٹھا رہے ہیں۔ خرابی صحت سے نہ صرف دکھ درد کا دنیا میں اضافہ ہوا بلکہ سوسائٹی کی ترقی کو بھی نقصان پہنچا ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جس قدر محنت ایک انسان کے لئے ضروری ہے وہ اس سے قاصر رہتے ہیں۔ کمزور آدمی اپنی ذات کے لئے تو پورا پورا فائدہ حاصل کرتا رہتا ہے مگر سوسائٹی کو محنت کا پورا حصہ بہم نہیں پہنچاتا اس لئے نکمے امراء دوسروں کے ٹکڑوں پر بسر اوقات کرنے والے مذہبی مقتدا اور کمزور اور کاہل غرباء جنت میں جلدی راہ نہیں پاتے۔ اس جگہ کمزوروں کو قوی اور کاہلوں کو محنت کا عادی بنایا جاتا ہے۔

مرکزی حصے کی آبادی ان امراء پر مشتمل ہے جو دنیا میں باوجود فکر معاش سے آزاد ہونے کے پیٹ کے غلام رہے۔ مرغن غذائیں کھائیں شام تک بستر پر لیٹا کیے عیاشیوں میں غرق ہو کر آنکھوں میں رات کاٹی صبح ڈاکٹر کے مشورے سے مقویات طلب کیں۔ باورچی کو اور لذیذ کھانے کی فرمائش ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ صحت جیسی خداداد دولت گئی عمر کو بیکار گنوایا ان بستیوں کے ساتھ ساتھ علماء کی آبادیاں ہیں مذہب کی یبوست نے ان کے دل کی کلی کو مرجھا دیا ہے خندہ روائی ان کے نزدیک عیب ہے اور ترشروئی کا نام انہوں نے متانت رکھا ہے پر بہار گلستانوں سے گزریں تو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں بچوں کو اچھلتے کودتے دیکھ پائیں تو غصے سے گھورتے جائیں غرض خدا کی بنائی ہوئی حسین دنیا ان کے لئے زندان سے زیادہ مصیبت خیز اور وہاں کی خوشیاں ان کے لئے بے حد غم افروز ہیں جن کے دل کا کنول کبھی نہ کھلا ان کے چہرے کی رنگت کیا کھلے ہر لحن داؤدی ہر حسن یوسف ہر خلد نگاہ نظارے سے جن کا دل کڑھے یا محض لوگوں کو دکھانے کے لئے ان چیزوں کی طرف سے کان اور آنکھ بند کر لیں ان کا خون کیوں نہ سڑے چہرے پر نور برسنے کی بجائے افسردگی کیوں نہ چھائی رہے۔

جو لوگ اپنی بے احتیاطیوں غفلتوں اور غلط کاریوں سے جوانی میں بڑھاپے کو دعوت دیتے ہیں وہ جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ لوگ اپنی عادتیں لے کر بہشت میں پہنچیں تو خدا جانے کیا قیامت برپا کر دیں وہ نعمت ہائے گوناگوں جن کو تصور کی زبان نے نہیں چکھا اور تخیل کی نگاہ نے نہیں دیکھا اگر دنیا کے ان شکم پرستوں کے ہاتھ آ جائیں تو نہ معلوم کتنا کھا جائیں جنہیں دنیا میں حسن صورت اور خوبی نہ بھائی وہ اپنی حوروش بی بیوں کے پاک جمال اور جنت کے غلمان خوش آواز سے کیا حظ اٹھائیں گے؟ اس سنہری دنیا کے حسین نظارے ان لوگوں کو کیا بھائیں گے جنہیں دنیا میں فصل گل کی بہار دیکھنے کی کبھی خواہش نہ ہوئی؟ اس لئے یہاں مزاج میں اعتدال طبیعت میں مناسبت جسم میں توانائی پیدا کرنے کے قاعدے اور طریقے بتائے جاتے ہیں اور اس طرح لوگ بہشت میں

رہنے کے قابل بنائے جاتے ہیں خاکی دنیا میں انسان جو بات سال بھر میں سیکھ سکتا ہے یہاں وہی بات سمجھاتے سکھاتے صدیاں گزر جاتی ہیں تب کہیں طبیعتیں اصلاح کی طرف آتی ہیں۔

روحانی امراض کے مریض:

اتنے میں پھر گھنٹی بجی ہم اندر آ کر بیٹھ گئے گاڑی حرکت میں آئی منزل سوم میں آ کر رکے سب کے اعمالنامہ میں "روحانی امراض کے مریض" مرقوم تھا ایک آواز نے سب کو اترنے کے لئے کہا ہم حسب الحکم اتر کر باہر آئے اپنے سامنے ایک روپہلی دروازہ نمودار پایا میری وہی کیفیت تھی جو سسرال کے گھر میں داخل ہونے پر نئی نویلی دلہن کی ہوا کرتی ہے۔ یہاں کیا ہوگا کیا نہ ہوگا؟ کس کس سے پالا پڑے گا؟ لوگوں کے طور طریقے کیا ہوں گے؟ مجھ سے کیا سلوک ہوگا؟ کون ترچھی چتون سے دیکھے گا۔ کون محبت سے پاس بٹھائے گا میں اسی طرح فکر میں غلطاں و پیچان سب کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ کچھ دور گردن جھکائے چلا گیا پھر آنکھ اٹھائی تو ہر جگہ ایک جان پرور منظر دیکھا جا بجا چاندی کے خوبصورت محل اور ہر محل کا صحن رشک جناں سبز پتوں سے ڈھکے ہوئے۔ درخت پھولوں سے لدی پھندی ڈالیاں بہتے پانی میں کھیلتی مچھلیاں خوشنما روشیں ستھری سڑکیں ہر طرف موجود تھیں۔ تھوڑی دور چل کر ہم سب رکے یہ ایک کشادہ چوک تھا۔ ایک ٹرامو ے کی قسم کی گاڑی گھنٹی بجاتی آئی وہاں ٹھہر گئے کچھ سیاہ پوش نوجوان اندر سے نکلے اگر چہ وہ زریں کمر فرشتوں اور سفید پوش پیکروں کی طرح بھولے بھالے تھے مگر کلام میں درشتی اور سختی تھی۔ انہوں نے آتے ہی حاکمانہ لہجے میں سوار ہونے کو کہا ہم سب ڈرتے ڈرتے سوار ہو گئے یہ گاڑی چلی جگہ جگہ رکی کچھ کچھ سواریوں کو اترنے کے لئے کہا گیا تھوڑی دیر کے بعد مجھے اشارہ کیا میں اور دو سو مرد اور کوئی ڈیڑھ سو عورتیں یہاں اتر پڑے ہم اترے تو گاڑی چل دی وہ ہمیں ساتھ لے کر ایک چھوٹے دروازے میں داخل ہوئے اور ہم ایک بستی میں پہنچ گئے جس کے گرد فصیل کھچی ہوئی تھی راستے میں ہر طرف ایک سی سج دھج اور یکساں شان وشوکت کے محل نظر آتے تھے جگہ جگہ سیاہ پوشوں کے پہرے لگے تھے۔ وہ چہروں کو دیکھ دیکھ کر پہچانتے تھے اور روک لیتے تھے۔

میرا مسکن:

مجھے بھی تھوڑی دور چل کر روکا اور کہا کہ تمہارا مقام آ گیا ہے اعمالنامہ میں نمبر دیکھو۔ مکان کے نمبر سے ملاؤ ملتا ہے تو داخل ہو جاؤ پھر بغیر اجازت باہر نہ آؤ اعمالنامہ پر "پانچ کروڑ تین سو

ایک'' حروف میں لکھا تھا وہی نمبر ہندسوں میں محل کے دروازہ پر منقوش پایا اور داخل ہو گیا کیسی فرحت زا ہوا اور کیسا نظر افروز منظر ٹہنیاں سبز پتوں سے ہری ڈالیاں پھولوں سے بھری تھیں طیور کا شور ہر طرف سنائی دیتا تھا ایک ہرنی گھاس چک رہی تھی کئی خوبصورت رنگا رنگ کے خرگوش ادھر ادھر بھاگتے پھرتے تھے۔

وسط باغ میں چاندی کا چھوٹا سا حوض تھا جس کے صاف پانی میں سرخ سنہری مچھلیاں ادھر ادھر تیرتی پھرتی عجیب سماں باندھ رہی تھیں۔ مکان کرسی تین زینے اونچی تھی ساری عمارت چمکتی چاندی سے بنی ہوئی تھی۔ اندر قدم آدم آئینے جابجا۔ خوبصورت الماریاں چاندی کی میزیں اور چاندی کی۔ کرسیاں اپنے قامت کے مطابق نئے سلے ہوئے لباس اور آرائش و آسائش کے جملہ سامان پہلے سے تیار پاکر میں نے سوال کیا کہ آیا یہ مقام بہشت کا ٹکڑا ہے اعمالنامہ میں لکھا پایا کہ بہشت کے قدموں کی خاک بھی نہیں میں نے کہا اگر یہ خاک ہے تو وہ عالم پاک کیا چیز ہوگا؟ اس خیال سے دل کو صدمہ ہوا۔ آہ! اے میری گنہگار روح! دنیا کی تیری چندروزہ عیاشیاں اور ناانصافیاں یہ رنگ لائیں کہ اتنی مدت کے لئے اس خوبصورت عالم سے محروم ہو گیا۔ میں اسی فکر میں برآمدے کی آرام چوکی پر آ کر بیٹھ گیا۔

شام ہوئی شفق پھولی۔ سورج نے روشن چہرہ شب کے تاریک نقاب میں چھپانا شروع کر دیا چڑیوں نے خدا کی تقدیس کے گیت ختم کئے۔ ہرنی نے اپنی محبت بار آنکھوں سے مجھ کو دیکھا۔ میں نے پیار سے ہاتھ پھیرا اتنے میں وہ سیاہ پوش دربان داخل ہوا مجھے اندر جانے کو کہا میں اندر چلا گیا کہا کہ خدا تم پر رحم کرے اپنے اعمالنامے کو پڑھو اور اس کے مطابق عمل کرو وہ باہر چلا گیا دروازہ آہستہ آہستہ خود بخود بند ہو گیا اندر تاریکی بڑھ رہی تھی اور میں گھبرا رہا تھا کہ یک بیک کمرہ بقعہ نور بن گیا۔ باوجودیکہ بظاہر کوئی لیمپ نہ نظر آتا تھا تاہم دیواروں سے روشنی کی شعاعیں نکلتی تھیں میں نے اعمالنامے کو پڑھا اور یہ مرقوم پایا۔

'' ابتدائی رات میں سوجاؤ۔ آدھی رات کو اٹھو نہاؤ دھوؤ پل بھر خدا کی یاد کرو نور کے تڑکے تک بندگان خدا کی سلامتی کی دعا مانگو اور بنی نوع انسان کی خدمت میں مصروف رہنے کے عمدہ عمدہ تصورات دل میں قائم کرو تا کہ نیکی کا خیال تمہارے دل میں کالنقش فی الحجر ہو جائے ورزش کرو آنگن کی صفائی میں مدد دو کھاؤ پیو اور باغ میں کام کرو ظہر کا وقت آئے تو سجدے میں گر کر اہل دنیا کے لئے عمل کے میزان کا خیال کر کے بایں الفاظ التجائیں کرو کہ الٰہی! اگر پھر دنیا میں جانے پاؤں تو تیری

مخلوق کو کبھی نہ ستاؤں اپنی اغراض کے لئے دوسروں کا نقصان نہ کروں اہل وعیال کی پرورش کے بعد جو فرصت پاؤں وہ خدمت خلق میں لگاؤں شام کو سیر تفریح کرو مغرب کی نماز کی نیت باندھو جب رکوع سجود پر مخلوق کے لئے خدا کے رحم کی دعائیں مانگو۔ پھر کچھ کھاؤ پیو اور نماز عشاء میں مصروف ہو جاؤ مخلوق کا واسطہ دے کر خالق کو یقین دلاؤ کہ اگر انسانوں کے درمیان رہنے کا موقع پاؤں تو کسی سے ترش روئی سے پیش نہ آؤں۔ یاد رکھو! خالق کو مخلوق بے حد پیاری ہے۔ جو اس کی پیاری مخلوق کو پیار کرے گا وہی خدا کا محبوب ہوگا۔"

میں نے اس آسان پروگرام کو دیکھ کر شکر کیا مگر اوقات کی پابندی دشوار نظر آئی۔ پھر بھی ہمت باندھی کہ بات کیا ہے۔ ایسی فضا اور عمدہ ہوا نہ پیٹ کی فکر نہ روزی کا دھندا۔ اگر مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ طبیعت نے کچھ اطمینان سا پایا۔ کچھ بھوک سی محسوس ہوئی ایک کمرے میں اکل وشرب کا سامان چنا تھا خوب پیٹ بھر کر کھایا اور پلنگ پر آ لیٹا دل میں سوچا کہ عجب حال ہے کہ دنیا میں علمائے دین خدا کی عبادت پر زور دیتے تھے اور اسی کو سرمایہ فلاح بتاتے تھے یہاں پہنچ تو معلوم ہوا کہ مخلوق خدا کی محبت ذریعہ نجات ہے کاش دنیا میں پہنچنا نصیب ہو تو سب کو سمجھاؤں کہ حقوق اللہ پر حقوق العباد کو مقدم جانو۔ ہمسائے کا حق پہچانو بوڑھوں اور کمزوروں سے نیک سلوک اور بچوں سے پیار کرو صحت اور صفائی پر زور دو کہ بہشت میں داخلے کے لئے یہی دو ابتدائی ضرورتیں ہیں زنہار ان کو نظر انداز نہ کرو۔

☆☆☆

عالم دار الاصلاح میں ناپاک روحوں کی افسوسناک سرگزشت صفائی سے بے پرواعورت کی کہانی

غرض اسی سوچ بچار میں نیند آ گئی۔ صبح اٹھا پروگرام کے مطابق عمل کرنا شروع کیا۔ دن چڑھا تو دروازہ کھلا ایک سفید پوش بوڑھی عورت ہاتھ میں جھاڑو لے کر آئی مجھے سلام کیا میں نے جواب دیا تو بولی بھائی! تمہارے خاکی دنیا سے یہاں آنے کی خبر پا کر میں مکان سجا گئی تھی ہر چیز قرینے سے لگا گئی تھی اہل دنیا کی سلامتی کی دعا مانگو مجھے بتاؤ کہ ان کا کیا حال ہے تمہارے گاؤں میں اب تو

عورتیں گھروں کی صفائی سے غافل نہیں بدن کے لباس کو تو پاکیزہ رکھتی ہیں؟ میری طرح گھر کا کوڑا کرکٹ دوسرے کے دروازے یا گلی کوچہ میں تو نہیں پھینک جاتیں؟ آ وا میری جان اگر میں نے تھوڑی احتیاط برتی ہوتی یا کسی نے بتایا ہوتا تو یہ نوبت نہ پہنچتی گھر گھر تنکے چننا اب میری مقررہ عبادت ہے میں تقریر سے جان تو گیا کہ بی بی خاکی دنیا میں صفائی سے لاپرواہی ہے اب نائیط مقام میں زیر عتاب ہے اس جہاں کو صاف رکھنا اس کی عبادت ہے تاہم متجسس طبیعت تفصیل کی طالب ہوئی وہ جھاڑو رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور بولی:

"بھائی میں جے پور کے ایک گاؤں کے رہنے والی ہوں دو ہزار سال کا عرصہ ہوا میں خاکی دنیا میں تھی جس نے کہا یہی کہا کہ ایشور کے گیان دھیان سے جنم دکھ سے چھوٹ جاتا ہے اور سکھ سورگ پراپت ہوتا ہے میں دل و جان سے پوجا پاٹ کرتی تھی منتیں مانا کرتی تھی اس کی گیان دھیان میں ایسی مگن رہتی تھی کہ جسم و جان کی صفائی کا خیال نہ ہوتا تھا جو میرے گھر میں آتا وہ مکان کی حالت کو دیکھ کر گھبراتا تھا نہاتی بھی تو بغیر جسم کو ملے نہا کر پہنتی بھی تو بوسیدہ اور پرانا لباس سردھوتی تو ہفتوں کے بعد ایک دفعہ جسم پر خارش سی معلوم ہوئی میں کھجلاتی رہی چھوت سے کھجلی کا مرض سارے گاؤں میں پھیل گیا۔ بچوں بوڑھوں جوانوں سب کو خارش سے سال بھر تکلیف ہوتی رہی ایک دوسرے موسم میں میرے گھر میں چوہے مرنے شروع ہوئے۔ میں نے اٹھا کر کوڑے کرکٹ کے ساتھ کوچے میں ڈالنے شروع کئے مجھے طاعون کا مرض ہوا اور تھوڑے عرصے تک بیمار رہ کر مر گئی یہ مرض بھی دور دور پھیلا مجھ پر موت کے بعد یہ وبال آیا کہ میں دو ہزار سال کے لئے سورگ سے محروم ہو گئی مجھ پر چار الزام ہیں ایک تو لباس اور جسم کو صاف نہ رکھا دوسرے گھر میلا رہا اور گلی میں کوڑا کرکٹ جمع کرتی رہی تیسرے گاؤں میں خارش کی بیماری کا باعث ہوئی چوتھے پلیگ کے چوہے گھر سے نکلے تو میں نے باہر پھینکے۔ اس طرح خود بھی مری اور دوسروں کو بھی لے مری! لیکن بھائی! اب رونے دھونے سے کیا ہو سکتا ہے رات دن غلطیوں کی اصلاح کرتی رہتی ہوں اب صفائی کی عادت پختہ ہو چلی ہے میری نجات میں ایک سو سال باقی رہ گئے ہیں۔ بہت کٹ گئی تھوڑی سی رہ گئی یہ بھی کٹ جائے گی آ ؤ بھائی مل جل کر صفائی کریں۔ کیونکہ صفائی کی عادت سورگ میں رہنے کی ابتدائی شرط ہے۔"

چنانچہ وہ جھاڑو دینے لگی تنکا تنکا چنا اگرچہ مکان پہلے سے آئینہ تھا لیکن اس باہمت عورت نے غبار تک صاف کیا۔ میں بھی اسے مدد دیتا رہا وہ چلی گئی میں نے نہا دھو کر اجلا لباس پہنا کنگھی سے بال سنوارے اور کرسی پر آ کر بیٹھ گیا سورج سونا بکھیرتا نکلا چڑیاں محبت کا پیغام پھولوں کے گوش گزار کر

کے شاخوں سے اڑ کر دانے دنکے کی تلاش میں چلی گئیں ہرنی خاموشی سے آ کر میرے پاس بیٹھ گئی تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا ایک صاف لباس بزرگ شخص تازہ دودھ کا جام لے کر آیا۔ سلام مسنون کے بعد اس نے اندر جا کر اسے شیشہ کے گلاس میں ڈال دیا پھر باہر آ کر پوچھا۔ کہو خاکی دنیا کا کیا حال ہے۔ اب تو کوئی باپ بچوں کی تعلیم سے غافل نہیں؟ میں سمجھ گیا کہ حضرت دنیا میں بچوں کو جاہل رکھنے کی پاداش میں دکھ اٹھا رہے ہیں تاہم تجسس نے استفسار پر مجبور کیا میں نے تفصیل پوچھی وہ بولا:۔

☆☆☆

بچوں کی تعلیم سے غافل باپ کی کہانی

''صاحب! خدا تم پر رحم کرے۔ تین ہزار برس سے مبتلائے عذاب ہوں خاکی دنیا میں ہاتھ کشادہ اور مزاج لاپروا تھا۔ باوجود مقدرت کے بچوں کی تعلیم سے غافل رہا۔ مجھ سے دنیا میں کسی نے یہ بیان نہ کیا تھا کہ اپنے بچوں کو تعلیم دینا اور دوسروں کو اس زیور سے آراستہ کرنا نیکیوں کا سرچشمہ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ظالموں میں شمار کیا گیا الزام یہ کہ میں نہ صرف ہمسایوں کے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ نہ دے سکا بلکہ اپنے بچوں کی پرورش کے بھی ناقابل ہوا اس لئے بھینس بکری کی خدمت اور گوالے کا کام میرے سپرد ہوا۔ آہ! اگر میں ذرا توجہ اور تھوڑی کوشش سے کام لیتا تو ان مصیبتوں میں نہ پھنستا...... میرے اعمالنامے میں یہ مرقوم تھا کہ بیس برس تک بچے کی تعلیم اور صحت کے والدین ذمہ دار ہیں۔ تندرست اور تعلیم یافتہ اولاد قومی دولت میں اضافہ اور ملک پر احسان عظیم ہے ایسا عمدہ تحفہ قوم کو نذر کرنے سے میں قاصر رہا کمزور اور جاہل بچے پیدا کر کے ملک پر مصیبت کا بوجھ زیادہ کر دیا۔ صرف ایک میں ہی اس مصیبت میں مبتلا نہیں بلکہ گاؤں کا نمبردار علاقے کا ذیلدار اور بڑے بڑے چودھری بھی اس الزام میں ماخوذ ہیں کہ کیوں ان کے حلقہ اثر میں بچے جاہل رہے اس وقت تو یہ نکتے نظر انداز کئے اب اپنی غلطی کا پورا احساس ہوا اگر اب کہیں خاکی دنیا میں جانا ہو تو بچوں کی صحت اور تعلیم سے ایک لمحہ غافل نہ ہوں خیر اب بہت گزری تھوڑی رہ گئی اے صاحب! تم پر خدا کا رحم ہو مجھے اجازت دو۔'' وہ اسلام علیکم کہہ کر چلا گیا آفتاب کی آنکھ ابھی نیم باز تھی ہوا بھی قدرے خنک تھی ایک رنگین شکل اور شیریں نوا بلبل گلاب کی شاخ پر آ کر بیٹھی ڈالی اس کے بار سے کسی قدر جھکی وہ

پھول کو دیکھ کر چھپائی میں نے دل میں کہا بلبل تیرے ولولے اور ترانے خاک اور افلاک دونوں میں یکساں باقی ہیں مگر انسان اپنی خطاؤں سے لمبی سزاؤں میں پھنس گیا ہے اے کاش! ایا ہم خاک ہوتے یا تیری طرح فکر سزا سے لاپروا بلبل ہوتے۔

☆☆☆

بے کار امیر کی کہانی

ایک دفعہ پھر دروازہ کھلا ایک خوش رو نوجوان نعمتوں سے بھرا خوان لایا رحم کی دعا دے کر اندر گیا میرے کھانے کی میز پر سب چیزیں چن دیں پھر خوان لے کر باہر آیا اور بولا کہ صاحب دنیا کا حال کہو وہاں اب بھی امراء نشہ امارت سے چور ہیں اور میری طرح محنت اور مشقت سے نفور ہیں کیا اب بھی وہ اظہار امارت کے لئے خیرات دیتے ہیں گاؤں کی مختی آبادی کی تعلیم و تربیت کے خیال سے غافل رہتے ہیں؟ آہ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ دولت اور اثر کے بڑھنے کے ساتھ ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے تو جیتا مرتا اس جنجال کو قوم کے سر ڈال خود معمولی حال میں بسر اوقات کرتا۔

میں سمجھ گیا کہ دولت کی بدمستی میں بنی نوع انسان کی کماحقہ خدمت سے محروم رہا۔ خود ریشم پہنا گاؤں کے ننگوں کا خیال نہ کیا کبھی کچھ دیا تو نمود و نمائش کے لئے نہ محض امداد کی نیت سے باوجود اس صحیح قیاس کے مفصل ماجرا سننے کو جی چاہا۔ وہ پاس زمین پر ایک رومال بچھا کر بیٹھ گیا میں نے کرسی پر بیٹھنے کو کہا وہ رو دیا اور بولا:

خدا تم پر رحم کرے میں ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوا ناز کی گود میں کھیلا نعمتوں میں پرورش پائی جس کا بچپن ان جنتوں میں گزرا ہو اس کی جوانی کیا قیامت نہ ہوگی آہ میری نازک مزاجیاں ریشم پہنا پھولوں کی سیج پر سویا دشت زرمنہ لگی خلوت و جلوت میں عیش کے ہنگامے برپا ہوئے آخر بہار عیش میں جوانی روٹھ گئی بڑھاپے نے جامہ ہستی کو پرشکن کر دیا عالم پیری میں میں گرگ ظالم کی طرح پرہیز گار بنا ہاتھ میں تسبیح لی اور گوشہ تنہائی میں گزر اوقات کرنے لگا۔

ذرا سا درد سر ہوا بہت صدقہ دینے لگا بھوکوں کو کھانا کھلایا جانے لگا پھر حکم دیا کہ دس بجے سے دو بجے تک جو فقیر میرے دروازے پر آئے وہ ایک پیسہ خیرات پائے سینکڑوں انسان صبح ہی دروازے پر آ جاتے اور ایک میلہ سا لگ جاتا سب دھوپ میں بیٹھ کر جوئیں مارتے رہتے دس بجتے خیرات اور زکوۃ دی جاتی دوپہر تک یہ ہنگامہ رہتا سب کہ وہ پکار اٹھتے امیر ہو تو ایسا ہو آخر موت نے عمر کا پیمانہ

لبریز کر دیا مجھے اپنی غریب نوازی پر بڑا ناز تھا اس جہان میں آیا تو قصہ دگر گوں پایا میری داد و خواہش میری اوباشی سے زیادہ وبال جان ہوگئی میرے اعمالنامے پر فرد قرارداد جرم یہ ہے کہ دنیا کی دولت کا مالک خدا ہے مخلوق اس کا کنبہ اس لئے دولت دنیا میں برابر بٹنی چاہیے تم نے جوانی میں مے نوشی کی تمہارے نزدیک غریبوں نے خون کے گھونٹ پیئے تم نے حریر پہنا لوگ ننگے پھرے تم نے خوش ذائقہ کھانے کھائے غریبوں نے فاقے کیے اگر ایسا بھی ہوتا رہتا تو بھی خیر تھی مگر بڑھاپے میں جب تقسیم خیرات کا خیال آیا تو وہی رعونت کا انداز جاری رہا صبح سے فقیر آئے دوپہر ہوگئی آٹھ گھنٹے میں ایک پیسہ محنت کا ملا غریب خاک میں ملے تمہارا نام روشن ہوا تم لعلوں کے لعل وہ اسی طرح غریب اور کنگال تم نے ان کی حالت بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ اپنی داد و دہش سے بھکاریوں اور ناداروں کی فوج میں اضافہ کرتے رہے۔ ان کو محنت کے گر نہ سکھائے ان کے بچوں کو تعلیم نہ دی بلکہ امیری اور غریبی میں مستقل امتیاز رکھنے کی کوشش کی۔ تمہاری اور تمہارے جیسے لاکھوں امیروں کی خیرات ورکوۃ پر خدا اور اس کے فرشتوں نے لعنت بھیجی ہے۔ کیونکہ غریبوں کو تنگ دستی کی مصیبت سے نکالنے کی بجائے تم نے ان کو اس گڑھے میں ڈالے رکھا اس لئے اب اپنے کیے کی بوجوہ ذیل سزا بھگتو:۔

چونکہ دنیا میں تن آسان رہے اور محنت کر کے دنیا ملک اور قوم کی دولت میں اضافہ نہیں کیا اس لئے آٹھ گھنٹے روزانہ کام کرو تا کہ محنت کی عادت ہو جائے۔

چونکہ تمہارا روپیہ غریبوں کو قعر مذلت سے اٹھانے کی بجائے۔ غریبی اور امیری کے امتیاز کو قائم رکھنے کا باعث ہوا اس لئے تم دوسروں کی چاکری کرو تا کہ طبیعت سے امارت کی بو جاتی رہے۔

چونکہ تم نے دنیا میں خوب پیٹ پوجا کی اس لئے اب ہر دوسرے دن روزہ رکھو۔ دوسروں کو عمدہ کھانے کھلاؤ خود نان خشک کھاؤ۔

چونکہ تم تعلیم کی روشنی پھیلانے کا باعث نہیں ہوئے اس لئے تم اس دنیا میں کوتاہ بیں رہو گے ۔ دور بینی سے محرومی کا مزہ چکھو گے۔

چونکہ تم نے غریبوں کو اپنے برابر کا نہ سمجھا اس لئے ہمیشہ دوسروں کے مقابلے میں فرش پر بیٹھو تا کہ تمہیں ذلت کا احساس ہو اور طبیعت سے رعونت جاتی رہے۔

اگرچہ میں ابتدا میں اس کو ناانصافی سمجھتا تھا مگر اب پانچ ہزار برس گزر جانے کے بعد میں نے محسوس کر لیا ہے کہ میں اسی سزا کا مستحق ہوں اب بھی کبھی وہی رعونت عود کر آتی ہے میں لوگوں کو

حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہوں۔ پھر خود اپنی موجودہ حالت کا خیال کر کے شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ بہشت میں سب کا درجہ برابر ہوگا۔ ہر ایک رحیم حلیم اور منکسر المزاج ہوگا اگر میں اپنی دنیوی عادات کے ساتھ بہشت میں چلا جاتا تو ان غریبوں کے لئے جنہوں نے ہاتھ سے زکوۃ و خیرات دی جنت کو دوزخ بنا دیتا خدا جانے کس کس کو ڈانٹتا کس کس کو دیکھ کر سلام کا متوقع ہوتا خدا کا شکر ہے کہ میری بدعادات دور ہو رہی ہیں اور میری آنکھیں کھلتی جاتی ہیں۔

اب میں آٹھ گھنٹے روزانہ مارا مارا پھرتا ہوں دوسروں کے لئے نعمت خانے سے سب چیزیں لاتا ہوں مگر خود ایک دن خشک روٹی کھاتا ہوں دوسرے دن فاقہ کرتا ہوں خیر صاحب بہت کٹ گئی تھوڑی باقی ہے اب شکوہ و شکایت سے کیا سود اس نے اپنا ماجرا ختم کیا اور اٹھ کر چل دیا میں خیالات میں غرق وہیں بیٹھا رہا ہوا کے ایک ہلکے سے جھونکے نے پتوں میں کچھ سرسراہٹ پیدا کی شاخیں جھومیں حوض کے صاف پانی میں دھیرے دھیرے دلفریب موجیں اٹھیں طبیعت میں ایک سرور سا پیدا ہوا۔ میں نے انگڑائی سی لی پھولوں کے زیور سے آراستہ شاخوں کو دیکھنے لگا لطافت فضا کی داد دی کچھ بھوک محسوس ہوئی کھانا کھایا پھر باہر آ بیٹھا ہرنی سائے میں گھاس چگ رہی تھی۔ خرگوش ادھر ادھر کھیل رہے تھے۔ چڑیاں درختوں کے پتوں میں چہچہا رہی تھیں میں نے دل میں کہا "اے دنیا کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے والے جاندارو! تمہاری آزادیاں باعث صدرشک ہیں آہ اس بدقسمت انسان کی اس جہان میں پابندیاں رونے کے لائق ہیں۔ جس نے دنیا کی دلفریبی میں اضافہ کرنے کی بجائے اپنے ضرررساں عمل سے دنیا کو دوزخ بنا دیا۔ ہر چند یہ مکان آسائش کا سامان ہے مگر دروازہ کھول کر باہر جھانکنے کی اجازت نہیں یہ تنہائیاں مجھے مار ڈالیں گی۔"

میں اٹھا دروازے کی طرف بڑھا بند پا کر کھٹکھٹایا۔ سیاہ پوش پہرہ دار معاً اندر آیا میں نے پوچھا تم پر سلامتی ہو میں کب تک پابند اور دربند رکھا جاؤں گا؟ اس نے کہا "اعمالنامہ پڑھو" اتنا کہا اور چلا گیا۔ دروازہ بند کر کے میں آرام چوکی پر آ بیٹھا۔ ایک لمحہ کے بعد اعمالنامہ اٹھایا اور یہ جواب مرقوم پایا:

"باہر جانا دوسروں سے ملنا تمہاری طبیعت کی اصلاح پر موقوف ہے جو لوگ دنیا میں جانستانی کا باعث ہوئے اور انسان کی جان کی قدر و قیمت کو نہ سمجھے اب انہیں اصلاح اخلاق کے بغیر دوسروں کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع نہیں دیا جا سکتا۔ مبادا بے رحمی کی عادت عود کر آئے جس سے نقصان کا اندیشہ ہو یہاں کوئی کام شک و شبہ میں نہیں کیا جا سکتا جب تک طبیعت کی اصلاح کا پورا ثبوت نہ مل

جائے۔ تب تک پابندی اور نظر بندی برابر جاری رہے گی۔'' میں اسے پڑھ کر مایوسی کے سمندر میں غرق ہو گیا اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔

☆☆☆

غریبوں کو ستانے والے شخص کی کہانی

اتنے میں دروازہ کھلا۔ ایک خوش پوش مالی ہاتھ میں درانتی لے آیا مجھے مخاطب کر کے بولا خدا تم پر رحم کرے کیا اب تو کوئی دنیا میں میری طرح کاہل اور سست نہیں جو دوسروں کا مال کھاتا ہو اور خود کچھ نہ کماتا ہو۔ میں بولا ''بہت'' اس نے کہا۔ ''آہ! میری جان! اگر میرا حال وہ سن پائیں تو محنت کر کے کھائیں۔'' میں نے کہا۔ ''برادر اتم پر خدا کا رحم ہو سارا ماجرا مفصل کہو۔'' وہ بولا ''بھائی! داستان غم تفصیل کی متحمل نہیں ہوتی کوئی خوشی کا قصہ ہو تو کہانی طولانی کر کے دل بہلا لیا جائے ماجرائے غم ہمیشہ مختصر ہی اچھا ہے۔''

میرا قصہ یہ ہے کہ پچ سو برس ہوئے میں اور میرا بھائی خاکی دنیا میں پیدا ہوئے۔ باپ بچپن میں مر گیا ماں کی عمر نے بھی زیادہ وفا نہ کی محلے میں یوں تو کسی کو مجھ پر رحم نہ آتا البتہ جب کسی کا بچہ بیمار ہو جاتا تو بچے کی بلا ٹالنے کے لئے ہماری تلاش ہوتی صدقے اور خیرات کے نام پر کچھ مل جاتا اس طرح کے ٹکڑے کھا کر ہم پلے اور جوان ہوئے میری طبیعت میں اہل دنیا سے نفرت پیدا ہو گئی۔ میں نے اور میرے بھائی نے اپنی طرح کی خانہ برباد یتیم لڑکیوں سے شادی کی۔ میرا بھائی متاہل زندگی کے باوجود گوشہ نشین ہو گیا اور رات دن یاد الٰہی میں مشغول رہنے لگا بیوی بچے بھوکے مرتے تھے مگر یہ مرد خدار کوع وسجود میں رہتا میں چوری اور عیاری سے روپیہ لاتا۔ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ابتدا میں مجھے اپنے ٹکڑوں کے پروردہ سمجھ کر اہل محلہ بات بات پر گالی گلوچ اور مار پیٹ کرتے تھے۔ میں ساری تکلیفیں اٹھاتا تھا لیکن زبان سے کچھ نہ کہتا تھا۔ جب کوئی محلے کا صاحب ثروت شخص پاس سے گزرتا تو وہ ضرور مجھ سے آداب بجالانے کی امید رکھتا اور مجھے گھورتا۔ میں نہایت عاجزی سے دانت نکال کر سلام کرتا۔ وہ خوش ہو کر گزر جاتا اور اس شان سے چھڑی اٹھا کر جواب دیتا کہ میرے سینے پر سانپ لوٹ جاتا کبھی دل میں خیال آتا کہ الٰہی کیا غریب لوگ امیروں کو سلام کرنے کے لئے بنے ہیں؟ کبھی اپنی غریبی پر اپنے آپ کو ملامت کرتا کبھی ان کی ثروت

پر لعنت بھیجتا آہستہ آہستہ مجھے خدا کے انصاف پر بھی شبہ ہونے لگا۔

جب میرا بھائی مجھے نماز کے لئے کہتا تو مجھے تیر سا لگتا۔ بے انصاف خدا سے مجھے کوئی محبت نہ رہی تھی اور نہ اس کی بنائی ہوئی دنیا سے کوئی دلچسپی تھی صاحب انتک دقی دنیا میں بدترین لعنت ہے۔ میں دنیا سے بالکل مایوس ہو گیا مایوسی نے نفرت کو بھڑکایا۔ نفرت نے مشتعل کر دیا میرے دل میں خیال گزرا کہ میں بھی برابر کا انسان ہوں میں ہی کیوں جھک جھک کے کورنش بجالاتا ہوں؟ میں رفتہ رفتہ بے باک ہونے لگا۔ اب کوئی دولت مند پاس سے گزرتا تو میں آنکھ نہ ملاتا دونوں گھورتا چلا جاتا۔ ایک دن میں گھر کے دروازے پر پھٹے پرانے کپڑے پہنے پیٹ سے بھوکا بیٹھا ہوا تھا میر محلہ صاحب زادہ لباس فاخرہ پہنے اٹھلاتا اور چھڑی گھماتا ہوا آیا۔ اس نے مجھے خواہش سلام میں گھورا اور میں نے بھی گدائے متکبر کی طرح آنکھیں دکھائیں۔ غریب تو صورت ہی سے رمضانی مار کھانے کی نشانی ہوتا ہے اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بید برسانے شروع کر دیئے اور کہا کم بخت بیٹھا شریفوں کی بہو بیٹیوں کو گھورتا ہے۔

صاحب! غریب بڑا بزدل ہوتا ہے جوں جوں جوتے کھاتا ہے زیادہ عاجز ہوجاتا ہے میں مار پیٹ کی اصل وجہ جانتا تھا۔ اب ہمسری کے نشے ہرن ہو گئے میں نے جھٹ جھک کر سلام کیا وہ فتح کے فخر سے ایڑی اٹھا کر بولا کہ آ گیا ہوش! میں بے بسی سے آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور چپکا ہو رہا جب وہ چلا گیا تو میرے دل سے رعب دور ہوا اپنی بزدلی پر نادم ہوا۔ جوتے بھی کھائے اور سلام بھی کرتے بنی میں نے کہا اس زندگی سے موت بہتر ہے جو ہو سو ہو مار کھا کھا کر مروں گا مگر اس رعب میں آ کر سلام نہ کروں گا۔

چنانچہ میں میر محلہ کے صاحب زادہ کے انتظار میں دیر تک بیٹھا رہا وہ واپس آیا مجھے دیکھ کر مونچھوں کو تاؤ دیا میں نے بھی آستینیں چڑھائیں غریب کا امیر کے مزاج کے خلاف کوئی حرکت کرنا بارود کو آگ دکھانا ہے۔ وہ میری گستاخی کی تاب نہ لا سکا آگ بگولہ ہو گیا مجھ پر چھڑیاں برسائیں میں نے بھی پٹے کا ہاتھ دکھایا وہ معشوق اندام زمین پر گر گیا غریب طبقہ دل میں خوش ہوا اور گھر میں بیٹھ کر میری ہمت کی داد دی مگر صاحب ثروت طبقے میں ہیجان پیدا ہو گیا فیصلہ ہوا کہ اس فتنے کو یہیں دبا دو ورنہ حوصلہ زیادہ بڑھا تو قیامتیں برپا کرے گا غریب لوگ ہمیشہ امراء کا آلہ رہتے رہے ہیں۔ ایک غریب کو کچھ دے دلا کر چوری کی تہمت لگانے پر آمادہ کیا اور کچھ تنگ دستوں نے لے دے کر جھوٹی گواہی دی غریب غریب یا امیر امیر کے درمیان جھگڑا ہو تو انصاف ممکن ہے امیر اور

غریب کے درمیان تنازعہ ہو تو انصاف نہیں ہو سکتا۔ قانون غریب کو پیتا ہے دولت مند قانون پر حکومت کرتا ہے میں چونکارہ گیا کسی نے ایک نئی کوتوال نے پکڑا قاضی نے قید کر دیا جو لوگ میر محلہ کا مقابلہ کرنے پر خوش تھے خوشامدانہ امراء کے پاس میری برائیاں کرنے لگے۔

جیل کی مصیبت اور بدمعاشوں کی صحبت نے مل ملا کر اس نتیجے پر پہنچایا کہ غریب امیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے پہلے بیوقوفوں کو لوٹ کر اور غریبوں کا خون چوس کر امیر بننا چاہیے۔ پھر غریب کے ذریعے سے میر محلہ سے انتقام لینا چاہیے۔ چنانچہ رہا ہو کر میں نے کئی سادہ مزاج عورتوں کا مال مارا۔ کچھ روپیہ سود پر لگایا باقی کی زمین خریدی۔ روپے کا کاروبار جلدی ہونے لگا۔ اب سادہ لوح غرض مند بیش از بیش پھنسنے لگے تھوڑے ہی عرصے میں نہ صرف فکر معاش سے آزاد ہو گیا بلکہ انتقام لینے کے اہل بھی ہو گیا غریب اور غرض مند ہر وقت میرے پاس رہتے میر محلہ میرے مقابلے میں بے وقعت ہو گیا۔ اب میں نے غریبوں کو لالچ دے کر میر محلہ کے جوتے لگوائے پھر جھوٹا استغاثہ کروایا۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ اس نے بھی بڑے گھر کی سیر کی اب میرے دل کی آرزو پوری ہوئی روپے کی ہیرا پھیری کے باعث مجھ پر متعدد مقدمے چلے زر کے زور سے قانون کی زد سے محفوظ رہا ایک دفعہ جعلسازی کا الزام لگا الزام درست تھا راشی قاضی بدل چکا تھا نیا قاضی امین و متدین تھا کوتوال نے ڈر کے مارے مجھ سے کچھ نہ لیا اور چالان کر دیا۔

قاضی کی نیک سیرتی کی شہرت سن کر مجھے رشوت دینے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اب مجھے جیل کے نقشے خواب میں ڈرانے لگے میں متوحش ہوا میرا بھائی میرے پاس آیا۔ خدا کے خوف سے ڈرایا۔ نماز اور خیرات کی تلقین کی۔ نماز شروع ہوئی۔ خیرات بھی بٹی گواہوں کو بھی راضی کیا اس طرح سچ کو جھوٹ کر دیا قاضی برات پر مجبور ہوا میرا بھائی میرے پاس بھاگا آیا کہ دیکھا خدا کا کیسے فضل ہوا یہ سب نماز اور خیرات کی برکت ہے اب بری کمائی سے توبہ کرو اور کان پکڑو میں نے کہا اگر روپے میں اضافہ نہ کروں گا۔ خیرات کہاں سے دوں گا وہ چپ ہو گیا میں نے اپنا پیشہ زیادہ حوصلے سے جاری رکھا۔ نماز اور خیرات کی طرف زیادہ توجہ کر کے پورے طور پر مطمئن ہو گیا۔ کہ اب قاضی اور کوتوال کی کیا۔ فکر جب سب حاکموں کا حاکم خوش ہے تو پھر کس کا ڈر۔ سچی بات تو یہ ہے کہ نماز اور خیرات نے بڑا کام کیا قاضی اور کوتوال دونوں کو بھی ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر ایک مظلوم نے میرے خلاف آواز بلند کی تو ہزاروں زبانوں نے تردید کی اس طرح مظلوم کی فریاد نقار خانے میں طوطی کی صدا بن کی رہ گئی میں نے بے غل و غش بیوقوفوں کو لوٹا اور غریبوں کا خون چوسا غرض تھوڑے دنوں میں

میری نیکی اور پرہیز گاری کی دھاک بیٹھ گئی۔

اب محلے کے ایک ایک سرکردہ شخص کو گھورتا تھا۔ وہ گزگڑا کر مجھ سے کلام کرتے تو میں سیدھے منہ بات نہ کرتا ایک دن میرے اسی بھائی نے مجھے کہا کہ دیکھو انہیں لوگوں کے جھوٹے ٹکڑوں پر پرورش پائی انہیں سے یہ برائی میں بولا کہ یہ ٹکڑے کب محبت سے کھلاتے تھے ورنہ تمہیں معلوم ہے کہ کئی کئی دن فاقوں گزر جاتے تھے۔ اب محلے بھر کی بلائیں مجھ میں جمع ہیں۔ جب تک جیتا ہوں ان کے لئے زندہ مصیبت بنا رہوں گا۔ اگر ماں باپ کے مرنے کے بعد محبت سے پرورش کی ہوتی یا مجھ تعلیم دی ہوتی تو میں کب ان کے خلاف زبان کھولتا؟ نہیں بلکہ ان کے اور ان کی اولاد کے دکھ درد میں شریک ہوتا۔ وہ بولا کہ اچھا یہ تو ہوا بھلا بے کس لوگوں نے کیا برا کیا ہے؟

میں نے جواب دیا" بھائی یہ کیا بات فرمائی۔ بے کس طاقتوروں کی خوراک ہیں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو ڈکار جاتی ہے بے عقل لوگ دانا آدمیوں کی کھیتیاں ہیں۔"

وہ پیدا کرتے ہیں یہ کھاتے ہیں اقوام اور افراد میں یہی قانون جاری وساری ہے دنیا کا یہی انصاف ہے کہ طاقتور تو میں کمزور لوگوں کو غلام بنائیں عقلمند لوگ کم سمجھ آدمیوں کو لوٹ لوٹ کر کھائیں عدل وانصاف کا تخیل جو تمہارے ذہن میں ہے وہی اگر دنیا کا قانون ہوتا تو جہان میں کوئی امیر اور کوئی غریب نہ ہوتا کوئی حاکم نہ رہتا کوئی محکوم نہ ملتا پھر یہی دنیا بہشت ہو جاتی برعکس اس کے تم دیکھتے ہو کہ ایک کو مانگے بھیک نہیں ملتی دوسروں کو مرغن غذا کھاتے کھاتے دست لگتے ہیں ایک کے تن پر ریشم زیب دیتا ہے دوسرے کو جامہ ہستی میں رہنا مشکل ہے کوئی امیر ہے کوئی فقیر کوئی شاہ بے پروا ہے کوئی گدائے بے نوا اگر امیر و غریب شاہ و گدا سب ابن آدم ہیں تو امرا اور شاہ نے ترکہ کہاں سے پایا ظاہر ہے کہ دوسروں کا حق دبایا تم کسی عالم دین سے جا کر پوچھو تو دولت مندی کو رحمت خداوندی کہے گا فلاں شخص ورثے سے بڑا دولت مند ہے میں اپنی عقل سے بڑا دولتمند ہو گیا ہوں اس لئے مجھ پر خدا کا بڑا فضل ہے مگر بھائی تم مجھ کو مطعون کرتے ہو وہ بولا کہ ان لوگوں کے ورثے میں امارت آئی ہے میں نے جواب دیا تم ابھی خاموش رہو جب ہمارا ترکہ ہماری اولاد کو ملے گا تو میرے غضب اور غارتگری کی کہانی کوئی جاننے نہ پائے گا ہماری اولاد امیر ابن امیر کہلائے گی اور ہماری اگلی نسل صاحب توقیر ہو جائے گی کئی ملا ختم پر آئیں گے زاہد و عابد کھا کھا جائیں گے اور جان و مال کو دعا دیں گے۔

قصہ کوتاہ بھائی کی عمر سجدہ سجود میں میری زندگی غریب لوگوں کو لوٹنے کھسوٹنے میں گزری۔ آخر

کوس رحلت بجا کاروان عمر نے منزل ختم کی اور ہم اس دنیا میں آ ئے۔ مجھ پر الزام لگا کہ دنیا میں غریبوں اور سادہ لوحوں کا مال مارا اور محنت نہ کی میرے بھائی قصور وار ٹھہرے کہ وہ محض عبادت میں معروف رہا بیوی بچوں کی خبر نہ لی اور اہل عالم کی خدمت کا حق ادا نہ کیا۔ غرض لوگوں کا مال اڑانے والا اور بے محنت بیٹھ کر کھانے والا دونوں مورد عتاب ہوئے میں نے عذر کیا کہ دنیا کا آئین ہی ایسا ہے اعمال نامے میں لکھا پایا کہ باہمت لوگ آئین کو بدل دیتے ہیں آئین ہمت کر کے بدلا ہوتا امیر وغریب کو برابر کا بھائی بنا دیا ہوتا۔ اگر تم نے کم فہم لوگوں کو امراء کی طرح حرص و آز کا شکار اور غریبوں کو سرمایہ داروں کی طرح انتقام کا آلہ کار بنایا دنیا کی برائی میں اور اضافہ کیا۔

بھائی نے آہ سرد بھری کہ اطاعت و عبادت کا یہ صلہ! اس کے اعمال نامے میں مرقوم پایا:۔

''دنیا میں سب سے بڑی عبادت بچوں کی تعلیم اور پرورش کمزوروں کی مدد اور اعانت ہے۔ جس ذات پاک کو کسی امداد کی پروا نہ تھی اس کی دہلیز پر دھرنا مارے بیٹھا رہا۔ جو تیرے ہاتھ اور منہ کو تکتے تھے اور مستحق امداد تھے۔ نے آنکھ اٹھا کر ان کی طرف نہ دیکھا ہاتھ ہلا کر محنت نہ کی بھائی کے مال حرام پر ان کی پرورش ہوئی۔ تم نے اور تمہاری تعلیم کی بدولت تمہارے بھائی نے خدا کی حیثیت قاضی سے کم قرار دی۔ متدین قاضی تو رشوت و خوشامد سے کام نہیں کرتا مگر نماز کی خوشامد اور زکوۃ کی رشوت سے خدا حسب خواہش کام کر دیتا ہے؟ گویا تمہارا خدا قاضی سے بہتر نہیں قاضی تو رشوت ورعایت کے قریب نہ جائے اور تمہارا خدا نماز اور خیرات سے خوش ہو جائے غرض قرار پایا کہ انسانی سوسائٹی کے لئے ہم دونوں بھائیوں کی زندگی یکساں طور سے لعنت ثابت ہوئی۔ اس لئے اس جہان میں ہم مردود ہوئے اب صبح سے شام تک محنت کرتے ہیں تب کہیں کھانا ملتا ہے یہ کہہ کر وہ رخصت ہوا۔''

☆☆☆

پابندی

اس وقت آسمان نکھرا ہوا تھا۔ چمکتے آفتاب کی تیز کرنیں چاندی کے محل پر پڑ کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں میں پانی کے حوض کو دیکھنے لگا رنگین مچھلیاں نیلگوں پانی میں تیرتی کیا بھلی معلوم ہوتی تھیں کبھی وہ سطح آب پر آتیں اور کبھی نہر کی تہ میں بیٹھ جاتیں۔ پھر اُٹھتیں ادھر ادھر بھاگتیں حوض کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ جاتیں ان کی اس پابندی سے اپنی نظر بندی کا خیال آیا۔ آہ امیری

گنہگار جان! تو بھی اس حوض کی مچھلیوں کی طرح ماہی کم آب ہے اس چھوٹے سے حوض تک تیری گلگشت محدود ہے۔ قوموں کے لئے غلامی افراد کے لئے قید بدترین لعنتیں ہیں۔ میرا عمل بے شک دنیا میں بدترین عذاب میں سزا کے طور پر بدترین لعنت میں گرفتار ہوں میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا انصاف فروشی کی بے گناہ کی جان لی بلاشبہ میں انتہا کا خود غرض ہوں۔ میں انسانی جان کے اتلاف کا باعث ہوا لاریب مجھ بے انصاف پر اعتبار نہ کرنا عین انصاف ہے اور میں سخت ترین مصیبتوں کا مستحق ہوں مگر طبیعت نے اپنے خلاف فتویٰ قبول نہ کیا پھر خیال کیا کہ اتنی لمبی مدت پابند و نظر بند رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔ اب مجھے کافی عبرت ہو گئی ہے خدایا میری توبہ قبول کر اور پابندیوں سے آزاد کر غمگین دل کو آزاد کر سب کو مل بیٹھنے اور حق و انصاف سے رہنے کا ایک موقع دے ہم پر رحم کر عذاب نہ دے۔

اس پر دل سے آواز اٹھی دوکان دار جو کم تولتا ہے گواہ جھوٹ بولتا ہے کوتوال جو رشوت لیتا ہے قاضی جو رعایت سے فیصلہ دیتا ہے۔ خاوند جو بیوی سے برا سلوک کرتا ہے۔ باپ جو اولاد کی پرورش اور تعلیم سے غفلت برتتا ہے۔ بیٹا جو والدین کی خدمت سے گریز کرتا ہے چھوت جو چھوت سے پرہیز کرتا ہے امیر جو غریب کو ستاتا ہے۔ زور آور جو کمزور کو دباتا ہے سب ظالم اور بے انصاف ہیں جہاں ظالم اور بے انصاف انسانوں کی بستی ہے اگر سب کو ہر ایک کی خواہش کے مطابق آزاد کر دیا جائے اور عالم کا انتظام بھی ہمارے سپرد کر دیا جائے تو اس سرزمین کا کیا نقشہ ہو۔ گریہ و بکا کا شور صور اسرافیل کی صدا سے زیادہ بلند ہو۔ انسانوں کے لاشے خون میں تیرتے نظر آئیں۔ سر مغروروں کی نوک کفش سے ٹھکرائے جائیں جہاں گواہ جھوٹے کوتوال رشوت خور قاضی بے ایمان ہو وہاں پل بھر میں نظام درہم برہم ہو جاتا ہے بعض دنیاداروں کا یہ مقولہ صحیح تھا کہ نیکوں کی وجہ سے قائم ہے خاکی دنیا میں کچھ بھلے آدمی تھے کچھ برے لوگ تباہ ہوتا گیا برا بھلا انتظام قائم رہا اگر اس طبقہ ارذل کے آدمی جن کی نیک خصلتیں خوابیدہ اور شریر نفس بیدار ہیں سب کے سب یک بیک بیدار ہو جائیں اور اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق کام کرنے پائیں تو مجھے خود قدر عافیت معلوم ہو جائے۔

یہ خیالات دل میں آئے تو سجدہ میں گر گیا اور عجز و الحاح سے کہا۔ "یا خدا ہم پر رحم فرما ہم گنہگاروں کو اصلاح کے راستے پر لگا۔ دنیا کے لوگوں کو انصاف سے رہنے کی توفیق دے تاکہ وہ بہشت میں جائیں اور اس سنہری دنیا کے خوبصورت مناظر کا لطف اٹھائیں۔ عمدہ ترین کھانوں اور

بہترین نعمتوں کا مزہ چکھیں شیریں پھل کھائیں اور ٹھنڈا پانی پئیں بہتی ندیوں کے کنارے گھنے سائے میں بیٹھ کر حور وش بیوی اور غلمان رو بچوں کی رفاقت سے لطف اندوز ہوں آمین۔" اس دعا کے بعد میری طبیعت سے خوشی اور غمی کی کیفیتیں آہستہ آہستہ محو ہونے لگیں۔

رات تک پروگرام پورا کر کے لیٹ گیا قید تنہائی کیسی صبر آزما اور روح فرسا ہوتی ہے۔ دماغ پر بوجھ سا معلوم ہوتا تھا اور خیالات پریشان تھے۔ دنیا کے نظارے اس جہان کی عقوبت اور قید کی مدت میں مدھم فلم کی طرح فکر کے پردوں پر دھندلی سی صورت دکھا جاتے تھے۔ میں سونے کی ہزار کوشش کرتا تھا مگر ناکام رہتا تھا۔ سینکڑوں کروٹیں بدلیں آنکھیں بند کیں اور تنگ آ کر کھول دیں لیٹا لیٹا اٹھا اٹھ اٹھ کر لیٹا اسی طرح لیٹتے بیٹھتے رات کٹی۔

صبح کا پروگرام شروع ہوا جوں جوں دن چڑھا میں خوش ہوتا گیا وہ بی بی صفائی کے لئے آئی انسان کا منہ دیکھ کر شکر کیا صبح گزری دوپہر آئی دن ڈھلا میں فکر میں غرق ہوا سورج ڈوبا میرا رنگ فق ہوا تنہائی کی رات آئی ہر گھڑی پھر پہاڑ بن کر سر پر کھڑی تھی بھوک کم ہو گئی پریشانی زیادہ بڑھی میں بستر خواب پر لیٹ کر خیال کی دنیا میں چلا گیا الٰہی یہ تنہائیاں تو مجھے پاگل کر دیں گی میں اتنی مدت انہیں کیونکر برداشت کر سکوں گا؟ طبیعت کو ہر چند خوشی کی طرف لاتا تھا مگر دل فکر کی طرف جاتا تھا سر بے تابی سے تکیے پر مارتا تھا ٹانگوں کو سکیڑتا اور پھیلاتا تھا یہ شب کی ابتدا تھی اس کی انتہا کب ہو گی میں نے کئی دفعہ فصل گل کے شگفتہ نظارے برسات کی دلفریب بہاریں اپنے قوت خیال سے پیدا کیں مگر دل پر خزاں کی سی اداسی چھائی رہی نیند کو موت کا واسطہ دیا پر وہ نہ آئی۔

یونہی تڑپتے کلپتے صبح ہو گئی بارے طبیعت کا بوجھ ہلکا ہوا رات کی کوفت دور کرنے کے لئے میں پھولوں کی سیر میں مشغول ہو گیا خرگوشوں سے کھیلا ہرنی کے پیچھے دوڑا مچھلیوں کی تیراکی دیکھی صبح گئی دوپہر ڈھلی شام ہوئی رات کالی بلا کی طرح دکھائی دی طبیعت کی پریشانی بڑھی رات خدا خدا کر کے آنکھوں میں کاٹی صبح طباشیر اڑاتی آئی کچھ قلب کو تقویت ہوئی مدت تک یہی لیل و نہار رہے میری طبیعت بگڑی بال جلد جلد سفید ہونے لگے چہرے پر جھریاں پڑ گئیں آنکھیں اندر دھنس گئیں میں ہر روز اضطراب سے نامہ اعمال اٹھاتا تھا سیاہ پوش محافظ کو بار بار کے استفسار سے ستاتا تھا مگر نظر بندی کا عرصہ جلد پورا ہونے کا اشارہ بھی نہ پاتا تھا۔ سوچتا تھا الٰہی میرا کیا انجام ہو گا؟ یہی کیفیت رہی تو کہیں دماغ نہ چل جائے!

یاد رہے کہ حضرت آدمؑ بہشت کی خوشگوار فضاؤں میں یاس انگیز تنہائی کو برداشت نہ کر سکے تو

خالق اکبر کے حضور میں سجدہ ریز ہو کر دعا مانگی کہ کوئی ایسا مونس تنہائی ملے جو دل کی بستی کو آباد کرے اور طبیعت کو گرمائے حضور حقیقی نے آدم کا دل بہلانے کو حوا کی تصویر بنائی اس میں روح ڈالی وہ مسرت کی پتلی بن کر آدم کی آنکھوں کو بھائی دل کا ویرانہ معمور ہوا غم تنہائی دل سے دور ہوا رفیقہ حیات جب تک ساتھ رہی جنگل میں منگل رہا خلد سے گر کر وادی خاک میں آیا تو تنہا گھبرایا اس کے ہجر میں خون کے آنسو رو دیا۔

اس قید کی تنہائیاں مجھ ابن آدم پر شاق ہوئیں۔ تو دل نے چاہا کہ کوئی حوا کی بیٹی یہاں اقامت کے لئے آ جائے اور غم انگیز تنہائی اور یاس انگیز رات کی تاریکیوں کو دور کر دے۔ وہ گھر میں مسرت کی پری بن کر پھرے اور مجھ پر مسرتوں کا دروازہ کھول دے۔

جس گھر میں خوش مزاج اور پاک باز عورت ہے وہاں یاس اور غم پاس نہیں پھٹکتے۔ یا الہٰی! اگر نظر بندی مقدر ہے تو کوئی ایسی مونس غم ہی دلا دے جو قید کی کلفت کو خوشی میں بدل دے یہ دعا مانگی اعمالنامہ اٹھایا تو یہ جواب پایا "تو نے دنیا میں ایسی ہی خواہش کی تھی جو پوری ہوئی مگر تیرے جدت پسند مزاج نے عشرت جہاں کو ڈھونڈا۔ گھر چھوڑا بازار میں زندگی بسر کی۔ خدا کی حکومت میں انسان کی خواہش کے مطابق کام سرانجام نہیں پاتے۔"

غرض راتیں گھڑیاں گن گن کر اور دن جمائیاں لے لے کر کٹنے لگے۔ میں ایک سال کے اندر بوڑھا دکھائی دینے لگا۔ برس کے اندر پیٹھ کبڑی ہو گئی بمشکل لاٹھی کے سہارے نقل و حرکت کے قابل رہ گیا میں بوڑھا ہو گیا۔ میرے ساتھ میری فطرت بھی بوڑھی ہو گئی۔ میں دن بھر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا رہتا تھا دل اداس رہتا تھا۔ در و دیوار پر دل کی اداسی حسرت برسانے لگی۔ میرے اپنے قویٰ کمزور تھے درخت خزاں دیدہ نظر آتے تھے دل بڑھاپے سے افسردہ تھا۔

نونہالان چمن پژمردہ دکھائی دیتے تھے۔

تبدیلی بے کیف نظر آنے لگی تمام حسین مناظر دلچسپیوں سے خالی ہو گئے راگ میں اثر نہ رہا ساز میں سوز نہ رہا جوانی تو کھوئی تھی اس کے ساتھ حس لطیف بھی کھوئی لذت کام و زبان کھوئی شوق بے پروا کھویا غرض جوانی کیا کھوئی سب کچھ کھو دیا۔

☆☆☆

آزادی

جب زندگی کو موت سے بہتر سمجھنے لگا تو ایک دن یک بیک باہر کا دروازہ کھلا وہ سیاہ پوش فرشتہ اندر آیا اس کے چہرہ پر مسکراہٹ کے آثار کسی خوشی کا پیغام دے رہے تھے میں نے دھڑکتے دل سے مسکراہٹ کا سبب دریافت کیا تو اس نے یہ جواب دیا کہ آپ کی نظر بندی اور پابندی کی مدت تمام ہو گئی میں سن کر سجدہ شکر میں گرا مدت تک عجز سے خاک فرش پہ پیشانی رگڑی اٹھا تو دنیا کے دیکھنے کے شوق سے بغیر عمر کا لحاظ کیئے بھاگ کر باہر آنے لگا ناتوانی نے پاؤں تھامے میں لڑکھڑا کر گرا۔ چوٹ لگی سر میں چکر سا آیا آنکھوں کے سامنے کچھ اندھیرا چھا گیا آدمی خود گرے تو چوٹ کم معلوم ہوتی ہے میں ادھر ادھر دیکھ کر اٹھا کپڑے جھاڑے لکڑی ٹیکتا ہوا پھر باہر نکلا ایک عمر کے بعد جو باہر جھانکا ہر چیز نظر افروز اور روح پرور دکھائی دی عجب سیر تھی جدھر نظر اٹھتی تھی نظارہ نظر کا دامن تھامتا کہ ٹھہرو اور دیکھو بے شک یہ اشیاء پہلے کی دیکھی بھالی تھیں مگر مدت مدید تک محروم نظارہ رہنے سے ہر چیز جدید اور لذیذ معلوم ہوتی تھی لوگ اپنے پرانے کاروبار میں مصروف تھے۔ آفتاب بھی نصف النہار پر تھا۔ پہلے یہ سماں دیکھتا تھا تو قلب پر کوئی کیفیت طاری نہ ہوتی۔ اب ان معمولی چیزوں نے میرے دل پر غیر معمولی اثر کیا جو غیر معمولی چیزیں تھیں ان کے اثر کا کیا کہنا۔

تھوڑی دور تک مشکل سے گیا عمر کے بوجھ سے پہلے ہی دوہرا ہو رہا تھا مسافت کی دشواری سے دم پھولا لاچار ہو کر سایہ دیوار میں بیٹھ گیا لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے میں ان کو حسرت سے بیٹھا دیکھتا تھا چاہتا تھا کہ کوئی سہارا دے کچھ قدم اور چلوں تھوڑی دور چل کر اور لطف اندوز ہوں اسی سوچ بچار میں وقت نماز قریب آیا جوں توں کر کے گھر کی ٹھانی میں پہلے ہی ہمت سے زیادہ منزل طے کر آیا تھا۔ طاقت نے جواب دے دیا۔ زانوں پر سر رکھ کر بیکسوں کی صورت بنا کر بیٹھ گیا نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا میری بے کلی بڑھ رہی تھی کہ کہیں اوقات معینہ کے وظائف سے محروم نہ ہو جاؤں آہ! اگر ایسا ہوا تو خدا جانے کس مصیبت میں مبتلا کر دیا جاؤں مجبور ہو کر ایک جانے والے کو پکارا۔ "او میاں جانے والا! اسی سڑک پر میرا مکان ہے اپنی جوانی کے صدقے اس بوڑھے کو سہارا دے اور دعا لے۔"

☆☆☆

شرارت

وہ بھاگ کر میری طرف آیا مجھ کو خوشی سے اٹھایا اور سہارا دے کر آہستہ آہستہ لے چلا خوش نصیب ہیں وہ جو جوانی میں بوڑھوں کے کام آتے ہیں مجھے جب دنیا میں اپنے دلیرے کا خیال آیا تو سر دھنا اور پچھتایا میں دوسروں کے بڑھاپے پر ہنس کر گزر جاتا تھا۔ اب مجھ کو پیرانہ سالی نے آدبایا تو یاد آیا کہ جوانوں پر بوڑھوں کی خدمت اور اعانت فرض ہے۔ اے کاش! میں جوان ہو جاؤں تو کبھی عمر رسیدہ لوگوں کو نہ ستاؤں بلکہ ہر قسم کی خدمت بجالاؤں آہ! مگر دنیا میں کھویا ہوا موقع کب ملتا ہے جو شخص خاکی دنیا میں اہل دنیا کو ستاتا ہے اس جہان میں تلافی مافات کا کب موقع پاتا ہے میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کم بخت نوجوان مجھے دھکا دے کر رفو چکر ہو گیا میں سر راہ بیٹھا بدن کے خستہ حصوں کو سہلانے لگا اور جان کے خوف سے کسی نوجوان کو مدد کے لئے بلانے کا حوصلہ نہ رہا نماز کا وقت تنگ ہو جانے کا امکان تھا خود کھسکتا کھسکتا افتاں وخیزاں بصد دشواری و ہزار خواری مکان پر پہنچا نماز پڑھی اور شکر کیا خیال آیا کہ کیسا جہنمی نوجوان تھا کہ پہلے سہارا دیا پھر دکھا دے کر چھوڑ دیا۔ اعمالنامہ اٹھایا اس پر مرقوم پایا:

''تمہیں خاکی دنیا کا وہ واقعہ یاد ہے جب تم نے بھی ایک بوڑھے کے ساتھ ایسی حرکت کر کے اس کو اسی طرح گرایا تھا تو اس نے تمہیں جہنم کا مستحق ٹھہرایا تھا۔ مگر اطمینان رکھو یہ نوجوان جس نے آج تم سے استہزاء کیا ہے قرار واقعی سزا پائے گا اس نے دنیا میں بھی کمزوروں کو ستایا تھا اس لئے تمہاری طرح مدت مدید کے لئے پابند کر دیا گیا اس نے زاری والحاح سے دعا مانگی اور یقین دلایا کہ اب میری عادت چھوٹ گئی ہے مجھے باہر نکلنے کا موقع ملے تو کبھی پہلا سا جرم سرزد نہ ہوگا وہ تمہاری طرح لمبی نظر بندی کو مبنی برانصاف نہ سمجھتا تھا آج بطور امتحان باہر آیا تو عادت کی مجبوری سے تمہیں اٹھا کر دے پٹکا یہ واقعہ تم دونوں کے لئے درس عبرت ہے تم یہاں کے قوانین کو مبنی برانصاف سمجھنے لگو گے اگر اس عالم میں بدوں اصلاح لوگ چھوڑ دیئے جائیں تو اس دنیا کو پل بھر میں جہنم کا نمونہ بنا دیں میں پھر سجدے میں گر پڑا اور کہا اے خدا! جو تو جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا زیادہ غم اور کمال خوشی اعصاب پر یکساں اثر رکھتے ہیں میں نے رات کو سونا چاہا پابندی ہٹ جانے کی خوشی میں نیند نہ آئی کروٹیں بدلتے صبح کر دی آج علی الصبح گھر سے نکلا قدم قدم چلا جگہ جگہ رکا اٹھتا بیٹھتا دور تک گیا ہر شخص اپنے کام میں مصروف تھا عورتوں سے بھری گاڑیاں آتیں اور اسی طرح بھری ہوئی واپس جاتی

تھیں اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھا نوجوان دائیں بائیں لکڑی ہلاتا بچتا بچاتا چلا آتا ہے
چوراہے میں بجلی کا کھمبا تھا باوجود احتیاط کے اندھا اس سے ٹکرایا سر میں چوٹ لگی لاٹھی ہاتھ سے گری
دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا مجھے بڑا رحم آیا پکار کے پوچھا حافظ جی کہیں چوٹ تو نہیں آئی وہ بولا!
مرد خدا جب سے آنکھیں کھوئی ہیں چوٹیں کھانا تو رات دن قسمت میں ہو گیا ہے مگر کیا بتاؤں گھر سے
دور ہوں عبادت کے اوقات میں تاخیر ہو رہی ہے دل مسافت کی دوری سے گھبراتا ہے اگر وقت
کھو دیا تو جانے کس مصیبت میں مبتلا رہوں گا" میں وہیں سے پکارا حافظ جی کیا کروں مجبور ہوں
بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہوں نہیں تو رہنمائی کرتا وہ آواز کی سمت معلوم کر کے اٹھ کر میری طرف آیا
کبڑی کمر اور جسم پر ہاتھ پھیر کر میرے قول کی صداقت کی جانچ کر کے بولا بوڑھے میاں! ایک کرم
کرو میری کمر پر سوار ہو جاؤ اور نابینا کی بینائی بنو میں چلوں تم دیکھو راہ راست سے بھٹکوں تو بتاؤ کوئی
چیز سنگ راہ ہو تو متنبہ کرو تا کہ جلدی منزل طے کروں میں کسی قدر تامل کے بعد آخر راضی ہو گیا وہ
مجھے لے کر بھاگا میں موقع بموقع دائیں بائیں کی صدا برابر بلند کرتا رہا۔

بالآخر اس کے مکان پر پہنچے اس نے پہنچتے ہی عیسائیوں کی طرح عبادت شروع کی فارغ ہو کر
آیا تو میں نے واپسی کی خواہش کی اس نے اندھوں کی طرح آنکھیں مٹکائیں اور سر ہلایا اور
کہا "میاں کبڑے تمہاری مہربانی کا ممنون ہوں۔ اچھا خدا حافظ تم جاؤ میں بالکل تھک گیا ہوں ورنہ
میں جس طرح کمر پر لاد کر لایا تھا اسی طرح لے جاتا اور تمہارے گھر تک پہنچا آتا میں بوڑھا تھا اور وہ
جوان اس لئے اس کی خود غرضی پر حیران تھا مجھے توقع تھی کہ وہ مجھے کم از کم روشنی کے کھمبے تک پہنچا
جائے لیکن اس کم بخت نے عجب دھوکا دیا میں دل میں اس نابینا کی خود غرضی پر لعنت بھیجتا ہوا وہاں
سے چل دیا ہمت پست اور منزل دور تھی قدم قدم پر رکتا تھا دم لیتا تھا پھر چل دیتا تھا دونوں مکانوں کی
درمیانی مسافت بمشکل دو میل ہو گی مگر مجھ ضعیف کے لئے دس منزل سے کم نہ تھی۔"

ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ اس نابینا کی آواز آئی اے بڑے میاں ٹھہرنا! ارے بوڑھے بابا
خدا تم پر رحم کرے کہاں ہو آواز پہچان کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو حافظ جی لکڑی ادھر ادھر ہلاتے تیز تیز قدم
اٹھاتے چلے آتے ہیں میں رکا اور وہ پہنچا بڑی معذرت کی اور کہا کہ بابا خود غرضی کی عادات نے روح
کو بھی اندھا کر رکھا ہے دنیا میں سب سے کام لیتا تھا لیکن کسی کے کام مشکل ہی آتا تھا بد عادت
برسوں گزرنے کے باوجود باقی ہے تم چل دیئے تو خیال آیا کہ کس طرح تم نے مجھے یہاں تک پہنچایا
۔ اور میں نے کس مصیبت میں تمہیں پھنسایا اس لئے اب بھاگا چلا آیا کہ تمہیں پاؤں تو کمر پر سوار کر

کے تمہارے گھر پر پہنچا آؤں میں تھک کر چور تھا چونکہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر پہنچا تو دونوں
کرسیوں پر بیٹھ کر دم لینے لگے۔ آفتاب کی شعاعیں کچھ تیز معلوم ہوئیں ہم نے کرسیاں سائے میں کر
لیں ذرا ستا کر اس سے پوچھا "اے مہربان! تمہارا نام کیا ہے اور وطن کہاں ہے۔" وہ بولا "نام
میرا سلطان اور وطن بدخشاں ہے۔" میں نے پھر استدعا کی کہ دنیا کی کہانی اپنی زبانی پوری تفصیل
سے بیان کرو تا کہ کچھ وقت کٹے اس نے کہا برادر! اپنی بداعمالیوں کی کہانی کون بالتفصیل بیان کرتا
ہے۔ جو کہے گا مختصر کہے گا ہاں نیکیوں کی روائیداد ہوتی تو مزے لے لے کر بیان کی جاتی جان برادر!
میری مختصر داستان دنیا یہ ہے کہ:

☆☆☆

چور اور سینہ زور کی کہانی

ایک ہزار برس ہوئے میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔ قدرت نے ہاتھ پاؤں دیئے
تھے خوشگوار آب و ہوا میں پرورش پائی بڑا گراغذیل جوان نکلا مگر تربیت میں بھاری نقص رہا۔ دوسروں
کی کھڑی فصل کاٹ لایا تو ماں باپ نے نہ روکا...... سوئی رات کو لے کر جا کر دوسروں کی فصلیں
چرالاتا تو والدین حوصلہ افزائی کرتے تھے کوئی شکایت لے کر آتا تو میری حمایت کرتے تھے۔ اسی
طرح میرا حوصلہ بڑھ گیا اور چوری کا پیشہ اختیار کیا لیکن اپنے ہم حیثیت اور اعلیٰ مرتبے کے لوگوں کے
مال پر ہاتھ نہ ڈالتا تھا البتہ غریبوں کے ہاں چوری کرتا تھا دیکھ پاتا تو سینہ زوری کرتا تھا۔ اس طرح
میں علاقے میں سینہ زور چور مشہور ہوا۔ یہی نہیں بلکہ غریب اور کمزور لوگوں کو چلتے ہی کہنیاں
مارتا تھا۔ کندھوں سے دھکیلتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر دم بخود رہ جاتے تھے مثل مشہور ہے کہ زبردست
مارے اور رونے نہ دے جب کبھی کوئی میری حرکت سے نالاں ہوتا میں اس کا سر بھینچ
دیتا تھا اور کہتا کہ اب روؤ۔ بیچارے روں میں رونے کا بھی حوصلہ نہ رہتا تھا قصہ کوتاہ ایک مدت یونہی
بسر ہوئی آخر میری جوانمرگی نے لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دی اس عالم میں ایک لمبی مدت کے
لئے مجھے قید کر دیا گیا میں نے ہزار زاری کی رستگاری پائی گو ہر چیز بافراط ملتی تھی مگر پابندی نے دولت
آزادی کی قدر دل نشیں کرائی آزادی کی ہر خواہش یہ کہہ کر ٹال دی جاتی رہی کہ تمہاری رہائی غیروں
کی آزادی و امن کے لئے خطرہ ہے۔
جب میری حالت مسلسل نظر بندی سے تنگ ہوئی تو آہستہ آہستہ بینائی کم ہونے لگی ایک صبح

اٹھا تو دن رات کو برابر پایا۔ میں گھبرایا ادھر ادھر پکارا کچھ سجھائی نہ دیا سمجھ گیا کہ میں اندھا ہو۔ آسمان سے ایک ہلکی سی آواز آئی کہ حافظ جی! تمہاری دعا منظور ہوئی اور پابندی دور ہوئی دروازہ کھلا ہے جہاں جانا چاہو جاؤ خوب گھومو اور باہر کی سیر کرو۔ میں نے کہا" اے بولنے والے! اس بیکس اندھے سے یہ تمسخر ٹھیک ہے؟" آواز آئی" حافظ جی کیا دنیا میں غریب اور ناتواں پر جبر درست ہے؟" میں اضطراب کے عالم میں ادھر ادھر بھاگا دیوار سے ٹکرایا دروازے کو ٹٹولتا باہر آیا ہر طرف تاریکی تھی مشرق مغرب تاریک زمین آسمان تاریک کل کائنات نے تاریکی کا برقع اوڑھ لیا تھا گل کی دیوار کو ٹٹولا۔ اس میں سختی اور صفائی تھی مگر سنگ اسود سے زیادہ معلوم ہوئی میں نے خوشنما پھولوں پر ہاتھ پھیرا ان میں نرمی موجود تھی مگر رنگ نہ تھا میں حوض پر جا کھڑا ہوا پانی میں وہی صفائی ہوگی۔ مچھلیاں تیرتی ہوں گی۔ لیکن مجھ بدنصیب کو اس کی لطف اندوزیوں سے محروم کر دیا گیا۔

آفتاب سنہری کرنوں کا تاج پہن کر نکلتا ہوگا مگر آنکھیں اس کے نظارے سے محروم ہوگئیں خوبصورتی اور حسن کا تصور محض آواز کی بنا پر کرتا ہوں مردانہ خوبصورتی کا مظہر محض سخت اور کرخت آواز رہ گئی نسوانی حسن کا اندازہ بھی صرف باریک مترنم آواز سے کرنے لگا جھلملاتے تارے جو تاریک شب میں آسمان کی زینت ہیں میری بے بصری سے کھو گئے۔ میں آنکھیں مل مل کر دیکھتا تھا مگر کہیں سے روشنی نظر نہ آتی تھی۔ سبز پتوں سے لدے درخت اوس سے دھلے ہوئے۔ پھول فصل گل کی رنگینیاں موسم برسات کی بہاریں سب چشم بینا پر موقوف ہیں۔ جب بینائی باقی نہ رہی تو لطف زندگی جاتا رہا۔ برادر عزیز کیا بتاؤں آنکھیں کھو کر کیا حال ہوا ناتوانوں کا ناتواں کمزوروں کا کمزور ہوں ہر قدم پر خندق ہر طرف دیواروں اور رکاوٹوں کا شبہ رہتا ہے۔ ابتدا میں تو بھی کسی جگہ ٹھوکر کھائی۔ کبھی کسی جگہ گرا اب تو پھر بھی راستے کی واقفیت ہوگئی ہے۔ گرتا پڑتا باہر جاتا ہوں رکتا رکاتا واپس آجاتا ہوں اب میں طفل کم سن سے زیادہ عاجز اور پیر فرتوت سے زیادہ بے بس ہوں باوجود یکہ میں اسی طرح جوان ہوں...... قوت بینائی کی محرومی نے طاقت کے استعمال سے عاجز کر دیا ہے۔ چوری اور سینہ زوری کا چسکا اب بھی باقی ہے مگر چور کے لئے بینائی اور سینہ زور کے لئے دسترس ضروری ہے نظر کے فقدان نے سب کو میری دسترس سے باہر کر دیا ہے اور میں سب کی دسترس میں آ گیا ہوں اب مجھے پابند رکھنے کی ضرورت نہیں میری چشم بندی نے نظر بندی سے بڑھ کر مصیبت برپا کر رکھی ہے میں ویسے دنیا میں چلتا پھرتا بھی تنگ و تاریک کوٹھری ہی میں قید ہوں کیونکہ مجھے تو نزدیک و دور تاریکی ہی تاریکی دکھائی دیتی ہے۔

اے برادر! اگر دنیا میں جاؤں تو سب کو رو رو کر اپنا حال بتاؤں لوگوں کا مال چرانے اور کمزوروں کو ستانے سے منع کروں آہ! میری جان! اگر اہل دنیا میرا حال سن پائیں تو کبھی برائی کے پاس نہ جائیں اس نے اپنا قصہ ختم کیا اور اجازت چاہی مجھے بھی بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے خدا حافظ کہا اور وہ لاٹھی سے راہ ٹٹولتا ایک سمت کو چلا گیا۔

ہوا کے جھونکے تیز ہو رہے تھے شاخیں جھوم رہی تھیں ہرنی گھاس چر رہی تھیں نابینا کی لاٹھی کے کھٹکے سے اس نے چوکڑی بھری ہرنی کے دوڑنے سے خرگوش بھاگے اور بھاگ دوڑ کا ایک عجیب سماں بندھ گیا کھانے کا وقت ہوا میں اٹھ کر اندر چلا گیا۔ سیر کو جانے آنے سے مجھے بڑی فرحت ہوتی تھی میں آہستہ آہستہ محسوس کرنے لگا۔ کہ میری طاقت بحال ہو رہی ہے کیا تعجب ہے کہ باغ جوانی کی گئی ہوئی بہار پھر لوٹ آئے پیری میں پھر شباب کا لطف اٹھاؤں بڑھاپے میں جوانی کی یاد کیسی فرحت افزا چیز ہے خزاں میں موسم بہار کا تصور بندھ جاتا ہے عالم غم میں خوشی کا سماں آنکھوں کے سامنے چھا جاتا ہے۔ اے جوانی! بوڑھوں کے لئے تیرا تصور بھی اکسیر ہے جوانی کے خیال اور امید نے مجھ پر اور بھی عمدہ اثر کیا۔ پانچ سال کے اندر میری کبڑی کمر سیدھی ہو گئی اور میں نے لاٹھی ہاتھ سے رکھ دی دس برس کے اندر گیا ہوا شباب لوٹ آیا۔ جوانی کا جوبن کل کائنات پر چھا گیا اب دنیا کی ہر چیز حسین تھی۔ پھولوں کی رنگت میں شوخی طیور کے نغموں میں گرمجوشی معلوم ہوتی تھی۔ آواز اور ساز سوز پیدا کرتے تھے۔ ولولے طبیعت کو بھڑکاتے تھے۔ محبت کے چشمے دل میں پھوٹتے تھے۔

اس عرصہ میں اس نابینا کی شناسائی دوستی میں تبدیل ہو گئی خدا کی حکمت اس کی بینائی بھی بتدریج عود کر آئی اب ہم چاہتے تھے کہ تمام عمر اس جہان کے مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت میں بسر کریں مگر ہمیں اعمالناموں کی تحریر نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس میں رقم تھا کہ یہاں کے لولے لنگڑے اندھے بوڑھے دنیا کی شریر روحیں ہیں۔ ان کے حال میں مداخلت مناسب نہیں۔ دور سے دیکھو رحم کا خیال نہ کرو اور گزر جاؤ۔ جب ان کی طبیعت کی پوری اصلاح ہو جائے گی۔ تو ان کی سب تکلیفیں تمہاری طرح دور کر دی جائیں گی خدا تم سے زیادہ رحیم ہے۔ جب ان میں مخلوق پر رحم کرنے کا جذبہ پورے طور پر پیدا ہو جائے گا تو ان کا گناہ خود بخود بخش دیا جائے گا۔

شریر اپاہج

ایک دن ہم دونوں شہر کو نکلے تھوڑی دور چل کر ایک ایسا اپاہج ملا جو ٹانگوں کے بجائے بازوؤں کے سہارے چلتا تھا۔ میں نے پہچانا کہ یہ وہ ذات شریف ہیں جو ایام پیری کی پہلی سیر میں دھکا دے

کر بھاگ گئے تھے۔

اس نے بھی مجھے دیکھا اور پہچانا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور بولا کہ میاں! تم وہی ہو جس کو میں نے پہلے سہارا دیا پھر زمین پر پھینک دیا۔ آہ! جو بد عادت دنیا میں پڑ جاتی ہے وہ پوری پاداش بھگتے بغیر نہیں جاتی ناتوانوں کو خاکی دنیا میں ستا کر بھاگ جانا میری عادت میں تھا۔ اس دنیا میں میری یہ حرکت ہوئی کہ رات دن کی پابندی اور ایک مکان میں نظر بندی کا حکم ہوا۔ میں نے پابندی اور نظر بندی کے دور ہونے کی پورے اضطراب اور عاجزی سے دعا مانگی اور تجربۃً اس روز مجھے باہر آنے کا موقع ملا مگر میں نے یہ گل کھلایا کہ پہلے آپ کو فرش سے اٹھایا پھر گرایا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے قید تنہائی کی سزا پائی اور اب چلنے پھرنے کی طاقت سے محروم کر دیا گیا۔ جان برادر مجھ کو معاف کر دو اور میرے لئے رحم کی دعا مانگو۔ آپ سے کوئی بغض نہ تھا عادت ہی سے مجبور تھا آپ کو معذور دیکھ کر طبیعت کو شرارت سوجھی اور رذیلوں کی سی حرکت کر بیٹھا۔ لہٰذا آپ معاف کر دیجئے شاید اللہ مہربان ہو جائے وہ پھر رونے لگ گیا مجھ سے اس کا حال دیکھا نہ گیا رحم رحم کہتا ہوا وہاں سے چل دیا میرا ساتھی مجھ سے رخصت ہو کر گھر گیا۔

اس واقعہ کے چند دن بعد حسب دستور ہم دونوں سیر سے واپس آ رہے تھے شام کا وقت تھا شفق پھولی ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل نیلگوں سمندر میں سونے کے پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ یک بیک میرا ساتھی ایک مکان کے سامنے جا کر رکا جرأت سے اندر جھانکا کچھ دیر اندر کھڑا رہا۔ گویا کسی کو پہچانتا ہے میں نے جب نظر اٹھائی تو ایک لنگڑے کو دیکھا۔ جو وسط صحن میں ڈر ڈر کر قدم دھر رہا تھا میرے ساتھی نے نام لے کر پکارا وہ نہ بولا قریب جا کر اشارہ کیا اس نے نہ دیکھا معلوم ہوا کہ یہ شخص نہ صرف گنجا ہے بلکہ بہرا اور نابینا بھی ہے آخر میرا ساتھی پکارا آ و چلتے پھرتے پتھر! دنیا میں تیرا عمل اسی سزا کے قابل تھا میں نے پوچھا کیا کہا اس نے جواب دیا آج تو دیر ہو رہی ہے کل بتاؤں گا۔ دوسرے روز میں وظائف ضروری سے فارغ ہو کر اپنے دوست کے مکان پر پہنچا اس مصیبت زدہ بہرے نابینا کا ماجرا بیان کرنے کو کہا وہ بولا:

بیوی بچوں سے بدسلوکی کرنے والے شخص کی کہانی

یہ شخص خاکی دنیا میں میرا ہمسایہ تھا حسن کی مملکت کا بادشاہ اور دولت دنیا کا خزانہ دار تھا حسن اور

دولت دونوں دلکش چیزیں ہیں۔ جدھر نظر بھر کر دیکھتا تھا۔ لوگ جگر تھام کر رہ جاتے تھے۔ اکثر عورتوں کے خیال میں تو حسین اور دولت مند شخص عمدہ ترین خاوند ہوتا ہے والدین بھی عموماً داماد میں یہی دو چیزیں تلاش کرتے ہیں اس کی شادی متوسط گھرانے کی ایک حسین لڑکی کے ساتھ ہوئی جو علم و حلم میں یکتا تھی۔

بیاہ کی ابتدائی گرمجوشیاں تھوڑا عرصہ گزرنے پر ختم ہو گئیں اور خاوند کی محبت بیوی کی آتش عشق کے مقابلہ میں کھوٹا سونا ثابت ہوئی۔ خاوند کی الفت جوں جوں کم ہو رہی تھی عورت کی محبت ترقی کر رہی تھی جوں جوں خاوند اس سے دور بھاگتا ہے معصوم بیوی سائے کی طرح اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ یہ کھچا کھچا رہنے لگا وہ قربان ہو ہو جانے لگی اس عرصے میں دو لڑکیاں اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ باغ محبت کے ان پھولوں کو دیکھ کر بھی وہ خوش نہ ہوتا تھا اس نے دل بستگی کا سامان گھر سے باہر بنا لیا تھا۔ آوارہ مزاج مشیر اوباش مصاحب کب کسی کو گھر گھاٹ کا چھوڑتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ پری جمال بیوی گھر میں آہیں بھرنے کو رہ گئی اور یہ حضرت رذیل طبقے کے حسن کے دیوانے بنے جب کبھی گھر تشریف لاتے بچوں کو گھورتے اور بیوی کو بے وجہ مارتے وہ غریب خون کے آنسو روتی مگر زبان سے اف تک نہ کرتی بچے سہم کر کونوں میں دبک جاتے تھے۔

جب دولت اور حسن لٹ چکے تو یکا یک اس کی طبیعت نے پلٹا کھایا حسن فروشوں کے بالا خانوں سے ہٹ کر فقیروں کی دہلیز پکڑی۔ رات دن نماز اور وظیفوں میں کٹنے لگی مگر بیوی بچوں کی قسمت نہ بدلی پہلے تو کبھی کبھار گھر میں آ ہی جاتا تھا۔ اب مہینوں گزرنے لگے بچے بھوک کے مارے بلکنے لگے مگر اس کو نہ رحم آتا تھا نہ شرم وہ عفیفہ محنت مشقت کر کے بچوں کو پالتی تھی اور یہ پیر طریقت کے قدم چوم چوم کر درگاہ کے ٹکڑوں سے پیٹ بھر لیتا تھا۔

جان برادر میں اسے اسی رنگ ڈھنگ میں چھوڑ کر مرا تھا ضرور ہے کہ بیوی بچوں سے اس کا سلوک تادم زیست ایسا رہا ہوگا ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔ تم جانتے ہو یہاں تو سلوک اور معاملے کی پرسش ہوتی ہے۔ جس کا سلوک اور معاملہ بیوی بچوں سے اچھا نہ ہو اس کی نمازیں عبادتیں کس کام کی ہیں؟ بیشک یہ اندھا تھا کہ بیوی کی بدحالی اسے نظر نہ آتی تھی بہرا تھا کہ بھوکے بچوں کی فریاد نہ سنتا تھا ہاتھ ٹوٹنے کے سزاوار تھے کہ بے گناہ بال بچوں کو پیٹتا تھا بے شک دنیا میں یہ سنگ دل تھا اور یہاں بھی چلتا پھرتا پتھر بنا دیا گیا ہے۔

میں نے جب اس کا وہ حال دیکھ کر اس کی یہ روئداد سنی تو پاداش عمل سے غافل دنیا دار کی

لاپرواہی پر غم کے آنسو بہانے لگا۔ اے کاش! خاکی دنیا میں جا کر کوئی یہاں کا حال سنائے کہ دو پل کی خوشیاں جو بنی نوع انسان کو تکلیف دے کر حاصل ہوتی ہیں ان کے بدلے اس عالم میں کتنی مصیبت اٹھانی پڑتی ہے مگر آہ وہ سعی لا حاصل سے کیا فائدہ! ہزاروں پیغمبر اور لاکھوں مبلغ خاکی دنیا میں آئے اور سر پٹختے رہ گئے۔ پاداشِ عمل سے کیا کچھ نہ ڈرایا لیکن دنیا داروں نے ان کی نصیحتیں ایک کان سے سنیں دوسرے کان سے نکال دیں بہت سے پیغمبر دنیا کی اصلاح کے لئے آئے اکثر نے ان کو قبول بھی کیا لیکن انہوں نے عمل نہ کیا جنہوں نے عمل کیا انہوں نے مفہوم کو نہ سمجھا عبادت وذریعہ نجات قرار دیا اور حسن معاملت کو پس پشت ڈالا! اگر مجھے دنیا میں دوبارہ جانے کا موقع مل جائے تو اول تو میری صداقت کا یقین کون کرے گا پھر اگر یقین ہو بھی جائے تو حسن سلوک اور خوش معاملگی کی تعلیم دینے کی سعی کے کامیاب ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔

میں وہاں سے اٹھا۔ گھر آیا اور سجدے میں گر گیا اور نہایت بیقراری سے پکارا۔ اے خدا! تو اپنی مخلوق کی خود رہنمائی فرما تا کہ دنیا انسان کی حسن سعی حسن سلوک اور حسن معاملگی کی وجہ سے بہشت بن جائے سب ایک دوسرے کی بھلائی کریں اور برائی نہ سوچیں تا کہ اس جگہ کی پابندیاں نظر بندیاں المناک امراض اور پریشانیاں نہ اٹھانی پڑیں رحم! رحم! اے خدا خاکی دنیا پر رحم!

میری مسلسل عبادت نے جو مخلوق خدا کے امن کے لئے تھی آہستہ آہستہ اطمینان قلب پیدا کیا اب تو یہ عالم ہو گیا کہ علاوہ اوقات معینہ کے اٹھتے بیٹھتے بنی نوع انسان کی بھلائی کی دعا میرا وظیفہ ہو گیا ہر وقت ایک خوشگوار خیالی نقشہ پیش نظر رہنے لگا۔ کبھی میں سوچتا تھا کہ خاکی دنیا میں ہوں۔

ہمسایہ بیمار ہے اور میں تیمارداری میں مصروف ہوں کبھی بیمار کے تلوے سہلاتا ہوں۔ کبھی پاؤں دابنے میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ محلے کی ایک ضعیفہ مجھے کام کے لئے کہتی ہے تو میں بھاگ کے بازار جاتا ہوں۔ اس کے حسب خواہش سودا سلف لاتا ہوں۔ محلے میں ایک دیانتدار اور متحمل زندگی بسر کرنے والے مزدور کو دیکھتا ہوں کہ باوجود محنت کے تنگ حال ہے چپکے سے مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی غیرت امداد کی ذلت گوارا نہیں کرتی وہ انکار کر دیتا ہے میں مایوس ہو جاتا ہوں پھر میں زرِ اعانت چپکے سے مناسب وقت پر اس کی ڈیوڑھی میں رکھ جاتا ہوں تا کہ وہ اٹھائے اور اپنے کام میں لائے۔

☆☆☆

میرا تصور

غرض اسی قسم کی خیالی امداد میں مصروف رہنے سے مجھے ایک سرور سا ملتا تھا کبھی عالم خیال میں ایک غمگین شخص کو جاتے دیکھتا تھا۔ خفیہ طور پر اس کے غم کا سبب دریافت کرتا تھا اور اسے اطلاع کیے بغیر اس سبب کو دور کر دیتا تھا۔ کبھی مجھے دو میاں بیوی ملتے تھے جن میں چند غلط فہمیوں کی بناء پر ناراضی پیدا ہو گئی تھی۔ ان کی غلط فہمیوں کو اس حکمت سے دور کرتا تھا۔ کہ میری سعی نیک کا ان کو گمان بھی نہ گزرتا تھا اور وہ شیر و شکر ہو جاتے تھے۔ کبھی میں خیال کرتا تھا کہ میں متاہل زندگی بسر کر رہا ہوں۔ گاؤں میں کسی کی ناگہانی موت سے دو بچے یتیم رہ گئے ہیں اور وہ رو رہے ہیں۔ میں انہیں محبت سے اٹھا کر گھر لاتا ہوں۔ اور اپنے بچوں کی طرح پرورش میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ کبھی ایک بوڑھے لکڑ ہارے کا تصور سامنے آتا ہے کہ وہ لکڑیوں کے گٹھے کے بوجھ سے دبا جا رہا ہے میں فوراً گٹھے کو اپنے سر پر اٹھا لیتا ہوں اور اس کے گھر پہنچا آتا ہوں۔ کبھی ایک بستی بساتا ہوں جس میں سب کی املاک اور حقوق برابر ہیں۔ جہاں امیر و غریب کا امتیاز کوئی نہیں۔ ہر شخص چھ گھنٹے محنت کر کے مشترکہ سرمائے میں اضافہ کرتا ہے۔ جس میں سے ہر بچے کی تعلیم اور بڑھاپے کی پنشن کا انتظام ہوتا ہے۔ بیشک نیک عمل کا تصور بجائے خود خوشیوں کا سرچشمہ ہے قلب مطمئن دنیا کی بڑی دولت ہے یہ ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جن کا اہل دنیا کے ساتھ معاملہ اور سلوک عمدہ ہے میری نشاط پسند طبیعت نے دنیا میں گناہ آلود خوشیوں کے حصول کے لئے کیا کچھ نہ کیا مگر نیکی کے تصور میں جو مزا پایا وہ عیش و عشرت میں کہاں عفو کی لذت انتقام کی تلخی سے بہتر ہے مگر بدقسمت انسان عفو کی نسبت انتقام پر زیادہ آمادہ اور مستعد نظر آتا ہے۔

غرض نیکی کے تصورات نے مجھے مایوسی کی گہرائیوں سے نکال کر مسرت کے جام بلند پر لا کر چھوڑ دیا تھا میں اب لمبے لمبے دن اور بڑی بڑی راتیں چاہتا تھا مگر لیل و نہار حسن اور جوانی کی طرح اڑے چلے جاتے تھے آئین عالم ہی کچھ ایسا ہے کہ عمر چاہو تو موت ملتی ہے موت کو بلاؤ تو دور بھاگتی ہے میں چاہتا تھا کہ پابندی کی مدت بڑھ جائے لیکن معلوم ہوا کہ ہزار برس یونہی گزر گئے۔

☆☆☆

الوداع

ایک دن صبح کسی دور کے گرجے سے گھنٹوں کی طرح دلکش و دلفریب آوازیں آنے لگیں۔ میں نے بیسیوں بار اس جگہ پہ یہ آوازیں سنی تھیں۔ مگر باوجود استفسار کے کسی نے نہ بتایا کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے آج سیاہ پوش فرشتہ جس کا طرز عمل بتدریج ہمدردانہ اور دوستانہ ہو رہا تھا آیا اور کہا کہ آج کچھ لوگ اس عالم مکافات سے دارالامان کو جائیں گے آپ بھی الوداع کہنے جائیں ہار اور گجرے ابھی بنائیں اور جا کر ان کی کامرانی پر مبارکباد کہیں اور پھول پہنائیں نیا نظارہ اور نئی مشغولیت کتنی دلفریب ہوتی ہے۔ میں باغ باغ ہو گیا پھول اور کلیاں چنیں ہار گوندھے عمدہ لباس پہنا اور ہلکی سی خوشبو لگائی پہلے بدخشانی دوست کی طرف بدیں خیال گیا کہ شاید اس کو بھی اس تقریب میں شمولیت کی اجازت ہو گئی ہو مگر معلوم ہوا کہ ابھی وہ اس اعتبار کے قابل نہیں سمجھا گیا کہ مجمع اور ہجوم میں جائے چنانچہ تن تنہا آواز کی سمت گیا اس بستی کی فصیل کا پھاٹک کھلا تھا۔

محافظ فرشتہ میرے پہنچنے پر الگ ہو گیا۔ ایک ٹرام گاڑی کی طرف اشارہ کیا میں اور لوگوں کے ساتھ جو اس تقریب پر جا رہے تھے بٹھایا گیا گاڑی میں داخل ہوتے ہی سب سواریوں نے خوش آمدید کہا اور عزت کے ساتھ پاس بیٹھا۔ محبت کی باتوں سے دل بہلانے لگے گو ہم ایک دوسرے سے ناواقف تھے مگر سب ایک کنبہ اور پرانے دلی دوست معلوم ہوتے تھے۔ اگرچہ سواریاں بہت زیادہ تھیں مگر دل تنگ نہ تھا جو آتا باوجود جگہ کی کمی کے سب کو خندہ پیشانی پاتا خود بیٹھنے کی کوشش نہ کرتا لیکن ہر ایک اس کے بٹھانے کے لئے بے تاب نظر آتا تھا۔

غرض گاڑی چلی اور ہم وسیع میدان میں پہنچے۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ کھوے سے کھوا چھلتا تھا مگر کیا مجال کہ ہجوم میں افراتفری پیدا ہو ذرا سی غفلت سے کسی کو خفیف سا کندھا بھی لگا تو دونوں طرف سے معافی مانگی گئی۔ ہر ایک اسی سعی میں رہتا تھا کہ دوسرا با آرام گزر جائے میں نے دل میں کہا کہ اگر دنیا میں اتنا میلہ ہوتا تو خدا جانے کتنے مسلے ہوتے اور کتنوں کا خون ہوتا مگر یہاں کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی عورتیں جب بھیڑ میں گزرتیں تو مرد راستہ چھوڑ کر دور دیہ کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ گزر نہ جاتیں سر و تھمے رہتے۔ اللہ اللہ شرافت کا کیا خوش منظر تھا کہ ہر ایک کی آنکھیں محبت بار تھیں اور ہر ایک کا طرز عمل الفت سے بھرا تھا۔

میں دل میں اس سفر اور اس روز کے سفر سے مقابلہ کر رہا تھا جب ہم اس دنیا میں لائے گئے

تھے اور چند منٹ آرام سے نہ کاٹ سکتے تھے۔ اور آپس میں لڑنے کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑ دیے گئے تھے۔ انسان کو غلط تربیت اور بری صحبت برباد کر دیتی ہے۔ ورنہ وہ نیکی کا فرشتہ ہے ہر آدمی نے فطرت سعید پائی ہے۔ مگر تعلیم و تربیت کا نقص اس کو بدتر از حیوان بنا دیتا ہے وہ جو دنیا میں پلید مشہور تھے مناسب نگرانی سے کیسے سعید ہو گئے ہیں کہ دوسروں کو ملال دینا اور اپنی خاطر غبار لانا ان کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ انہیں خیالات میں مستغرق تھا کہ یک دم شور ہوا سب کی نظریں مشرق کی طرف اٹھ گئیں۔ میں نے بھی دور سے عورتوں کے لئے جگہ چھوڑی جنہوں نے آگے بڑھ کر گاڑی سے اترنے والی سواریوں کو ہار پہنائے سب نے مل کر نعرہ تکبیر بلند کیا مرد دو رویہ قطاروں میں کھڑے ہو گئے نو وارد ہار پہنے درمیان سے گزرے ان کے چہروں سے مسرت ٹپک رہی تھی اور مسکراہٹ لبوں پر کھیل رہی تھی وہ سب کو سلام کہتے تھے اور جواب پاتے جاتے تھے۔

☆☆☆

خوشامد پسند کوتوال کی کہانی

صاحبو! خدا تم پر رحم کرے۔ میں خاکی دنیا میں کوتوال کے عہدہ پر فائز تھا۔ ریا اور خوف خدا اگر گناہ سے باز رکھیں تو نیکی کا جزو ہوتے ہیں۔ میں قاضی کے خوف اور لوگوں میں شہرت قائم کرنے کے خیال سے رشوت کے پاس نہ جاتا تھا ہمیشہ نماز وقت پر پڑھتا تھا اور بلا ناغہ تلاوت قرآن بھی کرتا تھا انصاف سے محبت جو کوتوال اور قاضی میں امتیازی خصوصیت ہونی چاہیے مجھ میں نہ تھی گو میں رشوت تو نہ لیتا تھا مگر وہی کام خوشامد سے کر دیتا تھا جس نے جھک کر سلام کیا اور میری تعریف کی اسی نے مجھے ناانصافی پر آمادہ کر لیا۔ جو ذرا اکڑا اور مودبانہ سلام نہ کیا تو اس سے میں بگڑا دل میں گرہ رکھی موقع تلاش کر کے اس طرح سے اس کے کس بل نکالے کہ کسی کو ظلم کا رسان و گمان نہ ہوتا تھا خلق خدا خوش راضی رہی حتی کہ میں اسی حال میں مرا۔ خود مجھ کو اپنی ناانصافیوں کا پورا علم نہ تھا جب اس جہاں میں آیا تو عافیت نہ پائی بڑ جلایا اعمالنامہ اٹھایا تو اس پر لکھا پایا "رشوت لے کر بے ایمانی کرنا اور خوشامد سے خوش ہو کر بے انصافی کرنا دونوں یکساں قابل مواخذہ ہیں۔ بے گناہوں کو ذاتی انتقام لینے کے لئے پھنسانا یا گنہگاروں کو اپنی خواہش سے رہائی دلانا دونوں لائق سرزنش ہیں۔ بے شک قاضی اور خلق تم سے خوش رہے مگر ہوشیار آدمی کو انسانی قانون کے پنجے سے بچ نکلنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ جہاں انسانی قانون اور رائے عامہ کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں سے اخلاق کے قانون کی

حکومت شروع ہوتی ہے۔ مذہب یا اخلاق کا قانون خفی اور جلی دونوں حرکات کا مواخذہ کرتا ہے۔ بیشک قانون دنیا کے پنجے اور خلق کی نظر سے تم بچ نکلے ہو لیکن مذہب کے قانون کی رو سے تم قابل مواخذہ ہو اب اپنے کیے کی سزا بھگتو۔"

میں پورے دو ہزار برس مبتلائے مصیبت رہا یہاں کی سزائیں کم بیش سب کو معلوم ہیں اب اس قابل سمجھا گیا ہوں کہ اگر میں جنت میں چلا جاؤں تو علانیہ بری حرکت کجا مردم آزاری کی کوشش بھی نہ کروں گا صاحبو دنیا کی حکومتوں میں لاکھوں عمال جو میری طرح اعلیٰ افسروں کے خوف سے علانیہ رشوت تو نہیں لیتے تاہم خفیہ طور پر ناجائز رعایت اور بے جا ظلم سے باز نہیں آتے وہ دنیا میں تو کامیاب زندگی بسر کرتے ہیں مگر اس جہان میں مصیبت اٹھاتے ہیں۔

اس نے اپنی کہانی نہایت مختصر بیان کی پھر لوگ ادھر ادھر کی باتوں میں لگ گئے میں وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھا۔ قصے کہانیوں کا شوق انسانی فطرت ہے یہاں بھی ایک صاحب کو مصروف بیان ماجرائے حیات پایا۔

☆☆☆

حاسد کی کہانی

میں خاکی دنیا میں بڑا حاسد تھا مگر حسد کو ریا سے چھپاتا تھا میرے دل کا حال کوئی نہ جانتا تھا ریاکاری ایک فن لطیف ہے عقلمند کے دل میں چوری کی نیت کے ساتھ فریب شامل ہو جائے تو انسان ریاکار ہو جاتا ہے۔ میری ساری عقل اور ہمت حاسدانہ خواہشات کی تکمیل میں گزری ہے۔ بی۔اے میں پڑھتا تھا۔ ایک ہم جماعت ہونہار طالب علم کی پرنسپل نے تعریف کی۔ میں جل گیا اور اس بچارے کو نقصان پہنچانے کے لیے موقع تلاش کرنے لگا اس کو آوارہ مزاج بنانے کی انتہائی کوشش میں مصروف رہا عشق کی چاٹ لگائی اور لہو ولعب کا شوق دلایا وہ دام تزویر میں پھنس گیا پہلے تو میلے تماشے پر مل کر جاتے تھے پھر وہ راگ رنگ ناچ گانے پر خود ہی جانے لگا۔ جب وہ غیر حاضر ہوتا تو میں پڑھ لیتا جب وہ آتا تو میں اس کو باتوں میں لگائے رکھتا۔

اگرچہ میں ہمیشہ امتحان میں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوتا تھا لیکن اس کو آوارہ کرنے کی سعی میں مصروف رہتا تھا اس لیے پوری محنت نہ ہو سکی تاہم میں تھرڈ ڈویژن میں پاس ہو گیا اور وہ ناکام رہا میری طبیعت کو اچانک ایک خاص قسم کا اطمینان محسوس ہوا۔ بعد ازیں میں محکمہ مال میں امیدوار

ایک جیسے ہوتے ہیں ان کی اپیلوں سے چڑنا ٹھیک نہیں مبادا کوئی جھوٹا مقدمہ چلا دے۔ ملازمت تو گئی تھی عزت بھی خاک میں مل گئی وہ آہیں بھرتا ہوا یہ کہہ کر اٹھا اچھا میری تقدیر اس کی اس مصیبت پر مجھے خاص مسرت اور طمانیت قلب محسوس ہوئی۔

ادھر میری کیفیت سنیے کہ میں تو مدت سے اس تباہی کی ادھیڑ بن میں لگا تھا۔ سرکاری کام میں برابر غفلت ہوتی گئی امیدواری کے زمانے میں محنت سے کام نہ سیکھا نہ ملازمت کے دوران سمجھنے کی کوشش کی میرا سارا کام ماتحتوں کے مشوروں سے ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کو لوٹتے تھے مجبوراً مجھے چشم پوشی کرنی پڑتی تھی نالائق افسر ہوشیار ماتحتوں سے دباہی کرتا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے کے اندر میں ملازمت سے بدنام ہو کر نکلا۔ استعفیٰ دے کر گاؤں آیا شریکوں نے انگلیاں اٹھائیں اور نالائقی کے طعنے دیے مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ ایک رات نصف شب میری آنکھ کھل گئی موسم معتدل تھا مہتاب کی دلفریب روشنی باعث تسکین ہو رہی تھی ستارے گو روشن تھے مگر چاندنی میں ماند پڑے تھے کئی دن کے بعد دل خوش ہو گیا مگر جب ملازمت سے برطرفی کا خیال آیا تو دل پر غم کے بادل چھا گئے۔ حکومت کو چھوڑ کر کون مایوس نہیں ہو جاتا اور کس کے دل کو غم نہیں کھاتا؟ میں بہت دیر آہیں بھرتا رہا آج یہ خوش قسمت رات تھی جب کہ اپنے حال سے میں نے دوسروں کا اندازہ لگایا اور وہ مظلوم تحصیلدار ہونہار طالب علم یاد آیا۔ آپ کو کیا بتاؤں کہ مجھے کتنی ندامت ہوئی ضمیر پکارا اے سنگ دل! تو نالائقی سے برطرف ہوا وہ غریب عیالدار تحصیلدار تیرے ہاتھوں سے مارا گیا اور تیرا کس پتھر کا سینہ ہے کہ لوگوں کو مصیبت میں پھنساتا ہے اور ان کے تڑپنے کا تماشا دیکھتا ہے۔ لوگ انتقام میں حد سے تجاوز کر کے ظالم کہلاتے ہیں۔ اے بدبخت حاسد تو تو بغیر وجہ کے درپے آزار ہو جاتا ہے۔

ضمیر کی آواز:

جوں جوں اپنے حاسدانہ افعال پر نظر ڈالتا تھا مجھے اتنی اذیت ہوتی تھی گویا ننگے بدن کانٹوں کے جنگل میں سے گھسیٹا جا رہا ہوں۔ بقیہ رات انگاروں پر لوٹ کر کاٹی صبح موذن نے آواز دی۔ شوالے کے گھنٹے بجے سعید روحیں جاگیں۔ جن کی روح پر شیطان نے قبضہ کر لیا ہے وہ اسی طرح مست خواب پڑے رہے۔ صبح اطمینان کا پیغام لے کر آئی میرے غیر مطمئن دل نے یک بیک پلٹا کھایا۔ میرے خیال کی دنیا نئی ہو گئی وہ دل جو فاسدانہ خیالات کا خرابات بنا ہوا تھا۔ اس میں نیکی کی دیوی براجمان ہوئی اور وہ صومعہ سے زیادہ پاک ہو گیا میں یہ کہہ کر اٹھا کہ میں مرنے سے پہلے تلافی مافات کروں گا مسجد میں گیا نماز پڑھی لوگ چلے گئے تو ایک کونے میں جا کر سجدہ کیا اور

پکارا۔ اے خدا! آج سے میں ایک نئی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ مجھے زندہ رکھ اور اعمال سیاہ کی تلافی کا موقع دے میرے ضمیر سے ہلکی سی آواز اٹھ رہی تھی کہ تو نے زندگی میں آج پہلی دفعہ نماز پڑھی ہے اور پہلی ہی دفعہ دعا مانگی ہے صرف ایسی ہی دعائیں منظور ہوتی ہیں اور یہی نمازیں قبول کی جاتی ہیں وہ تیری پہلی عبادتیں جو فاسد خیالات میں پرورش پاتی رہی ہیں درخور اعتنا نہ تھیں جو شخص عبادت اور عمل میں مطابقت پیدا نہیں کرتا وہ زندگی بیکار ضائع کرتا ہے۔

غرض میں خاک پر سر رکھ کر ندامت کے آنسو رویا۔ عزم راسخ لے کر اٹھا کائنات ارضی پر نظر ڈالی تو ایسا معلوم ہوا۔ کہ اس کا ذرہ ذرہ میرے ارادوں پر تہنیت کے پیغام دے رہا ہے۔ میں شب گزشتہ تک تو مایوسیوں میں گھرا ہوا تھا آج اطمینان کا سمندر ہر طرف موجیں مارتا تھا۔ میرے پاس بزرگوں کا کچھ اندوختہ نقد و زمین کی صورت میں موجود تھا میری سب سے اول نظر اسی پر پڑی اور خیال آیا کہ ممکن ہے کہ میں مالی پریشانیاں دور کرنے کے قابل ہو جاؤں میں مسجد سے خوش خوش گھر آیا بیوی مجھے دیکھ کر مسرور ہوئی بچے جو میری وحشت کو دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ اور میرے ساتھ کھیلنے کا حوصلہ نہ کرتے تھے مجھے خوش پا کر میری ٹانگوں سے چمٹ گئے۔

میں نے اپنی اہلیہ سے سب ماجرا کہہ سنایا۔ نیک عورت ہمیشہ عمل صالحہ میں مدد و معاون ہوتی ہے اس نے تلافی مافات کے عزم میں اور ہمت افزائی کی اور میں اگلے روز اپنے مظلوم ساتھی کی تلاش میں اس کے شہر پہنچا جسے میری حیلہ سازیوں نے تحصیلداری سے برطرف کرایا تھا اس کو بحالت زار پایا اب وہ امراء کے بچوں کو پڑھا کر گزر اوقات کرتا تھا کنبہ کثیر آمدنی قلیل میں جو ہر کسی کی حالت ہوتی ہے وہ اس کی ہو رہی تھی وہ پرانی سی ڈیوڑھی میں پھٹی پرانی دری پر بیٹھا ایک رسالے کے لئے مضمون لکھ رہا تھا۔ فلاکت زدہ گھرانے میں مہمان عزیز کے آنے سے جو کیفیت ہوتی ہے وہی اس پر طاری ہوئی وہ مجھے دیکھ کر خوش ہو گیا گرمجوشی سے اٹھا اور بغلگیر ہوا لیکن جلد ہی چہرے پر افسردگی کی تاریکی چھا گئی وہ فوراً گھر گیا ایک پرانا گاؤ تکیہ تحصیلداری کے وقت کا اور ایک دریدہ کمبل لا کر میرے نیچے بچھایا کھانے کا وقت ہوا کچھ دال ترکاری تیار کرا کے لایا۔ "چہ کند بے نوا ہمیں دارد" کہہ کر کھانا سامنے رکھ دیا میں نے کھانے کی احتیاط سے تعریف کی کہ مبادا مبالغہ تعریف نہ سمجھا جائے وہ ذرا مطمئن ہوا میں نے اپنی برطرفی کی داستان کہی حاسدانہ اطمینان کی بجائے اس کو ہمدردانہ رنج پہنچا۔

پھر میں نے ایک من گھڑت کہانی سنائی کہ میرا ایک مالدار عزیز مجھے تجارت کا پیشہ اختیار کرنے

پر زور دیتا ہے میں تن تنہا اس کام کو سر انجام نہیں دے سکتا۔اس نے مجھے ایک ہوشیار ملازم مشاہرہ دو سو روپے ماہوار رکھنے کا اختیار دیا ہے۔مجھے چاروں طرف نظر دوڑانے پر بھی تم سے بہتر کوئی آدمی خیال میں نہ آیا دو دوست جب مل کر محنت کریں تو خدا برکت دیتا ہے کیا تعجب ہے کہ ملازمت سے یہ پیشہ بہتر ثابت ہو؟ وہ بولا۔تجارت قسمت کا کھیل ہے اس کی کامیابی اور ناکامی میں غیر مرئی اسباب کا دخل ہے تاجر ایسا قمار باز ہے جس کی قسمت کا پانسہ قدرت کے اپنے ہاتھ میں ہے میں نے کہا میرے اس سرمایہ دار عزیز کا تجارت کے متعلق بالکل یہی خیال ہے وہ کہتا ہے کہ انسان روحانی اور مادی تاجر ہے اور ہر تاجر لازمی طور پر قمار باز ہے۔جو قوم اور افراد دنیا میں قمار بازی سے دوڑتے ہیں وہ ناکام زندگی بسر کرتے ہیں جو ڈر کر ساحل سلامتی پر جا بیٹھتا ہے۔اس کا دامن موتیوں سے نہیں بھرا جاتا غواص کے بہت سے ناکام غوطے اسے بالآخر کامیاب کر دیتے ہیں۔لیکن میرے مالدار عزیز کی تجویز کیسی حوصلہ افزاء ہے کہ بیس ہزار روپیہ ہم دونوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ایک سال تک دونوں کو دو سو روپیہ ماہوار اس کے علاوہ وہ دیتا رہے گا رقم ڈوبی تو اس کی منافع ہوا تو آہستہ آہستہ رقم ادا کر دیں گے ہم بیاج کی فکر سے آزاد ہیں کیونکہ یہ قرض حسنہ ہے وہ ایسا قریبی عزیز ہے کہ میں اس کی پیشکش کو مسترد کرنا آئین قرابت کے خلاف سمجھتا ہوں۔وہ اسے مروت پر محمول کرے گا امید کرتا ہوں کہ تم میری پیشکش رد نہ کرو گے میری باتیں سن کر وہ راضی ہو گیا۔

ہم نے مل کر کاروبار شروع کیا مجھے میرے عزم نے محنتی بنا دیا تھا وہ پہلے ہی جزرس اور دوراندیش تھا۔جب کسی کاروبار میں محنت جزرسی اور دوراندیشی شامل ہوں تو کامیابی آسان ہو جاتی ہے ایک سال کے بعد دو سال کی تحصیلداری کی تنخواہ منافع میں آئی جوں جوں ہمارے تجربے میں اضافہ ہوتا گیا۔کاروبار چمکا دس برس کے اندر ہمارے پاس ایک لاکھ کا سرمایہ ہو گیا اور ہمیں ایک اور ساتھی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

میں نے اس ہم درس کی تلاش شروع کی جو میری فریب کاری سے بی۔اے میں فیل ہو گیا تھا طالب علمی کا زمانہ ختم کیے چندرہ برس ہو چکے تھے مجھے اس کا نام یاد تھا مکان بھول چکا تھا۔لیکن جوئندہ یابندہ آخر میں نے کالج کے رجسٹروں کو دیکھ کر بڑی محنت سے اس کا پتہ تلاش کیا۔ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کے وطن پہنچا پوچھتے پوچھتے اس کا سراغ نکالا۔عشق میں پڑ کر نہ صرف اس نے تعلیم چھوڑ دی تھی بلکہ صحت اور دولت دونوں کھو چکا تھا سن چالیس سے کم تھا مگر سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔آنکھوں پر عینک لگائے عصا کے سہارے گھر سے نکلا میں نے اس کو پہچانا اس نے مجھے نہیں

دیکھا وہ تھوڑی دور جا کر بیٹھ گیا اور کھانسنے لگا۔ میں نے اسے بلانا مناسب نہ سمجھا۔ ہمسایوں سے اس کی حالت دریافت کی معلوم ہوا کہ مدت سے بیمار ہے اور بیکار ہے۔ میں ہوٹل میں جا کر ٹھہرا ہمارے کاروباری بنک کی یہاں شاخ تھی اس کے منتظم سے ملا اور دو ہزار روپے کے نوٹ لئے اور جیب میں ڈال کر پھر دوست کے مکان پر گیا دروازہ کھٹکھٹایا ایک سات برس کا بچہ باہر آیا۔ میں اس کے خد وخال کو دوست کے حلیہ سے ملتا جلتا دیکھ کر جان گیا کہ اس کا لڑکا تھا وہ بہت لاغر تھا۔ اس کا رنگ کی خوراک کی وجہ سے زرد تھا لباس صاف تھا مگر نہایت کہن دریدہ لباس کی صفائی سے میں سمجھ گیا کہ باوجود عسرت کے اس کی والدہ سلیقہ شعار ہے۔ اس نے مجھے نہایت ادب سے سلام کیا میں نے محبت سے پیار کیا اور پوچھا کہ برخوردار تمہارے والد کہاں ہیں؟ وہ بولا صاحب آپ بیٹھیے وہ ابھی ہسپتال دوا لینے گئے ہیں کچھ دیر میں آ جائیں گے۔ مجھے اس کی غیر حاضری کا سن کر اطمینان ہوا۔ ہینڈ بیگ میں سے کاغذ کا وہ لفافہ نکالا اور اس مضمون کا خط لکھ کر دو ہزار روپے کے نوٹوں کے ساتھ ملفوف کر دیا۔

خط:

"برادر مکرم! امید تو ہے کہ آپ میرے نام سے مجھے پہچان جائیں گے۔ میں تو ہمیشہ ہی سے لاپرواہ رہا ہوں مگر کبھی آپ نے بھی نوازش نامہ سے سرفراز نہیں فرمایا۔ آج میں سلام روستائی کے لئے آیا تھا حاضری کی غرض یہ تھی کہ آپ سے درخواست کروں کہ آپ مجھے ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں مدد دیں جو آپ کی طرح تعلیم یافتہ اور بااعتبار ہو۔ میری بدقسمتی دیکھیے کہ اول تو دولت خانہ ڈھونڈتے دیر لگی پھر آپ نہ ملے۔ مجھے ضروری کام کے لئے واپس جانا ہے محروم ملاقات جا رہا ہوں یہ تو میری قسمت کہاں کہ آپ کو آمادہ پاؤں تاہم اگر یہ نہ ہو سکے تو کوئی ایسے ہوشیار شخص کو جس پر آپ کلی طور پر اعتماد کر سکیں کاروبار میں میری معاونت کے لئے تیار کر دیں فی الحال میرا کاروبار کسی بڑے بوجھ کا متحمل نہیں میں صرف تین سو روپیہ ماہوار دے سکتا ہوں دو ہزار کے نوٹ موجود ہیں۔ تاکہ اس شخص کے ابتدائی اخراجات کے کام آئیں اور تنخواہ میں سے آہستہ آہستہ کٹتے رہیں امید ہے کہ میرے لئے یہ تکلیف ضرور گوارا فرمائیں گے اور مجھے مفصلہ ذیل پتہ پر یاد کریں گے۔"

تیسرے دن خط بھی آیا اپنے متعلق میرے حسن ظن کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ آج تک نالائق ہی تھا ایشور نے چاہا تو اپنے آپ کو آپ کے نیک گمان کے قابل بناؤں گا۔ ایک ماہ کے بعد وہ آیا۔ اگرچہ وہ اب بھی کمزور تھا مگر صحت کچھ بحال ہو چکی تھی۔ مالی بدحالی سے جو پریشانی اس کے چہرے پہ تھی خوشگوار مستقبل کے خیال نے اس کو اطمینان میں بدل دیا تھا۔ غرض ہم تینوں نے بھائیوں

کی طرح زندگی بسر کی اور کام میں مزدوروں کی طرح لگے رہے۔ ہمارے نئے ساجھی نے وہ محنت کی اور اس سلیقے سے کام کیا کہ ہم دونوں عش عش کر اٹھے دوسرے سال ہم نے اسے برابر کا حصہ دار بنالیا۔ اس نے کام کو زیادہ وسعت دی اور دس سال میں فرم کی شہرت کہیں کی کہیں جا پہنچی۔

کاروبار کا پچیسواں سال تھا ہم کاروبار میں کامیاب تاجر مشہور تھے ایک دن ہم تینوں میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے دونوں دوستوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "دوستو! آج مجھے آپ کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار کرنا ہے ابھی یہ فقرہ ختم نہ کیا تھا کہ سابق تحصیلدار مسکرا کر بولا۔ گناہ کا اقرار صرف خدا کے سامنے ہونا چاہیے۔ ناواقفوں کو اپنے عیب وثواب کا شاہد بنانا کم ظرفی ہے تم کم ظرف نہیں اس لئے تم سے اس قسم کی کسی بات کی توقع نہیں کی جاسکتی میں بولا بہت اچھا اقرار گناہ نہ سہی معذرت سہی دوستو! میں اپنے کئے کی معافی چاہتا ہوں تحصیلدار نے آنکھوں آنکھوں میں کالج کے زمانے کی شراب نوشی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر تیس برس پہلے آپ ایسی بات کرتے تو میں سمجھتا کہ کچھ بہک گئے ہیں وہ ہندو دوست بھی میری حیران کرنے والی باتوں پر ہنسنے لگا۔"

میں بہت سٹپٹایا آخر کہا کہ تم بات تو سن لو تحصیلدار نے کہا بشرطیکہ سننے کے قابل ہو میں نے مختصراً اپنے حاسدانہ مفاسد کا ماجرا کہا انہوں نے دل لگی سمجھا ہرچند میں نے اصرار سے بتایا مگر انہیں یقین نہ آیا۔ میں نے قسم اٹھائی انہوں نے کہا۔ بس بس مذاق کو نہ بڑھاؤ ہمیں الو نہ بناؤ تحصیلدار بولا میں نے مانا کہ تم نے تحصیلداری گنوائی۔ مگر اس برائی کا انجام بھلائی نکلا برا نہ ہوا ہم دس دوست نے کہا اگر بی۔ اے نہ ہوا تو کیا ہوا اب کئی بی۔ اے فرم میں ملازم ہیں بھائی تمہاری تو برائی کا انجام بھی بھلائی ہے نہ تمہیں اقرار گناہ کی حاجت نہ معذرت کی ضرورت لو اب دیر ہو رہی ہے اجازت دو اور تم بھی آرام کرو۔ وہ اٹھے اور اپنے اپنے گھروں کو ہنستے ہنستے رخصت ہوئے۔ لیکن میں ان کے انداز سے بھانپ گیا کہ انہیں میری باتوں کا یقین نہیں آیا۔

انسان نے دنیا میں عمر جاوداں تو پائی نہیں میرا وقت آپہنچا موت کے بعد میں یہاں آیا حسد سے نہ صرف توبہ کی تھی بلکہ مقدور بھر تلافی مافات کی کوشش بھی کر چکا تھا اس لئے ایک ماہ کے معمولی معائنے کے بعد مجھے بہشت بریں میں جانے کا حکم ملا ہے گناہوں میں پڑ کر توبہ کا موقع بہت کم ملتا ہے بعض لوگ سلسلہ گناہ بھی جاری رکھتے ہیں توبہ توبہ بھی پکارے جاتے ہیں حالانکہ برے عمل کے اثرات محض انسانوں کی خدمت سے دور ہو سکتے ہیں بعض نادان توبہ توبہ کا وظیفہ کر کے تلافی مافات کرنا چاہتے تھے۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو سکتی ہے۔ عمل بد کا کفارہ لفظی عبادت سے نہیں ہو سکتا وہ لوگ

لائق مبارک ہیں جو مردم آزاری سے توبہ کرلیں اور تلافی مافات کریں یا جن کو تکلیف دی ہو ان سے معافی چاہیں۔

دنیا میں لاکھوں نوجوان ہیں جو بلاوجہ میری طرح بنا بر حسد در پے آزار ہوتے ہیں۔ سب لیاقت اور محنت اپنی ترقی کے بجائے دوسروں کے تنزل کی کوششوں میں کھو دیتے ہیں ان لوگوں کی دنیا اور آخرت دونوں خراب ہوتی ہیں الحمد للہ کہ میں کمینہ حرکات سے باز آیا اور تلافی مافات کی۔ آج بہشت بریں کو جا رہا ہوں میں یہاں سے اٹھا بہشت بریں کو جانے والی چند بیبیاں جہاں بیٹھی تھیں وہاں چلا گیا ایک بی بی آپ بیتی بیان کر چکی تھی دوسری نے اپنی سرگزشت شروع کی تھی کہ میں بھی جا پہنچا وہ بی بی اپنا دوپٹہ سنبھال کر ذرا سرک کے آگے ہو بیٹھی وہ بولی:

☆☆☆

ایک کینہ ور عورت کی کہانی

صاحبو! قدرت نے مجھے حسن کی دولت سے بہت کم حصہ دیا تھا مگر علم کی روشنی اتنی پائی تھی کہ اس کی تابانی سے عقل انسانی کی نگاہیں خیرہ تھیں۔ لیکن میرا علم جہالت سے بدتر تھا کیونکہ وہ نفس کی برائیوں کا محاسبہ نہ کرتا تھا۔ میرے ہمسائے میں ایک پارسا نوجوان رہتا تھا جس کی بیوی نے جنت کی حوروں کا سا حسن پایا تھا۔ میاں اسے دیکھ کر جیتا تھا وہ دونوں عاشق و معشوق کی طرح رہتے تھے انہیں دم بھر کی جدائی شاق تھی میرے وسیع آنگن میں آم کا پیڑ تھا برسات کے موسم میں عورتیں جھولا وہیں ڈالا کرتی تھیں ایک دفعہ ساون کے مہینے میں محلے کی لڑکیوں نے جھولا ڈالا سب عورتیں دیکھنے آئیں بعض گوری عورتوں کے سر پر کالے دوپٹے مجھے بڑے پسند آئے میں نے بھی اگلے دن سیاہ دوپٹہ اوڑھا۔

میری ہمسائی نہ صرف خوش رو تھی بلکہ بذلہ سنج بھی تھی جونہی اندر سے نکل کر میں آنگن میں آئی وہ بولی سیاہ دوپٹہ جسم کے ہم رنگ ہے یہ پھبتی مجھ پر ٹھیک چسپاں ہوتی تھیں اس پھبتی پر سب لوٹ گئیں میں بھی کھسیانی ہو کر ہنسنے لگی اس نے تو بات بھلا دی میرے دل میں ناسور پڑ گیا عورتیں جھولا جھولنے میں مصروف ہو گئیں میں مغموم سی ہو کر بیٹھ گئی۔ سبز ڈالیوں میں سیندوری آم لٹک رہے تھے۔ خوش رنگ طوطے کبھی بیٹھے بیٹھے اڑتے تھے کبھی اڑتے اڑتے بیٹھتے تھے سیاہ گھٹاؤں میں سفید بگلے اڑ اڑ کر عجب بہار پیدا کرتے تھے۔ میرے دل پر بغض کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ کبھی کبھی کامیاب

انتقام کا خوش آئند خیال گھٹا میں بجلی کی طرح چمک جاتا تھا۔ میں نے جی ہی جی میں کہا کہ بچے اس دل لگی کا خوب مزا چکھاؤں گی۔ تو رو رو کے گی میں منہ پھیر کر مسکراؤں گی میں جانتی تھی کہ بیوی کے حسن کی ناقابل برداشت جلوہ ریزیوں سے خاوند کی طبیعت اکثر بدگمان ہو جاتی ہے اور تھوڑی سی کوشش سے یہ شک یقین میں بدل سکتا ہے۔

☆☆☆

تریا چلتر

چنانچہ جب وہ میکے گئی تو میں نے اس کے خاوند کو اس کی غیر حاضری میں یوں سمجھایا کہ بھائی کچھ کہنے کی بات نہیں۔ سوچتی ہوں کہ کہوں یا نہ کہوں کہتی ہوں تو تیرے اطمینان کی دنیا درہم برہم ہو جائے گی چپ رہتی ہوں تو غم مجرم قرار دیتا ہے میں نے دیکھا کہ اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس نے دیوار کا سہارا لیا میں نے کہا آج تو تمہاری طبیعت پہلے ہی کچھ خراب معلوم ہوتی ہے میں بات بتا کر صدمہ کیوں پہنچاؤں یہ کہہ کر میں گھر چلی آئی وہ سر جھکا کر اپنے مکان میں داخل ہو گیا۔ میرے پراسرار انکار میں ہزار اسرار پوشیدہ تھے۔ گو میری زبان نے مطلب ادا نہ کیا مگر میری طرز ادا نے سینکڑوں خوفناک مطالب اس کے تصور میں پیدا کر دیئے۔ جب بیوی واپس آئی تو خاوند کو مغموم پایا۔ ہزار لطیفے بیان کئے لیکن زندگی بے لطف رہنے لگی۔ اس نے روز افزوں آرائش و زیبائش سے خاوند کا دل بہلانا چاہا اور محبت اور پیار سے دل لبھانے کی سعی کی مگر خاوند کے دل میں شکوک اور بڑھے مزاج بیش از بیش برہم ہوا۔

جب سب جتن کر ہاری تو ایک دن میرے پاس آئی زانوں پر سر رکھ کر بیٹھ گئی اس کو مصیبت میں دیکھ کر مجھے پہلی دفعہ خوشی محسوس ہوئی۔ میں نے ایسی بے اعتنائی اور رکھائی دکھائی کہ اسے دکھ سکھ کہنے کی جرات نہ ہوئی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ میں برابر ادھر ادھر کے کاموں میں لگی رہی وہ گھر جہاں ہر وقت میاں بیوی کے قہقہے گونجا کرتے تھے اب وہاں آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ پریشانی دونوں کے چہروں پر چھائی تھی مایوسی نے ان کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا میاں کا دل خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ بیوی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ خاوند کے دل میں کیا کیا خیال گزر رہے ہیں۔ محبت کے بجائے دونوں کے دلوں میں وحشت بڑھ رہی تھی اور میں ان کے چہروں کا مطالعہ کر کے خوش ہو رہی تھی آتش عناد دلوں کو بھسم کرنے سے پہلے کب فرو ہوتی ہے ادنی سی بات نے جو ہلکی سی چنگاری لگائی

تھی اس سے شعلے بھڑک اٹھے مگر میری ابھی تک تسلی نہ ہوئی تھی۔

میں بیچنے گئی ایک مردانہ طلائی جوتا خریدا۔ ایک ململ کی پگڑی خریدی اسے رنگریز سے گلابی رنگ کرایا اور گھر آ کر موقع کی منتظر رہی خدا کا کرنا کیا ہوا کہ میرا ہمسایہ بی بی کو تنہا چھوڑ کر خود کسی برات کے ہمراہ کہیں گیا میں نے پگڑی اور زریں جوتا نکالا اس کے تلووں کو زمین سے گھسایا تا کہ معلوم ہو کہ پہنا جا چکا ہے۔ ایک ریشمی رومال کو خوشبو لگائی کوٹھے پر چڑھ کر ان کے آنگن میں اس بی بی کی چارپائی کے قریب تینوں اشیاء کو پھینک دیا وہ چونک کر اٹھی اور جوتے کو دیکھ کر گھبرا گئی چور چور پکاری گلی محلے کے لوگ جمع ہو گئے خوشنما جوتا اور معطر رومال اور شوخ رنگ پگڑی دیکھ کر لوگوں نے ایک دوسرے کو اشارے کئے کہ اچھا چور تھا معطر رومال زرین جوتا اور رنگین پگڑی پہن کر چوری کرنے آیا تھا۔

ایک لفنگا پکارا کہ چلو صاحبو! چور نہیں تھا بہو کا بھائی تھا دوسرا بولا ہاں صاحب یہ روپے پیسے کا چور نہیں تھا حسن کا ڈاکو تھا اپنا کام کر کے چلتا بنا وہ بھانت بھانت کی بولیاں اور طعنے سن کر زمین میں غرق ہوئی جاتی تھی۔ سارا دن ندامت سے روتی رہی۔ شام کو میاں گھر آئے۔ لوگوں نے باہر طنزیہ طور پر چور کے گھر آ گھسنے کا قصہ کہہ سنایا۔ گھر پہنچ کر جوتا رومال اور پگڑی دیکھی دونوں ہاتھوں میں سر لے کر بیٹھ گیا بہت دیر تک یونہی بیٹھا رہا پھر نہایت حوصلے اور اطمینان سے اٹھا بیوی کے پاس آ کر اسے زبردستی گھر سے نکال دیا میں نے شیطانی تبسم اور اطمینان سے اس کو تاکا۔

پہلے اس نے میری بات کو ہمدردانہ کلام سمجھ کر سر اٹھایا۔ پھر میرے مفسدانہ خیالات کا اندازہ کر کے سر نیچے کر لیا اور رونے لگ گئی۔ بہت سے مرد و عورتیں جمع ہو گئے میں فاتحانہ انداز سے اپنے گھر واپس آ گئی اب میں کامیابی کے نشے میں سرشار تھی۔ دنیا کی ہر چیز مسرور نظر آتی تھی میں خوش تھی در و دیوار سے خوشی ٹپکتی تھی زمین و آسمان سے رقصاں تھے میں چونکہ اپنے انتقام میں کامیاب ہوئی تھی تھوڑی دیر خوش خوش بیٹھی رہی زیادہ خوشی اور کثرت غم دونوں اضطراب انگیز ہوتے ہیں میں کام میں مصروف ہونا چاہتی تھی مگر خوشگوار اضطراب کی وجہ سے کام میں دل نہ لگتا تھا۔

میں پھر دروازے پر آئی دیکھا کہ ایک غریب عورت اسے اپنی اوڑھنی اوڑھا کے گھر لے جا رہی ہے۔ اور خوشحال گھروں کی عورتیں دونوں کی ہنسی اڑا رہی ہیں میں جب یہ واقعہ سوچتی ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتی ہوں کہ نرم ریشم پہننے والوں کے دل سخت پتھر ہوتے ہیں۔ موم کے دل موٹا جھوٹا پہننے والوں ہی کے ہوتے ہیں مگر آہ مجھ بدنصیب گنہگار کو دوسروں پر نکتہ چینی کہاں زیب دیتی ہے جس نے

رائی سی بات کا پہاڑ کے برابر بدلہ لیا پیارے بھائی اور بہنو! مطمئن خوشیاں عارضی ہوتی ہیں بری خواہشات کا راستہ ہر چند کانٹوں سے پٹا پڑا ہے مگر گنہگار شرابی کی طرح منزل کے خطرات سے لاپرواہ بڑھتا چلا جاتا ہے جب مقصد کو پالیتا ہے تو تلوے چھلنی پا کر گھبراتا ہے اور آہستہ آہستہ نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔

ندامت:

میری خوشی کی تکمیل کے بعد غم کی ابتداء ہوئی۔ انتقام کی پیاس نے جو پردہ آنکھوں پر ڈالا تھے وہ سامنے سے اٹھ گیا تو معلوم ہوا کہ میں تو عصیاں کے پتتے ریگستان میں آنکلی ہوں جہاں ہر طرف بگولے اٹھ رہے ہیں۔ ریت کے ذرے کروڑوں سورج بن کر آنکھوں کے سامنے چمکتے ہیں رات کو سونا چاہا مگر شیطانی عمل کی وحشت نے آرام نہ لینے دیا یک بیک مایوسیوں کی کالی گھٹاؤں میں امید کی کرن نمودار ہوئی دماغ نے دل سے کہا موقع موجود ہے صبح اس کے خاوند کے سامنے اپنی بدکیشی اور زیاں کوشی کا اقرار کرو اور معافی مانگو اور لوگوں کے سامنے بھی اس عفیفہ کے ساتھ اپنی بدکیشی اور زیاں کوشی کا اقرار کرو اور معافی مانگو اور لوگوں کو اس عفیفہ کی عصمت کا یقین دلاؤ۔ میں نے پہلے دل قوی کیا پھر حوصلہ ہار دیا بہشت کا دروازہ نمودار تو ہوا مگر کھولنے کی ہمت نہ ہوئی دنیا میں لاکھوں ایسے ہیں جو معصوموں پر خطرناک تہمتیں تراشتے ہیں تھوڑے ہیں جو پشیمان ہوتے ہیں اور کسی معصوم کی عزت بچانے کے لئے اپنے گناہ کا بروقت اقرار کرتے ہیں۔ میں نے سوچا میرے اقرار گناہ سے بیشک وہ دنیا کی نظر میں محبوب ہو جائے گی خاوند کی پیاری بیوی کہلائے گی مگر اس اقرار کے بعد میری حالت کیا ہوگی؟ جو سنے گا مجھ پر لعنت بھیجے گا جو دیکھے گا وہ تھوکے گا گناہ کے اقرار نے جو جنت کا راستہ دکھایا تھا اس عقوبت کے خیال نے اسے نظروں سے اوجھل کر دیا۔

صبح ہو گئی سورج سوگوار نکلا قدرت ماتمی لباس پہنے دکھائی دی دل کے غم نے ہر چیز پر مایوسی کا سایہ ڈال رکھا تھا اس روز سورج کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پڑی تھیں اور ایسا سست رفتار تھا کہ دن قیامت کا ہو گیا کیا کہوں کیسے کٹا خیر جیسے کٹا کاٹا۔ شب کی تاریکیاں جب عصیاں کی ظلمتوں کے ساتھ مل کر آئیں تو لاکھوں ڈراؤنی روحیں ان کی آغوش بلاخیز میں کھیلتی دکھائی دیتی تھیں۔ میں آنکھ کھولتی ڈرتی بند کرتی چونکتی تھی ادھر ادھر سے زمین و آسمان سے مجھے لعنت برستی دکھائی دیتی تھی۔ میں اٹھ کے بیٹھ گئی۔ کہا۔ اے دل! دل دکھانے والوں اور جھوٹا الزام لگانے والوں کا یہی حال ہوتا ہے مایوسی کی یہ انتہا عزم نیک کی ابتدا ہوگی جو دل اپنے آپ کو ضمیر کی ملامت کا مستحق سمجھ لیتا ہے اور

عقوبت گناہ اٹھانے کو تیار ہو جاتا ہے اسے اطمینان کا فردوس اعلیٰ دیا جاتا ہے۔

میں نے یہ فیصلہ کیا کہ صبح پہلا کام یہ ہوگا کہ اس کے خاوند کے پاؤں پر گر کر اپنے گناہ کی معافی چاہوں گی اور ہاتھ جوڑ کر اس بی بی کو مناؤں گی۔ لوگ مجھے شرمناک الفاظ پر واز کریں گے لیکن اس تلخ بات کو خندہ پیشانی سے سنوں گی اور ٹھنڈے دل سے برداشت کروں گی کتاب مقدس پر ہاتھ رکھ کر لوگوں کو اس عورت کی عصمت کا یقین دلاؤں گی ندامت کے ساتھ عزم مصمم سے مل کر تاریکیوں کو دور کیا اچھے خیال نے زمین و آسمان کو نور سے بھر دیا دنیا کی فکر سے آزاد اپنے بچے کی طرح اطمینان کی نیند سو گئی۔ صبح اٹھی دل میں خوشگوار انقلاب پایا طبیعت میں نہ خوشی تھی نہ غم۔ میرے چہرے پر اس شخص کا اطمینان جلوہ ریز تھا جو توبہ کے بعد گناہ کی عقوبت کو برضا و رغبت برداشت کرنے کا فیصلہ کرتا ہے پھر دنیا کی راحتیں اور غم دونوں اسے حقیر نظر آتے ہیں۔ اس کی روح ان طمانیتوں اور مسرتوں کا ادراک کرنے لگتی ہے جو فرشتوں کو خدا کے دیدار سے حاصل ہوتی ہے۔

الغرض میں صبح اٹھی اور ہمسائے کے گھر گئی اور خالی پا کر واپس آ گئی اپنی دہلیز پر دیر تک بیٹھی رہی جب میرا ہمسایہ نہ آیا تو اٹھ کر اندر چلی گئی۔ کسی کے پاؤں کی آہٹ پائی تو پھر بھاگی آئی صبح سے دوپہر دوپہر سے شام ہو گئی مگر وہ نہ آیا اگلے روز میں علی الصباح اٹھی مکان کو جوں کا توں کھلا پایا۔ اپنے خاوند کو سنایا کہ ہمارا ہمسایہ کل سارا دن گھر نہیں آیا وہ معمولی بات سمجھ کر خاطر میں نہ لایا حسب معمول کام کو چلا گیا۔

تیسرا دن ہوا مکان کھلا دیکھ کر اور لوگوں کو بھی تشویش ہوئی کچھ نیک دل بندوں نے جستجو شروع کی تالاب اور کنویں جھانکے۔ ایک پرانے تاریک کنویں میں کسی کے کچھ کپڑے تیرتے نظر آئے لوگ بھاگے گئے غور کیا تو لاش نظر آئی۔ نکال کر دیکھا تو بدنصیب ہمسایہ پہچانا گیا میں چھت پر کھڑی تھی باہر سے لوگ نعش کو چارپائی پر لا رہے تھے۔ جب ہمسائے کی خودکشی کی خبر اڑتی اڑتی میرے کان میں پہنچی ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کے سامنے ابر چھا گیا اور دنیا کے چہرے پر تاریک پردہ آ گیا ہے۔ پاؤں نے گنہگار جسم کا بوجھ برداشت کرنے سے انکار کر دیا میں بیٹھ گئی ضمیر نے برملا کہا کہ تو اس کی موت کا باعث ہوئی۔ کسی نامعلوم آواز نے آہستہ اور غمگین لہجے میں کہا توبہ کے دروازے سب بند ہو گئے خدا نے معافی کا قلم ہاتھ سے رکھ دیا حوروں نے امید کے جس پیمانے میں تیرے لئے اطمینان کی شراب بھری تھی وہ گر کر ٹوٹ گیا۔

میں اندرونی خیال کی دنیا میں تھی باہر ایک سہیلی مجھے نعش دیکھنے کے لئے بلا رہی تھی بہت دیر کے

بعد مجھے اس کی آواز سنائی دی مگر ضمیر نے پاؤں تھامے ہوئے تھے بول نہ سکتی تھی صرف سر ہلا کر اشارہ کر دیا کہ نعش جا کر دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں میں خود نہیں گئی مگر بعد میں سنا کہ خاوند کی لاش پر عورتیں بیوی کو سہارا دے کر لائیں وہ چیخی نہ روئی پاس بیٹھ کر اطمینان سے بولی تم ناراض کس بات پر ہو بولتے کیوں نہیں جس نے سنا رو دیا لوگوں نے روتے دیکھا وہ ہنس دی اور سب کے سامنے اٹھ کر ہاتھ باندھ کر کہا۔ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ وہ روٹھ گئے ہیں میں خود ہی مناؤں گی جب لوگ نہ گئے اور رونے لگے تو وہ غصے میں آ گئی اور خفا ہو کر پوچھا کیوں تمہارا کوئی مر گیا ہے؟ روتے ہو! پھر لکڑی اٹھا کر لوگوں کو مارنے لگی کہ جاؤ جاتے نہیں؟ یہاں کوئی تماشا ہے وہ روٹھ گئے ہیں تو میں خود ہی مناؤں گی تمہیں کیا؟ لوگوں نے ہاتھ سے لکڑی چھین لی اور کہا۔ ''یہ تو پگلی ہو گئی ہے!''

جب لوگ کفن پہنانے لگے وہ پکاری کہ تم سب جاؤ۔ میں اپنے مالک کو خود ہی کپڑے بدلوا لوں گی آخر لوگوں نے اس کو کوٹھڑی میں بند کیا اور لاش کو لے کر چلے گئے۔ جوں ہی مجھے یہ دلخراش تفصیل معلوم ہوئی کیا بتاؤں میری کیا کیفیت ہوئی مجھ سے کیا سنتے ہو خود ہی میرے حال کا اندازہ لگاؤ روئے زمین پر مجھ سے زیادہ روسیاہ بدنصیب کون ہو سکتا ہے؟ جس نے دو محبت کرنے والے دلوں کی بہشت سے زیادہ پر امن اور خوشگوار زندگی کو اپنی بہتان طرازیوں سے ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا۔ اب تو میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے قابل نہ رہی تھی سورج پوری آب و تاب سے چمکتا ہو گا مگر مجھے دھوپ پھیکی اور زرد معلوم ہوتی تھی ہر ہنسی فغان ماتم اور ہر آواز صدائے یاس بن گئی میرے دروازے کے ساتھ تو دروازہ تھا دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آئے تھے مگر میں اسے دیکھنے نہ گئی کیونکہ مجھ میں اسے نظر بھر کر دیکھنے کی جرات نہ تھی۔ ایک دن میری سہیلیوں نے باصرار کہا کہ جا کر دیکھ آؤ لیکن میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے صدمہ ہو گا انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ پگلی کی حالت عجیب ہو گئی ہے وہ اب بھی اپنے خیال میں خاوند کو زندہ سمجھتی ہے آج نہائی دھوئی سرمہ کنگھی کر کے بیٹھی ہے جو جاتا ہے اسے کہتی ہے کہ وہ کئی روز سے روٹھ کر چلے گئے ہیں آج آئیں گے تو میں پکڑ کر مناؤں گی۔ تم سب کہنا کہ اپنی لونڈی پر یہ عتاب اچھا نہیں کبھی اضطراب سے اٹھ کر دروازہ کی طرف جاتی ہے۔ سر باہر نکال کر گلی کی طرف دیکھتی ہے پھر کہتی ہے آج خیر ہو کہ بہت دیر ہو گئی ابھی تک آئے نہیں کس کو بھیجوں؟

الغرض وہ پگلی ہر صبح اٹھتی نیا لباس پہنتی خاوند کے لئے روٹی پکاتی اور اس کے انتظار میں چولھے کے پاس بیٹھ جاتی۔ پتا بھی ہلتا تو امید سے سر اٹھا کر دیکھتی کسی کو نہ پا کر مایوس ہو جاتی اس طرح وہ

مرجع خلق بن گئی۔ اور یہ افسانہ محبت زبان زد خلائق ہوا۔ میری حالت زیادہ قابل رحم ہو گئی دل درد پنہاں سے بیقرار تھا اور سینہ خوشیوں کا مزار تھا میں غم سے مر رہی تھی مگر کسی کو محرم غم بنانے کا حوصلہ نہ تھا یہ خوف کہ راز افشا کروں تو کیونکر؟ چھپائے رکھوں تو کیسے؟ یہ دو سوال عقدہ لاینحل ہو گئے ضمیر کی ملامتوں اور خیالات کی پریشانیوں نے میری رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر دیا دنیا دوزخ نظر آئی کیونکہ میرے دل کو ایسی آگ لگی تھی جو بجھ نہ سکتی تھی اگر دوزخ میں جا کر اس غلطی کی تلافی ہو سکتی تو دوزخ کو بہشت سمجھ کر قبول کر لیتی لیکن میں جانتی تھی کہ میری فتنہ پردازیوں نے دو انسانوں کے درمیان موت کی خلیج حائل کر دی ہے موت کا اعجاز نما ہاتھ ہی ان دونوں کو ملا سکتا ہے کوئی جتن اور سعی اب حالات کی درستی نہیں کر سکتی۔

میں نے واقعہ کو بھلانا چاہا مگر گناہ کی بار بار تکلیف دہ یاد ہی تو خدا نے دنیا میں گنہگار کی سزا رکھی ہے میں جتنا بھلاتی تھی اتنا ہی یاد آتا تھا۔

خودکشی:

میں نے عالم یاس میں ملال وغم سے بچنے کے لئے اپنا قصہ مختصر کرنے کا فیصلہ کیا جب میرا خاوند باہر گیا میں نے اس کی پگڑی نکالی چھت سے باندھی گلے میں ڈالی آہ زندگی! بے عیب محبوب زندگی! تو جو کبھی بہشت کی ٹھنڈی چھاؤں سے زیادہ فرحت افزا جنت کی ہواؤں سے زیادہ روح پرور تھی۔ کوثر وتسنیم کے پانیوں سے نہانے والی حوروں سے زیادہ دلکش تھی آج تجھ میں تاریکیاں ہیں ہزاروں بلائیں ہیں جہنم کے چھوٹے بڑے شیطان ناچتے دکھائی دیتے ہیں ایسی زندگی کو میں ختم کروں گا میں مرجانا چاہتی تھی لیکن حوصلے نے جواب دے دیا میں اونچی چوکی پر کھڑی تھی پگڑی گلے سے نکال دی گھٹائیں آسمان پر چھائیں سفید بگلے کالی گھٹا میں اڑنے لگے سیندوری آم لٹک رہے تھے طوطے کبھی بیٹھتے تھے کبھی اڑتے تھے دروازہ بند تھا مکان تاریک میں ڈر کر باہر آئی ایک سال پہلے کا واقعہ یاد آ گیا یہی موقع تھا اسی صحن میں عورتیں جھولا جھولنے کے لئے آئی تھیں اس معصوم بچی نے بھولے پن سے ایک بات کہہ دی تھی میں نے اس جگہ کھڑے ہو کر انتقام کا عہد کیا تھا سال ختم ہو گیا میرا انتقام پورا ہو گیا کیا میں خوش ہوں نہیں دنیا میں سب سے زیادہ ماتم زدہ اور سوگوار عورتیں ابھی آ رہی ہوں گی وہ جھولا ڈالیں گی آہ! میں انہیں کن آنکھوں سے دیکھوں گی پھر مایوسی اور غم نے مجھے گھیر لیا میں نے کہا کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے دوزخ میں اس سے کہیں زیادہ اطمینان ہو گا میں اس پریشانی اور مایوسی کو برداشت نہیں کر سکتی جوش کے عالم میں اندر گئی پگڑی چھت سے لٹک رہی تھی

اتفاق کی بات تھی کہ اس پگڑی کا رنگ سرخ تھا میں نے کہا اے خونی سرخ پگڑی ایک ہمسایہ کا خون کیا اب میری جان بھی لے یہ کہہ کر میں نے دروازہ بند کیا۔ پگڑی گلے میں ڈالی جسم پر موت کے خوف سے لرزہ طاری ہو گیا گلے سے پھندا نکال کر پھر الگ کھڑی ہو گئی آہ! موت باوجود دنیا کی مصیبتوں کے میں تجھے قبول نہیں کر سکتی لعنت ہے مجھ پر کہ میں معمولی بات کے لئے ایک نوجوان کو ایسی خوفناک موت کے گھاٹ اتارنے کا باعث ہوئی۔ ندامت طوفان کی طرح امنڈ آئی میں اس میں مایوس ہو کر غرق ہو گئی پگڑی کو پکڑ کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی ندامت اور مایوسی مل کر بزدلوں میں بھی شیر کا حوصلہ پیدا کر دیتی ہیں میں نے پھر دل سے کہا کہ دوسروں کی جان لینے میں وہ عجلت اور اپنی جان دینے میں یہ پس وپیش؟ ظالم! ایسی ہی عزیز اس شخص کی زندگی بھی تھی جو ندامت اور مایوسی سے ڈوب مرا۔

اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے گلے میں پھندا ڈالا۔ جلدی سے جھٹکا دیا اور اپنا کام تمام کر لیا جان کنی کی مصیبت اور موت کی کہانی کو تو اس دنیا والے سب جانتے ہیں اسے کیا دہراؤں البتہ اعمالنامہ کی ابتدائی تحریر آپ کو سناؤں تاکہ معلوم ہو کہ میں نے کیا سمجھا تھا۔ یہاں کیا دیکھا۔ میرے خلاف اس خوفناک جرم سے زیادہ سنگین الزام یہ تھا کہ میں نے خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر خودکشی کی۔ اے کاش دنیا والوں کو کوئی میری سرگزشت سنائے اور مایوس ہو کر خودکشی کرنے سے ڈرائے میرے اعمالنامہ میں جو مرقوم ہے سنو:

''گناہوں سے ندامت توبہ کی قبولیت کا ثبوت ہے جو کیے پر نادم ہو کر اصلاح کا عہد کرتا ہے اسے موقع سے محروم نہیں کیا جاتا۔ وہ آواز جس نے کہا کہ توبہ کے دروازے بند ہو گئے۔ اور خدا نے معافی کا قلم ہاتھ سے رکھ دیا ہے شیطان کی آواز تھی۔ خدا آخری سانس تک مرنے والے کے قلب کو دیکھتا ہے جو سچے دل سے توبہ کر کے خلق سے حسن سلوک کا عہد کرتا ہے۔ وہ بخش دیا جاتا ہے لاتعداد لوگ ایسے تھے جنہوں نے گناہ کر کے توبہ کی۔ اور باقی زندگی خدمت خلق میں گزاری ان کے گناہ سے نیکیاں بڑھ گئیں۔ اور فلاح پائی تیری ندامت نے توبہ کے دروازے کھول دیئے تھے مایوسیوں کے تاریک پردے کی وجہ سے تو دیکھ نہ سکی اور گھبرا کر خودکشی کر لی اگر توبہ میں ثابت قدم رہتی خلق خدا کی بھلائی کی کوشش کرتی تو تیرا بال بیکا نہ ہوتا اور تو بخش دی جاتی مگر شیطان نے تجھے بہکایا اور کہا کہ توبہ کے دروازے بند ہو گئے خدا نے معافی کا قلم ہاتھ سے رکھ دیا ہے حوروں نے امید کے پیمانے میں اطمینان کی جو شراب بھری تھی وہ بہہ گئی حالانکہ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب تو نے پھانسی کا پھندا اپنی گردن میں ڈالا حوروں نے تیری مایوسانہ خودکشی پر سر پیٹا اور ناچار وہ پیمانہ زمین پر پٹک دیا گیا۔''

اے عاقبت نااندیش عورت! خوفزدہ بچہ جب ماں کی آغوش عافیت میں پناہ لینے آتا ہے تو ماں کی گود کو ہمیشہ قبول کرنے کے لیے مستعد پاتا ہے جب خدا کا نیک بندہ اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ بدترین گناہگار کے لئے مغفرت کی دعا کرے تو تو نے خیال نہ کیا کہ خالق جو سب خوبیوں کا خلاق ہے وہ کیسے گنہگاروں کی خواہش عفو کو مسترد کرسکتا ہے۔ آج تک خدا کے حضور مظلوم کی آہ اور ظالم کے اشک ندامت کب اثر سے خالی رہے۔ مگر تو نے دنیا کے باغ میں بوقلموں میووں میں سے صرف مایوسی اور گناہ کا پھل چکھا ہے اس لئے اب اس کی سزا بھگت نادان عورت! اگر گناہ کے بعد توبہ اور توبہ کے بعد انسان کی کوئی خدمت انجام دی ہوتی تو آج صورت حال کچھ اور ہی ہوتی۔ اعمال صالح کی توفیق خدا کے عفو کی ناقابل تردید شہادت ہے جو شخص توبہ کے بعد خلق خدا پر احسان کرنے میں ساعی ہوتا ہے اس کی سعی کو مشکور کیا جاتا ہے اگر تو بھی اس ابتلائے عظیم کو پیش نظر رکھ کر کوئی نیک کام کرتی تو تیرے عمل قبیح پر قلم عفو پھر جاتا اب بھی مایوس نہ ہو اس دنیا میں مخلوق کی بہتری کے لئے دعا کرتی رہ اور اس طرح اپنے آپ کو خلد بریں کے قابل بنا دیکھ خدا اب بھی آغوش محبت کھولے بیٹھا ہے حوریں اب بھی تیرے لئے دست بہ دعا ہیں فرشتے پھر تیری اصلاح کے لئے سجدہ ریز ہیں بس تو خدا سے مایوس نہ ہو خدا تجھ سے مایوس نہ ہوگا۔

غرض صاحبو! پانچ ہزار برس کی نظر بندی کا حکم تھا مگر میری محنت اور یکسوئی کے ازدیاد کو دیکھ کر پانچ سو سال کے بعد اب مجھے سنہری دنیا کے قابل سمجھا گیا ہے۔ آج وہ سعید روز ہے کہ آپ الوداع کہنے کے لئے آئے ہیں خدا آپ کو بھی یہ دن جلد دکھائے اور خدا کرے کہ اہل دنیا کو بھی اپنی ارضی حیات میں بہشت میں آنے اور رہنے کا ڈھنگ آ جائے تاکہ وہ سب اس عالم کی عقوبت اور دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔

میں نیک عمل سے مایوس اور خدا کی رحمت سے ناامید اہل دنیا کے حق میں دعائے خیر کرتا وہاں سے اٹھا ایک اور گروہ کی طرف آیا۔ یہاں بھی دنیا کی بیتی سننے کا شغل جاری تھا۔ ایک صاحب اپنا قصہ بیان کر رہے تھے۔ یکایک گھنٹی بجی سب لوگ کھڑے ہوئے ہم سب آہستہ آہستہ گاڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ عورتیں تہنیت کے گیت اور تقدیس کے نغمے گا رہی تھیں مرد بھی خدا کی عظمت اور برتری کے نعرے بلند کرتے ہوئے پیچھے پیچھے چلے انہوں نے گاڑی میں بیٹھ کر سب کو الوداع کہا گاڑی آہستہ آہستہ چل دی ہم نے پھول برسائے اور ہار پہنائے ان کو رخصت کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہم بھی اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ کبھی کبھی کے میلے گا ہے ماہے کا ملاپ کیسا پسندیدہ ہوتا

ہے مدت کی نظر بندی اور قید کی کلفت کے بعد یہ پہلا اجتماع محبوب کے محبت آمیز الفاظ کی طرف ایک خوشگوار اور دیرپا اثر چھوڑ گیا۔

میں شاداں و فرحاں گھر پہنچا۔ گویا ماہ صیام کے بعد عید کی نماز پڑھ کر واپس آیا ہوں۔ میں نے اپنے تاثرات اپنے بدخشانی دوست سے بیان کئے۔ قیدی کے لئے بھیڑ بھاڑ کا تصور کیسا دل کش اور فرحت افزا ہوتا ہے۔ وہ میرے بیان سے بہت محظوظ ہوا اور دیر تک میلے کے حسین تصورات میں کھویا رہا پھر بولا کاش ایسا موقع مجھے بھی نصیب ہوتا اس کے بعد بھی کئی روز تک وہی الوداعی تقریر موضوع گفتگو رہی تم جانتے ہو لذیذ کھانوں کا معمول لذت کام و دہن کو کم کرتا ہے۔ حسین سے حسین نظاروں کی روزانہ دید بتدریج ذوق تماشا کو ضائع کر دیتی ہے۔ اسی طرح ہر روز کے ایک ہی موضوع کلام میں بھی لطف نہ رہا۔

ایک روز دن نکلتے ہی گھنٹوں کی گوش آشنا میٹھی آواز سنائی دی فرشتے نے بھی آ کر بتایا اور اعمالنامہ میں بھی لکھا پایا کہ آج اجتماع عظیم ہے۔ میں خوشی سے جامے میں پھولے نہ سمایا چنانچہ کپڑے بدل کر تیار ہوا۔ آج وہ بدخشانی دوست بھی بنگلے کی طرح اجلا لباس پہن کے میلے میں جانے کے لئے خوش خوش آیا اور بولا کہ چلئے مجھے بھی اجازت مل گئی ہے ہم دونوں روانہ ہو گئے بقسی خوشی وہاں پہنچے لوگوں کے کثیر اژدحام اور رنگا رنگ کے لباس سے میدان گلزار معلوم ہوتا تھا آج رخصت ہونے والے مہمانوں کی کئی گاڑیاں بھری آ رہی تھیں پھر یک بیک بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ کا شور ہوا سب بدستور سابق سایہ دار درختوں کے نیچے کرسیوں پر آ بیٹھے۔ مجھ کو سابقہ مشاہدے کے خلاف اس دفعہ سامنے ایک بڑا سفید نورانی پردہ نظر آیا اور ہر ایک درخت میں بجلی کا ایک قمقمہ جگمگاتا دکھائی دیا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ آج دنیا کی چند محترم ہستیوں کا ظہور ہوگا اور وہ ہمیں پیغام محبت سنائیں گی۔

اگرچہ دن کی ابتدا اور مطلع صاف تھا مگر شام کی طرح تاریکی بڑھ رہی تھی آہستہ آہستہ بالکل اندھیرا چھا گیا اور بجلی کے قمقمے روشن ہو گئے۔ سارا جنگل بقعہ نور بن گیا آنکھوں کو یہ نظارہ بڑا بھایا لوگ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ یک بیک بجلی بجھ گئی اور ہش ہش کی آواز نے خاموشی کا عالم پیدا کر دیا سب کی نظریں سامنے پردے پر جم گئیں۔ ایسا معلوم ہوا گویا صبح صادق کا ظہور ہو گیا۔ ان کی نورانی صورتوں پر تبسم روحانی کھیل رہا تھا اور شرگیں آنکھوں سے حیا ٹپک رہی تھی وہ صاحبان علم و حلم کی طرح آہستہ آہستہ مسکرائے۔ منکسر المزاج لوگوں کی طرح فرش گیاہ پر بیٹھ گئے ہر طرف تاریکی تھی صرف ان کی چاندی صورتیں روشن نظر آتی تھیں۔

☆☆☆

باب چہارم

حضرت آدم علیہ السلام اور دوسری پاک روحوں کی آمد اور تقریریں

ان میں سے ایک نے اٹھ کر پہلے خدا کی حمد اور تقدیس بیان کی پھر ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ اے احباب واصحاب!

دنیا میں جو خدا کا پیغامبر بن کر گیا وہ یہی پکارا کہ خدمت خلق رحم سلوک معاملہ ہی مذہب کی جان ہے یہی خدا کا پیغام ہے لیکن امتیں متفرق ہو گئیں ہر پیغمبر کا بت بنایا گیا اور اس کے نام پر دنیا میں جنگیں کی گئیں پیغمبروں کو مانا مگر ان کی تعلیم سے انکار کیا عیسٰی دنیا کا بادشاہ نہ بنا تھا کہ امیر و غریب کا امتیاز اٹھ جائے وہ بھیڑوں سے بھی زیادہ بے کس اور سادہ لوح لوگوں کو بچاتا اس جہان سے رخصت ہوا پھر مسیح کے نام پر لوگ اٹھے بھیڑوں سے زیادہ کمزور اور بے ضرر لوگوں کو مصلوب کیا دونوں سے زیادہ خونخوار ہونے کے باوجود خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کا یقین لے کر مرے گوتم بدھ نے غریبوں میں شامل ہونے کے لیے تاج تخت چھوڑا اہنسا کو پرم دھرم کہا خدمت خلق کو ذریعہ نجات بتایا مگر لوگ برابر دم آزاری میں لگے رہے کرشن غریبوں کا بھوجن کھاتے پریم کی بنسری بجاتے پھرے لیکن دنیا داروں نے غریبوں سے محبت کا برتاؤ نہ کیا میں نے مساوات انسانی کی بنیاد ڈالی بادشاہت کا تاج سر پر نہ دھرا پیٹ بھر کر نہ کھایا مگر میرے امتی ہونے کے دعویداروں نے مساوات کو ترک کیا نسل اور خون کے امتیاز پر فخر کرنے لگے شہنشاہی کے تاج سر پر رکھے ہمسایہ فاقے مرا خود پیٹ بھر کر کھایا میرے قول اور عمل کے خلاف سب کچھ کیا مگر تاہم انہیں میری شفاعت کا پورا یقین رہا۔

قسم ہے خالق کی جو شخص مخلوق پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ جو دنیا میں لوگوں کی خدمت نہیں کرتا وہ آخرت میں اجر نہیں پائے گا مردو! جب تک تم خدمت خلق میں غلو نہ کرو گے تمہاری حورو ش بیبیاں جن کی نظریں جنت میں حیا سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ محبت بار آنکھوں کو اٹھا کر تمہیں نہ دیکھیں گی۔ اے بی بیو! تمہارے غلماں صفت بھولے بھالے خوبصورت بچے تب تک پیار سے تمہارے پاس نہ آئیں گے جب تک ان کو تمہاری نیکوکاری اور پرہیزگاری کا یقین نہ ہوگا۔ یہ

نیکوکاری اور پرہیزگاری کیا ہے فقط لوگوں کی خدمت کرنا اور معصیت سے باز رہنا لوگو انصاف برتنا اور رحم کرنا سیکھو انصاف یہ نہیں کہ امیر دستر خوان پر بیٹھ کر مرغن غذائیں اڑائے اور غریب ریزہ چیننی کی امید پر دھوپ میں کھڑا سوکھے یا جاڑے میں ٹھٹھرتا رہے امیر فاخرہ لباس پہن کر نکلے غریب حیرت واستعجاب سے اس کو دیکھے صاحب زر جب نادار کو کچھ دیتا ہے تو تکبر سے اکڑتا ہے کہ اس نے بڑی نیکی کی ہے حالانکہ اس کے اس عمل کی مثال اس لٹیرے کی سی ہے جو پہلے بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو لوٹتا ہے پھر اس لوٹ میں سے ایک فیصد واپس کر کے فخر کرتا ہے کہ اس نے بڑی نیکی کی چند آدمی جو بہت سارو پیہ جمع کرتے ہیں کثیر التعداد آدمیوں کا حق غصب کرتے ہیں پیدا ہوتے وقت انسان ننگا اور خالی ہاتھ آتا ہے۔ خدا کی زمین جو مخلوق کی یکساں ملکیت ہے اس میں ہوشیار آدمی اپنے جائز حق سے زیادہ حاصل کرتا ہے سیدھے سادے لوگوں کو فریب دیتا ہے غاصب حقوق ہو کر امیر کہلاتا ہے۔ البتہ وہ امیر جو موت سے پہلے خود پیدا کی ہوئی جائیداد لوگوں کی بہبود کے لئے چھوڑ جائے منصف ہے۔

اے لوگو! مذہب کی روح خدمت سلوک اور معاملہ ہے۔ نماز اور وظائف محرکات میں سے ہیں حق اللہ سے حق العباد کو زیادہ مقدم سمجھو کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ بلکہ بے ریا خدمت سے اپنی جگہ بہشت میں بناؤ خدا کی خوشنودی کو دکھاوے کی نمازوں اور ریا کے سجدوں سے خریدنے کی بے سود کوشش نہ کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک انسان مظلوم کے لئے اپنا خون گرا کر بیکسوں کے لئے پسینہ بہا کر کوئی آبدار تحفہ اپنے مالک کے لئے نہیں لے جاتا خدا اس کی خالی نمازوں اور عبادتوں پر توجہ نہیں فرماتا۔ نمازیں میں نے بھی پڑھی ہیں اور پڑھائی ہیں تاکہ لوگوں کی ہمت بڑھے اور شوق خدمت ترقی کرے۔ لیکن جب نماز پڑھی اور خدا کو یاد کیا مخلوق کی خدمت کا نیا عزم لے کر نکلے۔ ابو بکرؓ نے نماز پڑھی اثاث البیت بیت المال میں جمع کر کے اسلام میں امیر و غریب کا امتیاز مٹایا۔ باوجود حکومت کے فاقہ مستی اور تنگ دستی سے بسر کی۔ مگر کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ حاکم وقت مجھ سے بہتر حال میں ہے۔ نیکی کی ابتداء یہ ہے کہ آدمی رات دن محنت کر کے کمائے لیکن اپنی ذات پر ایک غریب سے زیادہ خرچ نہ کرے موت سے پہلے سب مال و منال قوم کے سپرد کر جائے۔

خدا جو سب انسانوں کا پروردگار ہے اپنے کنبے میں امیر و غریب کی مغائرت کا متحمل نہیں ایک بھائی گلچھرے اڑائے اور دوسرا فاقے اٹھائے۔ اس دردناک نظارے کو کوئی باپ برداشت نہیں کر

سکتا خدا جو سب انسانوں کا یکساں باپ (سے زیادہ مہربان) ہے ایسی تفریق کو پسند نہیں کر سکتا امیر وغریب کا امتیاز قائم رکھ کر نیکیاں مشتبہ اور گناہ یقینی ہو جاتے ہیں اے عزیز و! اپنے آرام و آسائش کے لیے محنت نہ کرو بلکہ قوم اور ملک کی مشترکہ دولت میں اضافہ کرنے کے لئے خون اور پسینہ بہاؤ۔ انسانوں میں سے سیاسی نسلی مالی امتیاز کو مٹاؤ۔ امتیاز سے انسانوں میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ خدا متکبر کا دشمن ہے سلوک اور معاملے سے نیکی اور بدی کو پہچانو جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ایذا رسائی سے باز رہنے والے اور حسن سلوک سے لوگوں کو خوش کرنے والا ہے۔ وہی اللہ کے نزدیک ممتاز اور بڑا ہے۔ لوگو! محنت کر کے کھاؤ پیغمبروں کے حالات زندگی کی روشنی میں اپنے اعمال کو جانچو۔ ان کی مشترکہ خصوصیت یہ تھی کہ سب کے سب جفاکش اور محنتی تھے رزق کماتے تھے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔

پیغمبروں اور نیکو کاروں کا دل کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ جب تک انسان دنیا میں بھوکا ہے وہ پیٹ بھر کر کھائیں یا سرمایہ داروں کی طرح محنت کر کے خود کچھ نہ کمائیں اور سود اور منافع کے حیلے اور بہانے سے دوسروں کی کمائی کھائیں وہ اولاد کے لئے ترکہ نہیں چھوڑتے مبادا سرمایہ داری سنت قرار دی جائے اور صاف دل مزدور اور سادہ لوح کسان کی کمائی ہوشیار سرمایہ دار کھا جائے۔ اے صاحب زر اور تاجر لوگو! خدا پر یہ بہتان نہ باندھو کہ اس نے شاہ و رعایا امیر وغریب آقا و غلام کا امتیاز قائم کیا۔ یہ تو چالاک اور نفس پرور آدمیوں کی ابلہ فریبیاں ہیں پیغمبر جو اہل دنیا کے لئے مشعل ہدایت تھے ان میں سے نہ کوئی شاہ نہ کوئی امیر اور آقا تھا انہوں نے نسل رنگ آقا و غلام شاہ اور رعایا کے امتیاز کو مٹا کر خدمت اور محبت کی اساس پر عالم کی بنیاد ڈالی جس نے زیادہ خدمت کی وہی بڑا مخدوم ہوا۔ جس نے مخلوق سے محبت کی وہ مخلوق کا محبوب ٹھہرا۔ اے لوگو! خدا سے ڈرو۔ کمزوروں سے نہ لڑو۔ خدمت اور محبت کا سلوک کرو نسل آدم کے امتیازات کو مٹاؤ محنت سے کماؤ بانٹ کر کھاؤ یہی پرہیزگاری اور اصل عبادت ہے۔

اے ہادیان دین! لوگوں کو تھوڑی عبادت سکھاؤ اور عمل کرنے پر زیادہ زور دو اے لوگو! نماز پڑھو وظیفے چھوڑو اللہ کا فضل ڈھونڈنے کے لئے نکل جاؤ اللہ کا فضل کیا ہے؟ محنت سے کمانا اور خدمت خلق میں مصروف ہو جانا قوم کے بچوں کی تعلیم صحت اور صفائی کی کوشش کرنا ہر شخص کے لئے ترقی آرام و آسائش خوشی اور راحت کے یکساں مواقع بہم پہنچانے میں ساعی ہونا۔ اے لوگو اللہ کا فضل ڈھونڈو اور بھائیوں کی خدمت کا موقع تلاش کرو۔ اے لوگو! جو بہشت میں رہنا چاہتے ہو تو جنتیوں کی

عادتیں اختیار کرو۔ وہ عادتیں کیا ہیں؟ سب کی خدمت کے لئے مستعد رہنا کسی کو زبان سے بھی آزار نہ پہنچانا دوسروں کو خوش کرنے کے لئے خود تکلیف اٹھانا۔ اے وہ شخص جو مرض الموت میں مبتلا ہے تو اگر سفر زندگی ختم کر چکا تو کیا ہوا مایوس نہ ہو آخری لمحے میں توبہ کر۔ ہاتھ پاؤں سے عاری ہو گیا ہے تو زبان سے مخلوق کی بہتری کی دعا کر۔ زبان ساکت ہے تو بنی نوع انسان کی خدمت کا تصور باندھ نیک عمل اور نیک خیال ہی کی جنت کی سنہری دنیا میں گنجائش ہے۔ مفسد اور شریر وہاں گزر نہ پائیں گے وہی خلد میں داخل کیا جائے گا جو مخلوق کو نہ ستائے یا اس نے گناہ کیا ہو تو اس پر اصرار نہ کرے یا اس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے بہت زیادہ ہوں یا موت سے پہلے برائیوں سے تائب ہو کر نیک عمل یا کم از کم نیک دعاؤں اور نیک خیالات میں مصروف ہو جائے اعمال صالح کے بعد خیر اندیشی کا درجہ ہے اچھے عمل نہ ہوں تو نیت ہی نیک لے کر جائے۔

اے مخاطب دوستو! دنیائے عمل کا زریں موقع تم نے کھو دیا۔ اس عالم خیال میں عمل کی اتنی گنجائش نہیں اپنے خیال کی اصلاح کرو خیر اندیشی سے کام لو ہمیشہ مخلوق کی بہتری کا خیال رکھو تاکہ جب بہشت میں جانے کا موقع آئے تو نیت میں فساد نہ آنے پائے بیشک یہ پابندیاں لمبی اور سخت دردناک ہیں مگر عفو عام کا افسوسناک تجربہ جو ہو چکا ہے اس کی بنا پر خداوند تعالیٰ کی مشیت میں دخل دینے کی جرأت نہیں ہوتی ورنہ دعاؤں اور التجاؤں سے اس کے رحم سے اپیل کی جاتی کہ گنہگاروں کی بخشش کر۔ اس عفو عام کی اندوہناک کہانی ہمارے جد امجد آپ کو سنائیں گے امید ہے کہ خدا کے انصاف کے متعلق تمہیں شکایت کی گنجائش نہ ہوگی۔

☆☆☆

حضرت آدم علیہ السلام کی تقریر

خطیب لبیب اپنی جگہ پر تشریف فرما ہوئے اور ان حضرات میں سے ایک بزرگ خضر صورت نیک سیرت کھڑے ہوئے۔ بڑھاپے سے ان کے پاؤں نہیں اٹھتے تھے رعشہ سے ہاتھ کانپتے تھے اور سر کی جنبش مسلسل دائرے بنا رہی تھی۔ انہوں نے بلند آواز میں خدا کی بزرگی بیان کی اور کہا۔" اے بچو! میرے فرزند ارجمند نے مختصر طور سے بیان کر دیا ہے کہ مذہب کی روح حق العباد کی نگہداشت اور اہل عالم سے عمدہ سلوک اور محبت ہے جو اس اصول کو مدنظر نہیں رکھتا وہ اب بہشت میں نہیں جا سکتا۔ اس لئے اب کہتا ہوں کہ جب میری توبہ قبول ہوئی اور میں زندگی کی منزل پوری کر کے بہشت میں داخل ہوا تو جنت کی جدائی کے تلخ تجربے سے مجبور ہو کر میں نے تڑپ تڑپ کر دعائیں مانگیں کہ خدایا میری اولاد میں گنہگار بھی بہشت کی بخشش سے محروم نہ رہیں۔"

پرانی بہشت:

رحمت حق تو ہمیشہ بہانے کی متلاشی رہتی ہے میری دعائیں اور سجدے منظور ہوئے۔ گنہگار اور نیکوکار دونوں بہشت میں داخل کئے گئے مگر گنہگاروں کی بری خصلتیں جو دنیا میں اخذ کی تھیں رنگ لائیں باوجود اس کے کہ انہیں میری اولاد ہونے کا اعتراف تھا اور بہشت کی سبزوادیاں ان پر برابر تقسیم کی گئی تھیں پھر بھی انہوں نے ملکیت پر جھگڑے شروع کر دیئے۔ ایک دوسرے کا حق دبانے لگے جو لوگ دنیا میں بھی مالدار تھے وہ اپنی سرمایہ دارانہ عادتوں سے باز نہ آئے حیلہ اور بہانہ سے سادہ لوح لوگوں کو لوٹا طاقتوروں نے کمزوروں کا حق دبایا جنہیں حکومت کی لت پڑ چکی تھی انہوں نے عجب جوڑ توڑ وعدے وعید کر کے حکمت سے گروہ بندیاں شروع کیں اور آوارہ لوگوں کو شامل کر کے کمزوروں کو لوٹنا شروع کیا پہلے سردار جماعت بنے پھر سریرآرائے تخت ہوئے پھر شہنشاہی کا تاج سر پر پہن کر اپنے بھائیوں کو غلام بنایا سارے مدنی حقوق کا نفاذ ان کی ذات سے وابستہ ہوا۔ امراء وزراء نے مزے اڑائے غرباء کا کچومر نکلا سب غریب روتے میرے پاس آئے کہ بابا جان ہماری جان سرمایہ داری کے عذاب سے بچاؤ دنیا میں اسی خیال پر روزے رکھے تھے کہ آخرت میں پیٹ بھر

کر ملے گا۔ ہمارے لئے تو یہ جنت بھی دوزخ ہو گئی یہاں تو دنیا سے زیادہ عذاب ہے۔ جو غریبوں کا خون چوستے ہیں اور لاکھوں کو لوٹتے ہیں وہ یہاں بھی ساہوکار اور سردار کہلاتے ہیں۔

میں نے ہزار سمجھایا کہ جان پدر! تم سب میری اولاد ہو بانٹ کر کھاؤ ایک دوسرے کو نہ ستاؤ بھائی کو سزاوار نہیں کہ بھائی کا حق دبائے یا اس کو ستائے۔ دیکھو میری جان آپس میں نہ لڑو بلکہ ایک دوسرے کی خدمت کرو تم میں امیر غریب چھوت اچھوت آقا غلام نہ ہونے چاہئیں۔ میری اولاد میں بڑے بڑے فلسفی سرمایہ دار پیدا ہو گئے تھے انہوں نے کہا بابا جان! تم اچھے زمانہ کی پرانی نشانی ہو۔ آثار صنادید کے طور پر اپنے مکان میں محفوظ رہو۔ وہاں آپ کے دیدار فیض آثار سے بہرہ اندوز ہولیا کریں گے۔ یہ سادہ لوح عقلمندوں کی دنیا میں کیوں آباد ہیں کمزور طاقتوروں کے پڑوس میں کیوں رہتے ہیں بلی کے پاس چوہا بسیرا کرے گا تو جان گنوائے گا سانپ کے بل میں مینڈک جائے تو ہضم ہو جائے گا۔ یہ آئین عالم اور سنت باری تعالیٰ ہے کہ بڑی مچھلی چھوٹی کو کھا جائے اور بڑے پیڑ کے پاس چھوٹا پودا پلنے نہ پائے عقل دام مکر پھیلاتی ہے فریب سے سادہ لوح کو بلاتی ہے اور پھانس لیتی ہے عقل کی غیر مساوی تقسیم کا ذمہ دار خدا ہے خدا کے قانون کے خلاف اعتراض بابا جان ٹھیک نہیں تم پہلے بھی نافرمانی کر کے بہشت سے نکلے تھے ہمیں تمہاری طرف سے اب بھی یہی احتمال رہتا ہے کہ خدا کے قانون کی اصلاح کی سعی میں کوئی اور دنیا آباد کرنے کا پاسپورٹ نہ لے لو۔

یہ بزرگ پہلے نافرمانی کر کے سزا پا چکا تھا یہ تقریر سن کر ڈر گیا اور معتکف ہو کر اللہ اللہ کرنے لگا تھوڑی ہی مدت میں گنہگاروں نے نیکوکاروں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا زرداروں نے ناداروں کی فوج میں بھرتی کر کے لڑائیاں شروع کیں بہشت میں موت کا گزر کہاں مگر خوب سر پھٹول ہوئی۔ حالات سے تنگ آ کر نیکوکاروں نے متفق ہو کر خدا سے شکایت کی۔ کہ بار خدایا! دنیا میں جنت کے سبز باغ دکھا کر اب عجیب مصیبت میں پھنسایا اور دنیا اور آخرت دونوں جگہ آرام ہم غریبوں پر حرام رہا اپنے نام کا واسطہ اپنا وعدہ پورا کر حکم ہوا کہ آدم کی پیاری اولاد ہم نے یہ بہشت کی خوبصورت بستی صرف تیری آسائش کے لئے بنائی تھی مگر تیرے باپ کی محبت پدری نے گوارا نہ کیا کہ کچھ بچے سزا اٹھائیں اور کچھ سنہری خوبصورت بستی کی سیر کریں لامحالہ تمہارے حق میں سے ان کو حصہ دیا گیا اب انہوں نے تم کو بالکل محروم کر دیا تم اسی طرح روتے اپنے جدامجد کے پاس جاؤ اسے لے کر جلدی مشرق کی سمت ہجرت کر جاؤ۔ عنقریب یہ جگہ آگ کا سمندر بنا دی جائے گی۔ یہاں سے ایک گنہگار ہستی بھی رہائی نہ پائے گا چنانچہ سب نیکوکار وہاں سے چل دیئے گنہگاروں نے خوشی کے نعرے

لگے جس طرح رشتہ دار کی موت پر املاک میں اضافہ بعض شقی القلب انسانوں کی مسرت کا باعث ہوتا ہے وہ بھی نہال ہو گئے کیونکہ اب ان میں سے ایک ایک کی املاک میلوں تک پھیل گئی تھیں مگر حریص کی چشم تنگ کو صرف قناعت پر کر سکتی ہے باوجود اضافہ ملکیت کے حرص اور بڑھی۔

بھلے برے آدمیوں کی مشترکہ آبادی میں نظام کا قیام اور قانون کا احترام ممکن ہے مگر خاص مجرموں کی بستی کا قیاس کرو جہاں ایک بھی نیک عمل اور نیک نیت نہ ہو وہاں امن اور قانون کی کیا کیفیت ہو گی جب سب نیکو کار وہاں سے ہجرت کر گئے تو وہاں ایک قیامت بپا ہوئی کوئی برائیوں کو روکنے والا نہ رہا آرام طلبوں کی بستی میں فصل کون بوئے کس کس چور سے بچائے باپ بیٹے کو اندر سے کوئی چیز اٹھانے کے لئے کہے تو وہ چیز تو اٹھا کر لا دیتا مگر ایک آدھ اور چیز بھی ساتھ ہی چرا لیتا تھا ہر ایک دوسرے کی چیز چرانے جاتا تھا واپس آتا تو اپنی گم پاتا تھا دوست دوست سے ملنے آتا آنکھ بچی تو کوئی چھوٹی موٹی چیز بغل میں دبا کر نکل جاتا تھا جب دوسرا محبت سے مجبور ہو کر جاتا تو وہ بھی آتا کچھ نہ کچھ جیب میں ڈال لاتا تھا غرض تحفہ تحائف سے دوستوں کا دل خوش کرنے کے بجائے چوری چکاری سے احباب کی طبیعت مکدر ہوئی کسی کو کسی پر اعتبار نہ تھا بہن بھائی کی محبت اور شفقت افسانہ ہو گئی بہن بھائی کے جائے یا بھائی بہن کے آئے ایک دوسرے کو سرقہ کا گمان ہوتا تھا کیونکہ میل ملاپ محبت پر مبنی نہ رہا تھا جہاں ذرا سی تکرار ہوئی وہاں لوگ بھاگے جاتے جھگڑا چکانے کی بجائے فریقین کو بھڑکاتے اور اکسا اکسا اور چکا چکا کر لڑاتے تھے بازاروں میں ہر وقت جوتا چلتا تھا راہ گزروں کی پگڑیوں پر چپکے سے چھچھڑے رکھ دیتے تھے چیلیں جھپٹتی تھیں پگڑیاں اچھلتی تھیں بے عزتی کے اس نظارے سے سب خوش ہوتے تھے چلتے چلتے بے خبری میں دھول مار کر بھاگ جانا تو معمول تھا خوشی اور محبت سے رنگ نہ اڑاتے تھے بلکہ ایک دوسرے کے اوپر غلاظت گراتے تھے ایک محلے سے دوسرے محلے تک جانا گویا منزلوں کی مسافت طے کرنا تھا۔

فصلیں تباہ باغ ویران بازار بے رونق ہو گئے عورتیں تو کجا مردوں کا باہر نکلنا مشکل ہو گیا۔ یوں تو سب کے سب مصیبت میں مبتلا تھے مگر شرارت سے باز پھر بھی نہ آتے تھے ایک دوسرے پر مل کر ڈاکہ ڈالنے والے تو سب تھے لیکن مل کر مدافعت کرنے والا ایک نہ تھا رات کی نیند اور دن کا آرام سب پر حرام تھا تاہم کوئی کلمہ خیر کہنے والا نہ تھا۔ کوئی طاقتور کمزور کو مارتا تو وہ کمزور ایک کمزور تر راہ گیر کو پکڑ کر پچھاڑتا جو باہر سے مار کھا کر گھر جاتا وہ بیچاری بیوی پر ہاتھ اٹھاتا غصے کی آگ کو بے موقع طاقت کے استعمال سے فرو کرتے لیکن صبر نہ کرتے تھے۔

نئی بہشت:

ادھر کرم خداوندی نے سمت مشرق میں ہمیں ایسی سرزمین عطا کی جس کی زرخیزی قوت بیان سے باہر تھی نیکوکاروں نے آہستہ آہستہ اس کو آباد کیا۔ جنگل کو کاٹ کر گلزار بنایا زمین کا جگر چیر کر نہریں نکالیں سونے کے پہاڑ توڑ کر فرش بچھایا لعل ویاقوت کی سلیں نکال کر مکان بنائے درختوں اور پودوں میں نشوونما کا یہ عالم تھا کہ جتنا کاٹو توڑو اتنا بڑھتے تھے کچھ طبیعتوں میں قناعت کچھ پیداوار کی فراوانی محبت کے سلوک اور مشقت کی عادت نے مل جل کر نئی بہشت بسائی جہاں فتنہ وفساد کا نام نہ تھا خدمت اور انسان کی کوشش نے ہر دل کو غم سے دور اور خوشیوں سے معمور کر رکھا تھا اس دنیا کا نام بعض نے سنہری دنیا رکھا بعض اس کو اسی پرانے محبوب نام پر بہشت کہتے ہیں یہ جگہ خلد اور جنت کے ناموں سے مشہور ہے۔ پرانے بہشت کے سرمایہ دار اور حکومت پسند باشندوں کی حریص نگاہیں ہماری طرف اٹھنا شروع ہوئیں پرانے بہشت کی عام آزادی چاہتی تھی کہ ان کے اپنے مشاغل میں فرق نہ آئے۔ اور ہمارے پسینے کی کمائی لوٹ نہ کھائیں نئے بہشت کی نیکوکاری پر خوف وہراس چھا گیا سلب آزادی اور غصب املاک کا یقین ہوگیا۔

دوزخ کیونکر تیار ہوا:

انہوں نے زاری اور الحاح سے دعا مانگی وہ منظور ہوئی اور حکم ہوا کہ مطمئن رہو اب یہ شرارت کا موقع نہ پائیں گے اور تم پر ہاتھ نہ اٹھائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا پرانے بہشت والے نئے بہشت کی تقسیم پر متفق نہ ہو سکے بلکہ چڑھائی کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے گلوگیر ہوئے سائنس دانوں نے ہلاکت خیزی کے سامان ایجاد کیے اژدر توپوں نے آگ اگلنا شروع کی زہریلی گیسوں سے کرہ ہوائی کو مسموم کر دیا گیا طرفین نے آنکھوں سے پانی جاری کرنے اور ناک سے خون رواں کرنے والے دھوئیں چھوڑے۔ موت تو ایک ہی دفعہ مقدر ہے سو آ چکی تھی۔ اسی لئے باوجود ہلاکت ساما نیوں کے موت واقع نہ ہوتی تھی۔ مگر پرانے بہشت کی ساری آبادی مبتلائے مصیبت ہوگئی صلح عفو سلوک محبت احسان تو انہوں نے دنیا میں نہ سیکھا تھا۔ اب ان سے اس کی امید کیا تھی کوئی فریق مر کر ختم نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہر روز ایک دوسرے کے لئے نئی اذیت کی صورت سوچتے تھے پھر فریقین نے آتش گیر مادہ اور زہریلی گیس کی آمیزش سے سانپ اور بچھو بنائے۔ جو جسم کے ساتھ چمٹ جاتے تھے۔ آتش گیر مادے سے زخم ہوتا گیس زخموں میں زہر بھر دیتی تھی۔ اور ساری عمر وہ

ناسور رستا رہتا تھا جوں جوں مہینے سال صدیاں گزرتی گئیں آلات ایذا رسانی میں اضافہ ہوتا گیا انتقام انتقام ہر شخص کی زبان پر تھا۔ یہی وہ جذبہ ہے جو دنیا میں گنہگار کے دل میں پرورش پاتا ہے۔

اول اول تو نئی بہشت بسانے والوں کو اندیشہ رہا کہ شاید وہ باہمی جنگ سے اکتا اکتا کر ہمارے درپے آزار ہوں بالآخر یقین آ گیا کہ شریروں میں صلح ممکن نہیں دنیا میں انہوں نے فساد میں خوشی حاصل کی تھی وہ جب تک زندہ ہیں ایک دوسرے کی موت کے سامان ڈھونڈتے رہیں گے۔ غرض جوں جوں مدت گزرتی گئی آتش انتقام بھڑکتی گئی عناد کے شعلے اور زیادہ بلند ہوتے گئے۔ انسانی عقل نے ایذا رسانی کی۔ اختراع میں کمال کر دکھایا اول اور پہاڑوں کے پتھروں کو ملا کر مشینوں کے ذریعہ سے پگھلایا اور دریا کے پانیوں کی طرح مخالفوں کی طرف بہایا جو جو اس کی لپیٹ میں آیا اس کی جلد جلی چربی نکل آئی یہ کیمیائی مادہ اتنا تیز رو اور کھولتا ابلتا جاتا تھا کہ دیکھ کر ڈر آتا تھا یہ لاوہ بہہ کر نشیب میں آیا پہلے ایک چھوٹی جھیل بنی پھر بڑھ بڑھ کر خلیج ہوگئی آخر لاوے کا سمندر متلاطم ہوا تاہم طرفین کی آتش انتقام فرو نہ ہوئی۔ طرفین کے بلند عقل اور صاحب علم سائنس دانوں نے اور غضب ڈھایا۔ کہ اس لاوے میں پانی سے زیادہ رقیق ریڈیم کی قیمت کے جوہر ملائے جس سے وہ مادہ مستقل طور سے سیال اور ابلتا کھولتا رہنے لگا اور برف باری میں بھی اس کا ٹھنڈا ہونا ممکن نہ تھا ان کی ضرر رسانیوں اور ستم کوشیوں نے یہ صورت اختیار کی کہ اسیران جنگ کو اس آتشیں سمندر میں گرانا شروع کیا گرنے والوں کے منہ سے آہ و بکا نکلتی تھی شور و فغاں سے قیامت برپا ہوتی تھی مگر ان کے حال پر کسی کو رحم نہ آتا تھا کیونکہ رحم کرنا تو ان میں سے ایک نے بھی نہ سیکھا تھا۔

جلد جلی چربی نکلی پگھلی پنجر رہ گیا گویا وہ مقام چلتے پھرتے مردوں کا پرانا میوزیم تھا۔ ان کو دیکھ کر انسان کو خوف آتا تھا۔ جسم کی ہڈیوں اور رگ و ریشہ میں عجب خاصیت پیدا ہوگئی کہ اس آگ سے اس پر اثر نہ ہوتا تھا۔ ان اسیران جنگ کی عناد پرور طبیعت میں آگ میں پڑ کر بھی خیال جنگ و جدل جاری رہا دھاڑیں مار مار کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے تھے چیختے چلاتے کاٹ کھانے کو آتے تھے پہاڑوں کے سب پتھر پانی کی طرح بہہ نکلے قریبا ساری وہ زمین لاوے سے پٹ گئی کل آبادی بتدریج آگ میں ڈال دی گئی چند تومند طرفین سے بچ رہے ان کی صلح اس بات پر ہوئی کہ اہل نار سے جنگ جاری کی جائے اور ان میں سے کوئی باہر نکلنے نہ پائے اہل نار بھی اب آگ کے کیڑے ہوگئے اور نار کو گلزار سمجھنے لگے تھے وہ اسی حال میں خوش تھے جب کبھی آتشیں آبادی میں

سے کوئی باہر آنا چاہتا تو باہر کے باشندے لمبے نیزوں سے حملہ آور ہوتے اور پھر آگ میں دھکیل دیتے تھے یہ ان کی مرغوب تفریح اور کھیل تھا۔

دارالاصلاح کیونکر بنا؟

ان شریروں کی مفسدہ پردازیوں سے قطع نظر نئے گنہگاروں کا سوال درپیش تھا سعید ارواح تو فوراً بہشت میں داخل ہو جاتی تھیں۔ مگر پلید انسانوں نے عالم اجسام سے آ کر مزید مہلت طلب کی اور عادات کی اصلاح کا مزید موقع چاہا۔ خدا کی انصاب پسندی کا اقتضا یہی تھا کہ جب پرانی بہشت میں پلید اور سعید دونوں کو ایک جا رہنے کا موقع دے کر اصلاح حال کی مہلت دی تو نئے گنہگاروں کو سزا سے قبل مہلت دی جائے مزید برآں بہشت کے نیکوکاروں کی استدعا یہ تھی کہ مہلت اور موقعے کی صورت مدرسے کی ہو جہاں مختلف طریقوں سے باہمی محبت اور سلوک سے رہنے کی عادت پیدا کی جائے اور دنیا کی بری عادتیں چھڑائی جائیں باوجود اس سعی نیک کے اگر وہ اصلاح پذیر نہ ہوں تو انہیں مناسب سزا دی جائے نیکوں کی یہ دعا قبول ہوئی اور یہ جہاں آباد ہوا تا کہ لوگوں کی بد عادات کو چھڑایا جائے اور انہیں بہشت میں رہنے کے قابل بنایا جائے۔

حضرت آدمؑ کی مکرر تقریر:

اے میرے پیارے عزیز بچو! تم نے یہاں آ کر دیکھ لیا کہ وہ لوگ جو دنیا میں عمل بد سے نادم ہو جاتے ہیں وہ یہاں آ کر بہت جلد ترقی کرتے ہیں جو دنیا میں بغیر توبہ کے مرتے ہیں یا افعال قبیح پر شرمندہ نہیں ہوتے وہ یہاں آ کر لمبی مدت کی پابندی اٹھاتے ہیں۔ اور اکثر باوجود کوشش کے اصلاح نہیں پاتے جو یہاں سے مردود ہو کر جاتے ہیں۔ وہ پرانی بہشت میں ڈالے جاتے ہیں جس کو انسانوں ہی نے اپنی عقل و محنت سے دہکتی آگ کا گہرا سمندر بنا دیا اس پرانے بہشت کو نیکوکاروں نے دوزخ کا نام دیا ہے نار نے اس کو جہنم بنا دیا ہے اے میری پیاری اولاد! اس جہنم کی آگ سے بچو جو روح اور جسم دونوں کو جلاتی ہے کیا تم میں سے ایک بھی ایسا ہے۔ جو دوزخ کی زندگی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہے؟ تم اپنی زبان سے جواب نہ دو مگر میں صورتوں سے حال دل کا اندازہ لگاتا ہوں اور جواب نفی میں پاتا ہوں صفائی صحت کے اصول محبت اور پیار کا سلوک سیکھو تا کہ بہشت کے دروازے جو نیکوکاروں کی بستی ہے تمہارے لئے کھول دیئے جائیں۔

یاد رکھو کوئی فتنہ و فساد کا خوگر یا محنت سے جی چرانے والا یا غیر کا حق دبانے والا اب وہاں نہ جا

سکے گا گندی عادتوں سے اس خوبصورت دنیا کو بدنما بنانے کی کسی کو اجازت نہیں ہو گی۔ اس لئے دل لگا کر بہشتیوں کے اوصاف پیدا کرو اور اس آخری موقع کو ضائع نہ کرو تم اپنے لئے نہیں بلکہ غیروں کے لئے زندہ رہنا سیکھو خادم بنو مخدوم ٹھہرو جس سے واسطہ پڑے اس سے خوش خلقی کا برتاؤ کرو حسن معاملہ اور حسن سلوک سے کام لو۔

اصحاب جنت:

جب تم بہشت میں آؤ گے۔ تو وہاں کے باشندوں کا عجب حال پاؤ گے۔ پریم کی رس بھری باتوں سے دل لبھاتے ہیں محبت بار آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خوشی بڑھانے کی سعی میں رہتے ہیں صبح پھولوں کے خوبصورت دستے ایک دوسرے کے گھر لے جاتے اور تحفے تقسیم کرتے ہیں یا کوئی کتاب لکھتے ہیں تو دوستوں یا ہمسایوں کے نام پر معنون کر دیتے ہیں۔ نئے سے نیا پیوند لگا کر بہشت میں رنگا رنگ کے نئے پھول پیدا کرتے ہیں اور عزیزوں کے نام پہ پھولوں کے نام رکھتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی تفریح یہ ہے کہ دوسروں کی خوشی اور تفریح کا سامان پیدا کیا جائے وہاں ایک بھی کاہل یا سست فقیر یا حیلہ بہانہ سے دوسروں کا حصہ غصب کرنے والا سود خوار مہاجن موجود نہیں سب خدا کی زمین پر محنت کر کے کھانے والے ایک دوسرے کو سکھ پہنچانے والے ہیں اس لئے وہاں خالص شہد اور تازہ دودھ کی روانی ہے۔ باوجود اشیائے خورد و نوش کی افراط کے ایک شخص ایسا نہیں جو ایک دن بیکار بیٹھے بڑھاپا بیماری جو تفکرات اور ناموزوں آب و ہوا کا نتیجہ ہیں۔ وہاں نام کو نہیں ہر شخص جوان تندرست اور خوبصورت ہے۔ وہاں کا پانی صحت زا اور فرحت افزا ہے جد امجد ہونے کی رعایت سے صرف مجھے بزرگی عمر کی ظاہری نشانیوں سے ممتاز رکھا گیا ہے میری اولاد کا ہر فرد سبزہ آغاز جوانی ہے وہ کون ہے جو وہاں رہنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو............؟

میرے بچو! تم جواب اثبات میں نہ دو تمہارے چہرے تمہارے دل کی کیفیت کے آئینہ دار ہیں صاف عیاں ہے کہ تم صدق دل سے اسی پاکیزہ مقام میں رہنا چاہتے ہو اس لئے پیارے بچو! بہشتیوں کی عادات سیکھو ہر وقت دل میں بھلائی کا خیال رکھو برے خیال کو پاس نہ آنے دو اللہ تمہارے ساتھ ہو وہ غفور و رحیم تو تمہیں۔ اب بھی بخشنے کے لئے بیتاب ہے اور تم پر رحم کرنا چاہتا ہے مگر سابقہ تجربہ بتاتا ہے کہ انسان اپنے بھائیوں کو بخشنے اور ان پر رحم کرنے پر آمادہ نہیں تم میں سے جس پر بخشش و رحم کا یقین ہو جاتا ہے اسے فوراً بہشت میں پہنچا دیا جاتا ہے لیکن آہ! میری اولاد میں سے بعض کو غیروں پر تو کیا اپنے اوپر رحم نہیں آتا وہ باوجود عقوبت اور یقین کے عادات بد کی اصلاح نہیں

کرتے وہ بخشش اور رحم چاہتے ہیں۔ مگر اپنے بھائیوں پر بخشش اور رحم نہیں کرتے۔ تم خود شہادت دو کہ اگر دوبارہ گنہگار اور نیکوکار ایک جگہ اکٹھے کر دیئے جائیں تو پھر کیا کیا قیامتیں برپا نہ ہو جائیں اس وقت تم کس قدر آرام اور صبر و تحمل سے بیٹھے ہو اگر یہاں کی نا ترقی یافتہ آبادی یعنی دنیا کے نووارد گنہگار تم میں شامل کر دیئے جائیں تو اپنی جگہ پر بیٹھنا اور ایک لفظ سننا مشکل ہو جائے اگر اس جہان میں آنے کے ساتھ ہی پابندیاں ہٹا دی جائیں تو یہ دنیا بھی نمونہ دوزخ بن جائے۔

حد و بارہ عفو:

تم خود کہو ایسے حالات میں کیا کیا جائے؟ اہل جنت یوں تو سب فقر و فاقہ سے مامون و مصئون ہیں۔ مگر اہل دوزخ کی بدحالی سے بحالت زار اور تمہاری پابندیوں سے بے قرار ہیں انہیں اپنے بھائیوں کے حال کا اندازہ کر کے بہشت دوزخ ہو رہی ہے۔ اب پھر سوچ رہے ہیں کہ خدا سے عفو عام کی استدعا کی جائے اور گنہگار بھائیوں کے ساتھ رہ کر ان کے اصلاح حال کی کوشش کی جائے۔ لیکن ابھی فیصلہ نہیں ہوا آج آپ کو یہ بات سنانے آئے ہیں۔ تم خود اپنی آبادیوں میں یہ بات جا کر پہنچاؤ لوگوں کی رائے طلب کرو ہم موقع مناسب پر پھر آئیں گے اور استفسار کریں گے۔

اے گنہگارو! نیکوکاروں کو تمہاری بھلائی کا جو خیال ہے اس کا ہزارواں حصہ بھی تمہیں ان کا لحاظ ہو تو بہشت میں نباہ ہو سکتا ہے عفو عام ہو جائے اور تم میں فساد و عناد کی آگ بھڑک اٹھے تو یہ بہشت بھی دوسرا دوزخ بن جائے اور نیکوکاروں کو کوئی اور بستی بسانی پڑے۔ پھر اس بزرگ نے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے چشم پرنم سے آسمان کی طرف دیکھا اور پکارا۔ اے خدا! میری اولاد پر رحم فرما! ان کو امن و انصاف محبت اور پیار سے رہنے کی توفیق دے تا کہ ہمیشہ تک بہشت میں تیرے انعامات سے شاد کام ہوں۔ آمین! آمین!!

ہم سب دعا میں شامل ہوئے یکسوئی کے لئے آنکھیں بند کیں زور سے آمین کہی آنکھیں کھولیں تو حضرات کرام جا چکے تھے۔ ہمارے مجمع میں سے ایک صاحب اپنی کرسی پر کھڑے ہو گئے۔ چند کلمات گوش گزار کرنے کی اجازت چاہی معلوم ہوتا تھا کہ تقریر کے لئے اجازت طلبی کا یہ پہلا موقعہ تھا آج سے پہلے یہ جسارت کسی نے نہ کی تھی سب خاموش تھے وہ خاموشی کو نیم رضا سمجھ کر بولا:

دوبارہ عفو مخالفت:

اے احباب واصحاب اتم نے پاک طینت جنتیوں کی کرم فرمائیوں کو دیکھا کہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ہم گنہگاروں کے ہاتھ سے زخم خوردہ ہونے کے باوجود نہ صرف ہماری فلاح واصلاح کے لئے بیتاب ہیں بلکہ ہمارے گناہوں کی کامل معافی کے خواستگار ہیں اور تم نے اپنی حالت کا اندازہ کیا کہ کس بے تکلفی سے ہم سب نے عفو عام پر دلی مسرت کا اظہار کیا۔ حاشا اگر اہل خلد ہمارے لئے بیتاب نہ ہوتے تو وہ بہشت کے انعامات کے مستحق نہ ٹھہرتے اور اگر ہم خود غرض نہ ہوتے تو اس جہان کی مصیبت اور آفت میں نہ پھنستے۔ اصحاب خلد کی سب سے بڑی نشانی ان کی قربانی ہے اور اصحاب نار کا طغرائے امتیاز ان کی خود غرضی ہے۔ ہم کو خود غرضی سے مجبور ہو کر بہشت میں جانا نہیں چاہیے (بہت سی آوازیں "ہرگز نہیں") تم "ہرگز نہیں" کہتے ہو بہت اچھا کیا تمہیں یہ گوارا ہے اگر آج ہی وہ بلائیں جو یہاں نظر بند ہیں ان کے دروازے کھول دیئے جائیں (بہت سی آوازیں۔ "ہرگز نہیں") تو خدارا بتاؤ اگر عفو عام ہو گیا تو نئی جنت میں یہ خبیث ان طیب روحوں سے کیونکر نباہ کریں گے؟ کیا وہ جگہ بھی جلدی نمود دوزخ نہ بن جائے گی؟ (بہت سی آوازیں سچ ہے) اس لئے ہمیں صاف کہہ دینا چاہیے کہ ہم اپنے آرام کے لئے اہل جنت کو تکلیف میں پھنسانا نہیں چاہتے ("ٹھیک ہے!" "غلط ہے!" کی گوناگوں آوازوں سے طوفان امڈ آیا آپس میں ہاتھا پائی کی نوبت پہنچ گئی اس نے پھر تقریر آغاز کی) اہل جنت میں صبر و تحمل ہے آپ کو اپنی رائے کے خلاف بات سننا گوارا نہیں۔ اگر یہی عادتیں لے کر بہشت میں جاؤ گے تو امید ہے کہ بات بات پر تکرار ہو گی اور بیچارے اہل جنت کو جاتے ہی آزادی تقریر سے محروم کر دو گے (پھر "ٹھیک ہے" کا شور بلند ہوا) اس کے لئے ہمارے لئے مناسب یہ ہے کہ عفو عام کے خیال سے درگزریں پھر "ہرگز نہیں" .... "بیشک" .... "درست ہے" .... "غلط ہے" کی آوازیں آئی بعض جگہ دھینگا مشتی تک نوبت پہنچی۔ بیچ بچاؤ سے امن بحال ہوا مگر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے مجمع منتشر ہونے لگا تو مہمانوں کو الوداع کہنے کا خیال آیا اور ان پر پھول برسا کر رخصت کیا اور ہم بھی گھر لوٹے۔

رات سوچ بچار میں گزری صبح جب سیر کے لئے دونوں ملاقی ہوئے تو سرگزشت دوروزہ پر بحث ہوئی ہم اس امر پر متفق ہو گئے کہ نیکوکاروں کے پہلو بہ پہلو رہنے کی صلاحیت ہم میں ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ اگر عفو عام ہو بھی گیا تو بہشت بھی دوزخ بن جائے گی یا کم از کم دنیا کی سی ابتری ضرور

پیدا ہوگی۔ دنیا میں نیکوکاروں نے ہم گنہگاروں کے لئے کیا کیا سر نہیں مارا مگر سعی ناکام رہی۔ گویا ہر نیکی کی تحریک خطرناک بدی پر ختم ہوئی۔ کل دیکھا کہ امتوں کے یہ سردار آپس میں کس طرح ایک دوسرے کی عزت و احترام کرتے ہیں اور محبت اور پیار سے رہتے ہیں مگر دنیا میں ان کے پیرو نہ صرف ایک دوسرے پر اعتراض کرنے اور جھٹلانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں بلکہ ہوشیار لوگوں نے مذہب کو ظلم کی آڑ بنالیا ہے۔ غرض کئی روز اسی واقعے کا چرچا اور ذکر رہا۔

ہم پر تنگی کا زمانہ گزر گیا۔ نقل و حرکت میں اور آزادی ہوئی۔ اپنی بستی کے علاوہ دوسرے مقامات میں آنے جانے کی سہولتیں پیدا ہوگئیں۔ تنگی کے بعد فراخی کے دن گزرتے نہیں بھاگتے ہیں۔ پوری خوشی اور عین عیش میں تو وقت بھاگتا نہیں اڑتا جاتا ہے۔ ان دنوں باتوں میں وقت کٹتا لیٹتے تو صبح اٹھتے چلتے پھرتے شام ہو جاتی تھی اس واقعہ کو سال گزر گیا پھر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماجرا کل گزرا ہے پھر یوم وداع آیا پھولوں کی جستجو ہوئی کپڑوں میں خوشبو لگائی خوشی خوشی روانہ ہوئے انسان بالطبع شوقین ہے اس کی جدت پسند طبیعت نت نئے ہنگامے چاہتی ہے متانت مآب زاہد اکثر مذہب کی خشک راہوں سے اکتا جاتا ہے۔ تو رندانہ گرم جوشیوں پر اتر آتا ہے۔ سابقہ یوم وداع کے غل غپاڑے کی زبان خواہ کتنی مذمت کرے مگر دل اس کی تکرار چاہتا تھا۔ چنانچہ شکاری کا شوق اور تماش بین کی امنگیں لے کر وہاں پہنچے مہمانوں کی آمد و رفت تو معمولی بات تھی اس کا ذکر خالی از دلچسپی ہے البتہ یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ سب اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس جہان میں تزکیہ نفس کے بغیر بہشت میں جانا مناسب نہیں مبادا اہل حق ہم سے ناحق تنگ ہوں اب جب لوگوں نے اس شخص کی صحت کلام پر آپس میں اتفاق پایا تو نگاہیں اس کے لئے متجسس ہوئیں اسے مجمع میں سے ڈھونڈ نکالا۔ دو کلمے بیان کرنے کی استدعا کی وہ شاید یہی چاہتا تھا فوراً تیار ہوا لوگ گوش برآواز ہوئے وہ بولا:

"صاحبو! میں خوش ہوں جو کل میری رائے تھی وہی آج آپ کی ہے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ میں جنتیوں کی سی طبیعت پیدا ہوگئی ہے اہل خلد کی صفت مشترک یہ ہے کہ اپنے آرام کو دوسرے پر قربان کرتے ہیں خود مصیبت اٹھاتے ہیں دوسروں کو دکھ نہیں دیتے۔"

اصلاح نایافتہ روحوں کی رائے:

میں نے اس عرصے میں نظر بند بھائیوں کی رائے معلوم کی تو انہوں نے بلا استثنائے احدے سنہری دنیا میں جانے کے لئے بیتابی ظاہر کی آپ میں اور ان میں یہ اختلاف رائے قدرتی ہے انہیں

گناہ کی دنیا سے آئے زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ آپ تزکیہ نفس کی کوشش میں ایک عرصہ ہو چکا ہے اس لئے وہ خود غرضی کے خیال کو دل سے دور نہیں کر سکے لیکن ہمیں ان پر ملامت کی بجائے رحم کرنا چاہیے وہ ہمارے مصیبت زدہ بھائی ہیں آؤ مل کر ہم سجدے میں گر جائیں اور روٹھے خدا کو منائیں تا کہ جلدی ہمارا اور بھائیوں کے نفس کا تزکیہ ہو جائے اور ہم اہل جنت کے ساتھ امن و آشتی سے رہنے کے قابل ہو جائیں یہ کہا اور وہ سجدے میں گر گیا ہم سب ساتھ ہی خاک بوس ہوئے سجدے میں دیر ہوئی میں نے دل برداشتہ نمازی کی طرح ذرا سا سر اٹھا کر دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ لوگ برابر سجدے میں پڑے تھے پھر اسی ڈر سے کہ کوئی کہیں دیکھ نہ لے میں پھر سجدے میں گر پڑا ہم دیر تک سجدے میں رہے پھر خاک سے سر اٹھایا اور نامہ اعمال کو پڑھا اس پر لکھا ہوا پایا۔

"وہ دعائیں جو غیروں کی بھلائی کے لئے کی جائیں اور وہ کام جو دوسروں کے فائدہ کے لئے کیا جائے خالی از اثر نہیں تمہاری دعائیں منظور ہوئیں اگر تمہارے نظر بند بھائی آپس کے گناہ معاف کریں اور ایک دوسرے کو بخش دیں تو بہشت کے دروازے ان پر کھل جائیں۔ یاد رکھو خدا کسی سے نہیں روٹھتا۔ انسان خدا سے روٹھتا ہے اور روگردانی کرتا ہے۔ دنیا میں خود برے عمل کرتا ہے الزام شیطان پر دھرتا ہے۔ عاقبت کار اپنے لئے خود دوزخ تیار کرتا ہے اس کو قہر خداوندی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ تم میں سے دس آدمی جائیں گنہگاروں سے یہ بات منوائیں کہ وہ ایک دوسرے کے گناہ بخش دیں۔"

جونہی یہ نوشتہ دیکھا اللہ اکبر کا نعرہ بے ساختہ میری زبان پر آیا۔ مبارک مبارک کا شور اٹھا سب خوش تھے مگر وہ شخص سر جھکائے گہری سوچ میں کھڑا تھا۔ آخر وہ آنسو بھر کر بولا۔ "صاحبو! اس نا مبارک خبر پر کیا مبارک پیش کرتے ہیں اگر عفو کی عادت ان لوگوں میں ہوتی تو یہ دنیا آباد کیوں ہوتی سیدھے بہشت کو جاتے اپنے مخالف پر رحم اور اس کی فلاح کی خواہش صرف اعلیٰ لوگ کر سکتے ہیں۔ گنہگاروں سے یہ توقع بے سود ہے سب نے اس کے خیال سے اختلاف کیا آخر قرار پایا کہ ایک سال تک ان کو سمجھاؤ اور اس ڈھب پر لاؤ کہ وہ اس بدسلوکی کو جو انہوں نے دنیا میں باہم روا رکھی بھول جائیں یا ایک دوسرے کو معاف کر دیں۔"

چنانچہ دس آدمی ایسے چنے گئے جن کی اپنی مدت قید اب بہت تھوڑی باقی تھی اور جنہیں نقل و حرکت کی پوری آزادی تھی۔ ان کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ لوگوں کے پاس جائیں اور سب کو سمجھائیں کہ بھائی! تمہاری رہائی اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس مصیبت کو یاد کرو اور آئندہ محبت

سے رہنے کا عہد کرو۔ ایک دوسرے سے گلے ملو بہشت میں جانے والے مہمان اہل جنت کو بتائیں کہ ابھی وہ ہمارے لئے کوشش نہ فرمائیں۔ بعدازیں ہم بہشت کے محترم مسافروں کو الوداع کہہ کر واپس آئے میں دیر تک سوچتا رہا کہ کون دیوانہ گنہگار ہوگا جو اس زریں موقعے سے فائدہ نہ اٹھائے گا اور دوسروں کو معاف کر کے اپنی نجات حاصل نہ کرے گا؟

میں رات کو سونے کے لئے لیٹا اور عشرت جہاں کے بہکانے اور مجھے اس مصیبت میں پھنسانے کا خیال آیا تو آتش انتقام بھڑکی۔ سوچا کہ اب اسے تو سیدھا جہنم پہنچا دیں یہ خیال آیا تھا کہ میں اس شخص کی صداقت کلام کا قائل ہوگیا اور دل سے کہا کہ اے دل اتنی مدت کے تزکیہ نفس کے بعد تیری یہ حالت ہے تو جن کے زخم تازہ اور طبیعت ابھی بدستور خراب ہے ان کی کیفیت کیا ہوگی؟ چنانچہ یہی نتیجہ ہوا آئندہ یوم وداع پر جو ہم اکٹھے ہوئے تو منتخب احباب نے رپورٹ پیش کی کہ نظر بند احباب نے تنگ نظری کا ثبوت دیا اور کہا کہ ہم بھی مصیبت میں مریں گے مگر اپنے ستانے والوں سے درگزر نہ کریں گے۔ کیا ہمارے دشمن یونہی چھوٹ جائیں۔ ہر چند سمجھایا گیا کہ تم بھی تو دکھوں سے نجات پاؤ گے تم اپنے ستانے والوں پر رحم کرو۔ جو تمہارے ہاتھوں سے ظلم رسیدہ ہیں وہ تم پر رحم کریں گے۔ اس طرح سب رہائی پائیں گے ان کی عقل نے تو بات کو قبول کرلیا مگر دل نہ مانا۔ جب وہ اپنے مخالفوں کے کھلے بندوں پھرنے اور بہشت کے مزے لوٹنے کا تصور کرتے تھے تو ان کے دل بیتاب ہوجاتے تھے اور وہ اپنی مصیبتوں کو بھول کر ان کو مصیبت میں پھنسائے رکھنے میں راحت محسوس کرتے تھے۔ اس لئے باوجود ہمارے اصرار کے انہوں نے بات ماننے سے انکار کردیا اور صاف کہا کہ نہ بہشت میں خود جائیں گے۔ نہ دشمنوں کو جانے دیں گے۔ اگر آپ سب کی طرف سے متفقہ زور ڈالا جائے تو شاید بات بن جائے۔

عفو عام ہوگیا:

چنانچہ پھر سب نے پیشانی کو خاک پر رکھ کر دعا کی خدایا ہم پر سے پابندیاں اٹھا تا کہ ہم بھٹکتے ہوئے بھائیوں کو راہ راست پر لائیں اور اپنی اپنی عاقبت کا واسطہ دے کر انہیں منائیں وہ دعا منظور ہوئی اور ہمیں ہر جگہ جانے اور لوگوں کو مل کر سمجھانے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ پورے ایک سال کی محنت شاقہ کے بعد ہم کامیاب ہوئے سب نے ایک دوسرے کو بخش دینے کا فیصلہ کیا۔ وہ پابند مصیبت حضرات رہائی کی امید پر خوش اور ہم آزاد مدت انتظار کے خاتمے پر مسرور تھے۔ جب ہم پھر یوم وداع پر جمع ہوئے تو سب نے ایک دوسرے کو حقیقی مبارک بادی سب کے اعمالناموں پر یہ

خوشخبری تحریر تھی:

"آج سے سات روز بعد فرشتوں کے محافظ دستے واپس بلا لیے جائیں گے اور سب گنا ہگار رہائی پائیں گے یوم رہائی کے ایک ہفتہ بعد بشرط امن سب بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔"

یہ نوشتہ آنکھیں مل مل کر پڑھتے تھے اور سب خوش ہوتے تھے بعض طفلانہ مزاج بغلیں بجاتے تھے اور متانت مآب زیر لب مسکراتے تھے اور بہشت کے فرحت زا تصورات میں کھوئے جاتے تھے۔ سبز وادیاں نظر کے سامنے اٹھتی تھیں اور شفاف پانی کی جاں فزا نہریں کناروں تک بھری ہوئی قیمتی پتھروں سے منقوش بہ رہی تھیں ان کی تہ میں کوہ نور سے زیادہ قیمتی ہیرے اور خوبصورت جواہر آہستہ آہستہ بہتے دکھائی دیتے تھے ہر شخص گھر آکر بھی اسی کیفیت میں بیٹھا تھا ہزاروں حسین نظارے عالم تصور میں پیدا ہوتے تھے گویا غلمان بہشت کے شیریں میووں کے بھرے تھال لئے ہمارے منتظر کھڑے ہیں۔ جنت کی حوریں شگفتہ پھولوں کے گجرے پہنانے کو آرہی ہیں زریں اور رنگین منقار بلبلیں سبز پتوں کی اوٹ میں بیٹھی کبھی کبھی چہچہا کر پرسکون فضا میں راگ اور ساز سے زیادہ خوشگوار اثر پیدا کر رہی ہیں جنت کے خیال کی یہ روح افزا بہاریں سارا دن پیش نظر رہیں شام بھی عاشق کی صبح مراد کی طرح روشن تھی خواب خوش سے رات دن کی طرح تابندہ و درخشندہ نظر آئی۔

اس بہارستان کے پہلو میں انتظار کا جو خارستان تھا وہ ایک دن رات تو نظر سے اوجھل رہا اگلے دن اضطراب بڑھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ ہفتے جلد گزریں اور سنہری دنیا کی راحت افزا وادیوں میں جا پڑیں۔ مگر وقت اڑیل ٹٹو کی طرح رکا کھڑا تھا جتنا چاہا کہ جلد بڑھے اتنا ہی یہ قدم پیچھے ہٹاتا نظر آیا۔ تیز رو گاڑی میں بیٹھ کر جس طرح پیادہ پا مسافر باوجود آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح میری برق رفتار عجلت پسندی کے مقابلہ میں وقت ترقی معکوس کرتا تھا اور اس روائتی عاشق مزاج نابینا کی طرح جو شب وعدہ کے انتظار میں بے تاب ہو کر صبح ہی سے لڑکوں سے غروب آفتاب کی جان بخش خبر دریافت کرتا ہے اور جواب خلاف امید پاکر مایوسی سے کہہ اٹھتا ہے کہ شاید آج سورج چھپے گا ہی نہیں میں بھی بول اٹھتا تھا کہ شاید یہ عشرہ گزرے گا ہی نہیں رات کالی دن پہاڑ نظر آتا ہے آج معلوم ہوا کہ انتظار موت سے مہیب تر ہے۔

خدا خدا کرکے ایک ہفتہ گزرا میں گویا موت کے منہ سے نکلا تمام نظر بند آزاد ہو گئے ہر طرف مبارک مبارک کا شور بلند ہوا۔ لوگ گروہ در گروہ ادھر ادھر گھومتے نظر آئے۔ جملہ پابند حضرات ہم آزاد لوگوں کے تہ دل سے ممنون تھے۔ کبھی پاؤں چھوتے ہاتھ چومتے بغلگیر ہوتے اور کبھی ہم کو

کندھوں پر اٹھاتے تھے وہ بھی خوش ہم بھی راضی تھے کیونکہ سب کو ایک ہفتے کے بعد بہشت سے فائز المرام ہونے کا خوش کن خیال تھا۔ دل کنول کی طرح کھلا تھا۔ دماغ میں پھر جنت کے دل کش مناظر پیدا تھے۔ دوپہر تک معلوم ہوا کہ فرط انبساط سے لوگ فرائض زندگی کو بھول گئے ہیں کھانے پکانے کی کسی نے فکر نہیں کی خیر مدت کی پابندی کے بعد آزادی کا اول روز تھا ہوا خوری میں کٹ گیا اگلے روز آزادی کے احساس نے برابری کا دعویٰ کیا اب سب آقا تھے باورچی کی نوکری کون کرے تو آزاد لوگوں نے درخواست کی ہم نے اتنی دیر تمہاری خدمت کی ہے اب چند روز تم ہمارا کھانا پکاؤ۔ خود کھاؤ ہمیں بھی کھلاؤ درخواست مطالبے کے لہجے میں تھی ناگوار معلوم ہوئی مگر بات مبنی برانصاف تھی اس لئے ہم نے کمریں کسیں کام کو لگ گئے طرح طرح کے کھانے پکائے سب کو کھلائے بہشت کے داخلے میں تین دن باقی تھے وقت کٹنا پھر دوبھر ہو گیا۔

دنیا میں جنگ عظیم:

معلوم نہیں انتظار کی اذیت سے میرا کیا حال ہوتا۔ میری قسمت سے ایک اور دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میرا بدخشانی دوست دوڑتا ہانپتا آیا اور کہا۔ کچھ سنا؟ میں نے گھبرا کر پوچھا کیا کہا کہ دنیا میں جنگ عظیم برپا ہے براعظم سے براعظم ٹکرا گئے ملکوں پر فوجیں چڑھ دوڑیں قوموں سے قومیں لڑیں کشتوں کے پشتے لگ گئے خون کے ندی نالے بہ نکلے آسمان سے آگ برستی ہے پانی میں دھماکے ہوتے ہیں۔ انسان تو انسان طائران ہوا اور ماہیان آب کو کہیں پناہ نصیب نہیں میں نے بات کاٹ کر کہا عزیز از جان! نصیب اعداء ہذیان تو نہیں ہو گیا اس نے ہانپتے ہانپتے کہا۔ نہیں نہیں چلو چل کر محافظ فرشتوں کی حالت دیکھو۔ وہ آج کس قدر پریشان ہیں یہ کتنے کم گو تھے اور اکثر اشاروں سے بات کرتے تھے ان میں سے ایک نے آج دنیا کی ہولناک جنگ کے وحشت ناک حالات اس دردناک تفصیل سے بتائے ہیں کہ سننے کی تاب نہیں رہی میں نے کہا تفصیل تو پوچھی مگر وجہ جنگ بھی دریافت کی یا نہیں۔ وہ بولا بات کا بتنگڑ ہی بن گیا معلوم ہوتا ہے کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کے ایک گاؤں میں مندر اور مسجد ملحق تھے شام کی آرتی مغرب کی نماز کے وقت آواز اذان اور شور ناقوس کہیں بیک وقت بلند ہوئے پھر کیا تھا برہمن بولا دھرم بھرشٹ ہو گیا شیخ پکارا کہ مذہب ناپاک ہو گیا بڑے بڑے دروانوں اور ملاؤں کا اجتماع ہوا مگر یہ طے نہ ہو سکا کہ اذان پہلے کہی جائے یا سنکھ پہلے بجے جو ہٹ چھوڑے وہ ہیٹی محسوس کرتا تھا دونوں طرف سے جوشیلے نوجوان اٹھے زوال سے پہلے ہی اذان اور دوپہر کو بھی اپاسنا شروع کر دی طرفین کے کچھ بہادر روکنے کو بڑھے لاٹھی چل گئی پھر کیا تھا اسلامی

اخبارات نے ''ہندوستان کے کفرستان میں اسلام کو خطرہ'' کی سرخیاں قائم کیں اور ہندو صحیفہ نگاروں نے ''بھارت ورش میں ترک راج کا قیام'' کا عنوان باندھا بات کونے سے نکل کر طول وعرض ہند میں پہنچی اخبارات کی مبالغہ آرائیوں پر جب چرب زبان بے فکروں نے رنگ چڑھایا۔ تو جگہ جگہ آتش فساد بھڑکی۔ مقرر نے تو تقریر کر کے بھس میں چنگاری ڈالی چلتے بنے بے گناہ راہ گزر مارے گئے۔ نسلی اور مذہبی فسادات میں تو ہمیشہ بے قصور ہی تہ تیغ ہوتے ہیں۔ ہوشیار فتنہ پرور محفوظ جگہ بیٹھ کر آگ لگاتے رہتے ہیں بچارے اکے دکے مسافر پر حملے شروع ہو گئے ظالموں کے چھری چاقوؤں نے گناہگار وحشی کو نہیں پوچھا عمال حکومت اور وزرائے سلطنت دل کو قائم رکھ کر انصاف اور قانون کے نفاذ پر ڈٹے رہتے تو امن وامان بحال ہو جاتا مگر انہوں نے بھی در پردہ اپنے ہم مذہب مفسدوں کی حمایت کی شدہ شدہ خبریں ہندوستانی سرحد کے پار ہوئیں مغربی سرحد کی بے چینی سے ہند وسیاسین کا اضطراب بڑھا۔ چین وجاپان تک تدبیر کے گھوڑے دوڑائے۔ جاپان نے افغانستان کو دھمکایا وہ بھی باش باش کہتا اٹھا انگلستان اور ہندوستان کا تعلق دیرینہ تھا اس نے جاپان اور افغانستان دونوں کو ڈانٹا روس نے انگلستان کی اس ڈانٹ ڈپٹ کو ایشیا میں مداخلت سے تعبیر کیا ہندوستان کی مسجد اور مندر کے جھگڑے سے یورپ کا توازن بگڑا روس اور انگلستان میں اعلان جنگ ہو گیا۔ اور اس کے بیس منٹ کے اندر اندر تمام یورپین ممالک ایک دوسرے سے دست وگریبان ہو کر آتش جنگ میں کود پڑے۔

میں متعجب ہو کر اٹھا۔ حیرت سے باہر نکل کر فرشتوں کو قرار واقعی پریشانی میں دیکھا۔ سب کے سب گھبرائے ہوئے اور حواس باختہ خلا کو اضطراب اور بیقراری سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک سے پوچھا صاحب آج کیا کیفیت ہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا اور برابر خلا کو تکتا رہا۔ گویا وہ کسی دور کی چیز کو دیکھ رہا ہے میں نے بلند آواز سے کہا خیر باشد؟ اس نے تیوری چڑھا کر دیکھا گویا وہ اس وقت مداخلت کا متحمل نہیں اور پھر بدستور خلا کو گھورتا رہا پھر تھوڑی دیر کے بعد یک بیک وہ پکارا۔ آفت قیامت! کیا سچ مچ دنیا تباہ کر دی جائے گی؟

اب تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی میں بے ساختہ پکار اٹھا۔ کچھ تو کہو یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ برابر دیکھتا رہا اور جھنجلا کر بولا کہ دیکھتے نہیں صبح سے زمین کے اوپر اور ہوا کے اندر پانی میں سمندر پر اژدرہاں توپوں سے ہوائی جہازوں سے آبدوزوں سے اور ڈرڈ ناٹوں سے مسلسل جنگ جاری ہے۔ اٹلی نے آلات نشر صورت کے ذریعہ سے چار دانگ عالم میں اعلان کر دیا ہے کہ برقی لہروں

سے دشمنوں کے ملک کو تہ و بالا کر دیا جائے گا۔ سنو۔ دوسرے ممالک کے وزرائے حرب نے بھی کہا ہے کہ اس کا ویسا ہی جواب دیا جائے گا۔ گویا وہ بھی تیار بیٹھے تھے۔ دیکھو تو عوام کس طرح آلات نشر صورت کے قریب گوش برآواز کھڑے ہیں۔ یہ خوفناک حالات سن سن کر چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ عورتیں لرزہ براندام ہیں۔ بچے سہمے ہوئے ماؤں کی چھاتیوں سے لگے ہیں اٹلی نے دھمکی کو سچ کر دکھلایا۔ روس اور فرانس میں قیامت پھوٹ پڑی۔ زلزلہ آیا دیکھو زمین شق ہو گئی سرکاری ایوانوں اور دو منزلہ مکانوں میں سے ایک نہیں بچا مرد اور عورت چونے اور اینٹ کے انبار کے نیچے کراہ رہے ہیں کچھ مر گئے جو زندہ ہیں وہ جانیں لے کر بھاگ رہے ہیں۔

اف! دوسرا جھٹکا ہوا۔ روس میں کوئی دیوار کھڑی نہیں رہ گئی۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہیں فضا سے لاکھ لاکھ من کا پتھر برس رہا ہے۔ پہاڑیاں آپس میں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہوئی جاتی ہیں الٰہی تیری پناہ جرمنی نے فرانسیسی حلیف کی یہ درگت دیکھ کر اپنی برقی لہروں کا رخ اٹلی کی طرف کر دیا ہے۔ انگلستان اٹلی کی تباہی کو کیسے ٹھنڈے دل سے برداشت کر سکتا تھا دیکھو اس نے آلات برق کا نشانہ جرمنی کو بنایا ہے جرمنی کی تباہی سے فرانس کی قوت اٹلی کے مقابلہ میں بہت بڑھ جاتی تھی اس نے چاہا کہ بے خبری میں فرانس کا کام تمام کر دے مگر فرانسیسی بہت خبردار نکلے اٹلی کے ارادہ کو پالیا دونوں طرف سے برقی رو بڑھی قیامت کے جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں تمام یورپ برباد ہو گیا صرف دول یورپ کے حربی مرکز باقی ہیں جو ربڑ اور دوسرے کیمیاوی مادے سے تیار کیے گئے تھے تاکہ مخالفوں کی ہلاکت خیز سرگرمیوں سے محفوظ رہیں۔

تہذیب یورپ کے تمام نشانات معدوم ہو رہے ہیں۔ سمندر کا پانی برقی رو سے متلاطم ہو کر خشکی پر طوفان برپا کر رہا ہے۔ خوش نما مکانات اور خوبصورت سڑکوں کا نام تک باقی نہیں رہا۔ دیکھو یورپ میں جھٹکے پر جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں زلزلے پر زلزلہ آ رہا ہے آہ! اے انسان! تیری شقاوت قلب! یورپ کی تباہی کی تکمیل کر کے اب ان کی توجہ ایشیا کی طرف ہو گئی ہے۔ یورپ کی استعماری حکومتوں نے مخالفین کے مشرقی مقبوضات پر قیامتیں ڈھانی شروع کیں مغرب کی ایشیائی حکم برداریاں اور زیر اثر علاقہ جات آن کی آن میں سب تہ و بالا ہو رہے ہے۔ مشرق کے مذہب زدہ انسان کے پاس دعا و زاری کے سوا مدافعت کے لئے اور کیا ہتھیار رہے اس کی آنکھوں کے سامنے زمین شق ہو رہی ہے پہاڑ فضا میں اڑ رہے ہیں مچھلیاں پانی کے باہر تڑپ رہی ہیں پرندے جھاڑیوں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں چرندے بستیوں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ وہ خود سہما ہوا سربسجود ہے اور حسبی اللہ حسبی

اللہ پکار رہا ہے۔ اس بیچارے کو کیا خبر کہ اس ہولناک تباہی کا محرک رب رحیم نہیں بلکہ قہرمان مادی طاقتیں ہیں جن کی بے پناہ ہوس رانیاں مدت سے نوع انسان کے لئے لعنت ثابت ہو رہی تھیں۔ مشرق کی تباہی بھی مکمل ہوئی پہلے تو مسجد اور مندر میں مرد و زن سجدے میں گرے تھے۔ اب معبدوں کے در و دیوار سجدہ ریز ہوئے۔ بلند عمارتوں کی ایک اینٹ کھڑی نہیں رہی ہے۔ عالیشان شہر خاک کے بڑے بڑے تودے بن گئے ہیں ایشیا افریقہ یورپ اور امریکہ کی شہری آبادیاں بالکل فنا ہو گئی ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے فوجی مرکز باقی تھے۔ سوان کا حشر بھی دیکھو کہ کس طرح وہاں محشر بپا ہے۔ سائنس کے آلات منشور ہر فوجی مرکز میں لگے ہیں جہاں سے شعاع موت نکل کر آن واحد میں افواج قاہرہ کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہے فوجی چھاؤنیوں پر موت کی خاموشی طاری ہے مہلک ہتھیاروں کے موجد مر گئے مگر ہلاکت خیز آلات سے ابھی شعاع موت نکل رہی ہے۔ بحر و بر میں اب ایک متنفس بھی باقی نہیں رہا تند ہوائیں زمین سے سر پٹک رہی ہیں آسمان پر بادل گرج گرج کر کوس لمن الملک بجا رہے ہیں۔ ہوائیں چلنے سے رک گئیں بادل گرجنے سے بند ہو گئے اے نیک مرد! ہنگامہ خیز دنیا میں ہولناک سکوت حکمران ہے۔ ڈراؤنی تنہائی محیط ہے کوئی پرندہ پر نہیں مارتا کوئی متنفس سانس نہیں لیتا ہوا حرکت سے عاری سمندر موجوں سے محروم قدرت کرشموں سے خالی ہو گئی وہ عالم عمل کے اس عبرتناک انجام سے سر دھنتا ہوا سایہ دیوار میں بیٹھ گیا میں افسوس کناں اندر آیا انسان کی عاقبت نااندیشی کے خیال سے سر چکرایا تو پلنگ پر جا لیٹا۔

دارالاصلاح میں بلوہ:

ایک گھڑی بمشکل گزری تھی کہ شہر میں شور ہوا۔ پل بھر میں یہ شور قیامت بن گیا میں مضطرب ہو کر اٹھا باہر نکل کر دیکھا تو لوگوں میں بلوہ ہو رہا تھا۔ ہر ایک کے سر پر ایک وحشت سوار تھی غصے سے دماغ کا توازن کھویا جا چکا تھا بوڑھے بھی بچوں کی طرح بلاوجہ لڑ رہے تھے عورتیں مردانہ وار آستینیں چڑھائے باہم دست بگریباں تھیں کچھ نوجوان آپس میں بے طرح مصروف پیکار تھے۔ میری شامت جو آئی میں "نہیں نہیں" کرتا روکنے کو بڑھا۔ ناصحانہ انداز اختیار کر کے لڑنے والوں کو چھڑانا چاہا جو نہی دو کو روکا تیسرے نے میری گردن آ دبائی میں نے پلٹ کر دیکھا ہی تھا کہ اس نے الٹے ہاتھ سے ایک چانٹا بھی رسید کیا اور بولا۔ "بدذات! تو بھی حمایتی بن کر آیا ہے۔" میں حیران بھی ہوا افسوس بھی کیا تاہم نہایت تحمل سے عذر کیا کہ کچھ غلط فہمی ہوئی ہے میں تو بیچ بچ

چھڑا رہا تھا مگر اس نے باور نہ کیا مجھے جھوٹا گردانا ایک گال کی پہلے تواضع کر چکا تھا اب دوسرے گال پر چانٹا رسید کیا۔

مجھے غصہ آیا اور آپے سے باہر ہو گیا میں نے بھی آستینیں چڑھائیں اور اس کا گریبان پکڑا دھول دھپا شروع ہوا۔آن واحد میں بلوائیوں کا ایک اور ریلا آیا جس نے ہم دونوں کو علیحدہ کر دیا میری پگڑی گردن میں پڑی تھی میں اس کو سنبھالنے لگا قریب ہی دو لڑنے والوں کو دیکھا ایک دوسرے پر مکہ تان رہے تھے ایک نے سر بچایا دوسرے کا مکہ میری کنپٹی پر پڑا غصے نے عقل کو پہلے کھو دیا تھا ہر چند میں جانتا تھا کہ یہ مکا بازی غیر ارادی طور سے ہوئی مگر مزاج کی پہلی برہمی اور کنپٹی کے اس صدمے نے قوت برداشت نہ چھوڑی۔میں نے اس کی ڈاڑھی پکڑی اور ایک دھول لگایا چاہتا تھا کہ کسی نے پیچھے سے ٹانگ کھینچ کر زمین پر دے مارا۔گرتے ہی میرا سر چکرایا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھایا ذرا سنبھلا تو دیکھا۔کہ کوئی اور ہی سینے پر سوار ہے وہ کمزور تھا میں زور کر کے اٹھا اور اٹھ کر ایک لات رسید کی اس نے اچھل کر ناک پر ٹکر ماری۔پھر سر کو چکر آیا میں لڑکھڑایا اور ایک اور شخص پر گرا وہ اپنا حریف سمجھ کر مجھے لپٹ گیا ہم ایک دوسرے کی داڑھی پکڑے اٹھے باہم وار کیا چاہتے تھے کہ بلوائیوں کا ایک اور ریلا آیا ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے میں دوڑ کر بلوائیوں سے الگ ہوا خانہ نشینی میں عافیت سمجھی گھر پہنچ کر دم لیا کواڑ اندر سے بند کر کے سجدہ شکر بجالایا پورے دو دن بھوکا سا گھر میں معتکف رہا مگر بلوائیوں کا شوروشغب ایک لمحے کے لئے بھی نہ تھما۔خوفناک چیخیں اور مجروحوں کی گریہ وزاری زیادہ سے زیادہ سنائی دے رہی تھی اور میں سہما جارہا تھا۔

تیسرے دن صبح اٹھا تو شوروشر جوں کا توں جاری تھا۔رات کو میں کئی دفعہ گھبرا کر اٹھا۔اب بھی دل بیٹھا جارہا تھا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی میں نے دفع مصیبت کے لیے آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی اٹھ کر دیکھنے کی جرات کس کو تھی وہیں بیٹھا رہا اور دفع بلیات کے لئے تلاوت کا سلسلہ جاری رکھا۔آوازیں بھی آئیں گویا مجھ کو بلا رہا ہے گوش برآواز ہو کر پہچانا کہ محافظ فرشتہ ہے ذرا جان میں جان آئی میں اٹھا بوجہ احتیاط دروازے کی درازوں میں سے رفع شک کے لئے دیکھا۔فرشتے کو تنہا پا کر تسلی ہوئی کواڑ کھولا وہ داخل ہوا میں نے جھٹ سے زنجیر لگادی میں تو متوحش تھا ہی اسے اپنے سے بھی زیادہ پریشان پایا وہ بیٹھتے ہی بولا کیا قیامت ہے کہ فساد رکنے میں نہیں آتا۔لوگوں پر وحشت سوار ہے مرد چھوڑ عورتوں اور بچوں پر زیادتیاں ہو رہی ہیں۔نیکوکاروں کی جلد بازی کا کیا عبرتناک انجام ہو رہا ہے جب تک کما حقہ تزکیہ نہ ہو گنا ہگار طباع کب شر انگیزی سے باز رہ سکتی ہیں؟ نیک

بندوں اور اصلاح یافتہ لوگوں کی بے تاب دعاؤں نے گنہگاروں کو قبل از وقت رہائی دلا کر اس پر امن بستی کو فتنہ وفساد میں مبتلا کر دیا ہے جو نیک بخت چھڑانے آتا ہے وہ بھی طوعاً و کرہاً مفسدوں میں شریک ہو جاتا ہے کچھ دیر پٹتا پٹاتا ہے پھر پاؤں سر پر رکھ کر بھاگتا ہوا گھر آتا ہے اور تمہاری طرح معتکف ہو جاتا ہے۔

مین نے قطع کلام کر کے پوچھا کہ فساد کی ابتدا کا باعث کیا ہے؟ جواب دیا کہ معمولی سا واقعہ قیامت بن گیا ہے لوگوں کی یک بیک رہائی سے سڑکوں پر بھیڑ بھاڑ تو آپ نے دیکھی ہوگی کچھ دن تو گنہگار بھی پابندیوں سے مخلصی پا کر ممنون تھا۔ شرانگیزیوں سے سب لوگ باز رہے مگر دنیا میں اخذ کی ہوئی عادتیں جلد ہی رنگ لائیں دو راہ گزروں کے کندھے بھڑ گئے پہلے تو تو میں میں ہوئی۔ کچھ لوگ اکٹھے ہوئے معاملہ سلجھانے کی بجائے دونوں کو اور بھڑ کایا وہ باہم دست بگریباں ہوئے پھر کیا تھا دونوں کے راہ چلتے خدا واسطے کے حمایتی آپس میں گھتم گتھا ہوئے جو چھڑانے آیا وہ بھی لڑائی میں شریک سمجھا گیا صلح جو اور جنگجو میں کوئی تمیز نہ رہی اصلاح یافتہ لوگ جو بے قابو ہجوم کو امن و آشتی کا وعظ کہنے لگے تھے وہ خود پند ونصائح کے محتاج ہو گئے دو چار دھکے کھا کر خود بھی بے قابو ہو گئے جب ہجوم کے ہاتھوں زیادہ گت بنی تو گھروں میں پناہ ڈھونڈی اب مصیبت یہ آئی ہے کہ گنہگار اصلاح یافتہ لوگوں کے مکانوں کو آگ لگا رہے ہیں اور بچاروں کو گھر سے نکال نکال کر پیٹتے ہیں۔

میں نے یہ حال سنا تو دم بخود ہو گیا پھر ذرا دم لے کر پوچھا کہ آپ حضرات مداخلت کیوں نہیں کرتے جواب ملا کہ مشیت پروردگار یہی ہے کہ ہم مداخلت نہ کریں تا کہ گنہگاروں کا امتحان ہو جائے ۔آپس میں محبت امن اور صلح سے رہنا پابندیوں سے رہائی کی ابتداء شرط تھی۔ دیکھو تو عاقبت نا اندیش انسان نے کس طرح اپنے وعدوں کو پس پشت ڈالا آج ان کو پابندیوں سے رہا ہوئے پندرھواں روز ہے اگر یہ قلیل عرصہ امن سے رہتے تو بہشت کا دروازہ سب پر کھل جاتا ہر شخص بقیہ عمر خوشی وخرمی سے گزارتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار کی قسمت میں سزا ہے گنہگار سزا بھگتے بغیر فلاح نہیں پا سکتے اگر مواقع میسر بھی آئیں تو گنہگار وہ تمام موقعے ہاتھ سے کھو دے گا۔

☆☆☆

قیامت

صاحبو! اوروں کا ذکر کیا کروں کیا جانے کیا ہونے والا ہے آفرینش سے لے کر کل تک ہمیں اس کیفیت نے کبھی نہ گھیرا جسے تم غم کہتے ہو صبح سے ہم خدا جانے کیوں غمگین ہیں اس عالم میں کوئی بڑا انقلاب آنے والا ہے یک بیک اس نے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ دیکھو کس طرح عالی شان مکان نذر آتش کیے جا رہے ہیں میں نے دیکھا کہ شعلے بلند ہو کر آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ دھواں اس دنیا پر محیط ہو رہا ہے۔ میں خوف سے آتش فشانیوں کو دیکھتا تھا۔ دل سینے میں دھڑکتا تھا ناگہاں ایک مہیب آواز بلند ہوئی گویا کروڑ کروڑ گھوڑے کی طاقت کے لاکھوں انجن بیک وقت چیخنے لگے ہیں۔ کاغذی تعزیے کے در و دیوار کی طرح جو تموج ہوا سے لرزنے لگتے ہیں تمام مکان جنبش میں آ گیا۔ فرشتہ محشر محشر کہتا باہر بھاگا میں قیامت قیامت پکارتا باہر نکلا مکانوں اور دیواروں کے سائے تک سے بچتے ہم میدان کی طرف آئے۔ ہماری طرح ہزاروں متوحش انسان کھلی جگہ سمٹے آ رہے تھے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں بدحواسی کا یہ عالم تھا۔ کہ کہتے کچھ تھے منہ سے نکلتا کچھ اور تھا۔ وہ آواز بلندی اور ہولناکی میں زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ جس سے زمین کا ذرہ ذرہ کانپا مکانات کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ اور لوگ کانوں میں انگلیاں دے کر پریشانی میں ادھر ادھر نکلنے لگے۔

بہت سے آدمی عالم اضطراب میں اذانیں دے رہے تھے کچھ بے تاب ہو کر بلند آواز میں کلمہ پڑھ رہے تھے آواز لحظہ بہ لحظہ بیش از بیش ہولناک ہو رہی تھی ساری زمین تھرتھراتی تھی۔ آبادیاں دیکھتے دیکھتے کھنڈر بن گئیں۔ وہ دنیا میدان محشر ہو گئی۔ کوئی دیوار اور درخت کہیں کھڑا نہ رہا یک بیک ہم غیر ارادی طور پر چلنے لگے گویا ہمیں نشیب کی طرف چلایا جا رہا ہے۔ مدت تک چلتے گئے ایک جگہ جا کر کے جہاں کی زمین اور خاک دنیائے عمل کی سی دکھائی دی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی میدان اور چٹیل میدان تھا آواز بدستور قیامت اٹھا رہی تھی ناگاہ دھماکوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں زمین میں جا بجا شگاف ہو گئے اس میں سے قطار در قطار انسان نکلنے شروع ہوئے وہ ہم سے زیادہ پریشان

اور بدحواس تھے۔ زمین میں سے نکل کر بہت اضطراب سے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے گویا وہ بالکل ننگے تھے مگر خوف کے باعث کسی کو سروپا کا ہوش نہ تھا۔ ان میں سے اکثر کی زبان پر ''میدان محشر''، ''صور اسرافیل'' کے الفاظ جاری تھے انسانوں کی اس بھاگ دوڑ سے خاک نے آسمان کی طرف اڑ کر ابر سا بنایا۔ دم گھٹنے لگا قریب تھا کہ سب دم گھٹ کر مر جائیں اللہ نے مشکل آسمان کی وہ ہیبت ناک آواز رکی لوگوں کو اطمینان کا سانس نصیب ہوا اب حال یہ ہے کہ جو جہاں کھڑا تھا کھڑا ہے اور کسی نئی آفت کا انتظار کر رہا ہے جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی انسانوں کے جنگل کھڑے تھے۔

......☆☆☆......

حساب وکتاب

تھوڑی دیر کے بعد آسمان سے گرجتے ہوئے بادلوں سے مشابہ آواز میں کوئی شخص عربی زبان میں بولا ھـذا یـوم الـدین یامحشر الناس عجب اعجاز تھا کہ اس عربی کو جاہل عجمی بھی صاف سمجھتے تھے جب معلوم ہوا کہ آج یوم حساب ہے تو لوگ اور حواس باختہ ہوئے ہاتھوں کی طرف نظر گئی تو جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اور اعمال اور بائیں ہاتھ خالی تھے وہ خوشی سے اچھلے جن کے دائیں ہاتھ میں کچھ نہ تھا ویالیتنی کنت ترابا (اے کاش ہم مٹی ہوتے) پکارے میں نے اپنے بائیں ہاتھ میں کتاب دیکھی تو منہ سے چیخ نکل گئی گناہ گاروں نے گریہ وفغاں سے آسمان سر پر اٹھالیا اور محشر بپا کیا۔ آسمان سے بجلی کے کڑکنے کی طرح آواز آئی کہ اے گنہگارو! آج کے دن نہ بلبلاؤ اپنے کئے کی سزا پاؤ اس کڑکے سے سب سہم گئے آواز چھوڑ سانس بھی سینے میں رک گئی۔ آنکھوں میں تاریکی کا پردہ چھایا آسمان سے ایک اور پرہیبت آواز آئی کہ خبیث اور طیب الگ ہوجائیں پیغمبر اور شہید وسط میں کھڑے ہوجائیں نیکوکار اور گنہگار یمین ویسار پر آ کر ٹھہریں میں بدقسمت بائیں والوں میں تھا ساتھیوں کے ہمراہ میں بھی اعمال بد کو یاد کر کے رو رہا تھا مگر توبہ کا دروازہ بند ہوچکا تھا رحم ورعایت کے سب موقعے جاچکے تھے اب تو مکافات عمل کی تیاریاں تھیں گریہ وزاری پر کوئی متوجہ نہ تھا اب آسمان پرنور سا چھا گیا ایک آواز جس میں موسیقی اور گداز تھا سنائی دی پیغمبروں کی زندگیاں بنی نوع انسان کی خدمت میں بسر ہوتی ہیں۔ شہداء کی موت کا مقصد بھی کم باعظمت نہیں ہوتا اس لئے ایسی بے عیب زندگی بسر کرنے والے ایسی اچھی موت قبول کرنے والے کسی محاسبے کی زحمت نہ اٹھائیں گے اور بغیر حساب کے ہماری خوشنودی کی بہشت میں جائیں گے۔

چنانچہ پیغمبر اور شہید چند قدم آگے بڑھے سجدہ شکر میں گر گئے۔ مدت کے بعد اجلے نورانی فرشتے آسمان سے اترے۔ پیغمبروں کے ہاتھوں کو بوسہ دیا عزت واحترام سے ہمراہ لے چلے جب وہ سب جاچکے تو سرخ پوش فرشتوں کا ایک گروہ زمین پر اترا۔ وہ شہیدوں کو محبت سے ملے اور بلند آواز سے پکارے "مبارک ہیں وہ جنہوں نے ملک وقوم کی عزت برقرار رکھنے کے لئے یا بنی نوع

انسان کی خدمت کے لئے جان دی اور اپنے خدا کی مانی ہمارے ہمراہ آؤ اور بہشت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ شہیدوں کی موت ہی قوموں کی زندگی برقرار رکھتی ہے۔"

فرشتے یہ کہہ کر آگے بڑھے شہیدان کے ہمراہ آئے۔ جب وہ کچھ فاصلہ پر پہنچے۔ تو بھیانک شکلوں والے ڈراؤنی آنکھوں والے سیاہ پوش اور دیو ہیکل فرشتوں کا ایک گروہ آسمان سے اترا اور انسانوں کی قطاروں کے روبرو کھڑا ہو گیا ایک خوفناک گرجتی ہوئی آواز آئی کہ وہ جنہوں نے اپنے ملکوں سے جنگ کے وقت غداری کی قومی خطرے کے وقت عیاشی یا عبادت شروع کر دی انہیں دوزخ میں لے جاؤ۔ عذاب کے فرشتے جو چپ چاپ کھڑے تھے سن کر انسانوں کی قطاروں میں گھس گئے عیاشوں غداروں اور بزدل عبادت گزاروں کو پہچان کر بغل میں دبا کر چل دیئے رہائی کی صورت نہ پا کر وہ تڑپتے تھے چلاتے تھے سب پر خوف طاری تھا زبان خشک ہو رہی تھی تاب دید نہ پا کر اکثر نے آنکھیں بند کر لیں تا آنکہ وہ نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔

اب آسمان سے ایک محبت بھری آواز آئی کہ وہ لوگ جنہوں نے امن کے دنوں میں اپنی زندگیاں لوگوں کی بھلائی کے لئے وقف رکھیں۔ یا عمر بھر شخصی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیتے رہے یا کوئی ایسی ایجاد کی یا کتاب لکھی جس سے آنے والی نسلوں کے علم اور آرام میں اضافہ ہوا ان کے شخصی گناہ جو قتل عمد کو نہ پہنچے تھے معاف کر دیئے گئے۔ انہیں حکم کیا جاتا ہے کہ وہ آگے آ جائیں چنانچہ بہت سے محبان وطن موجد اور مصنف آگے بڑھے آسمان سے فرشتے اترے انہیں ہمراہ لے گئے پھر ایک خطرناک آواز آئی کہ پاکھنڈی ہٹے کٹے اور پیر فقیر نذر اور نیاز پر جن کا گزارہ رہا جن کا وجود قوموں اور ملکوں کے لئے بوجھ تھا جو قوموں کے گلے میں پتھر تھے اور جنہوں نے کبھی ہاتھ پاؤں ہلا کر ملک کی دولت میں اضافہ نہ کیا۔ دوزخ میں ڈالے جائیں گے آسمان سے سیاہ پوش فرشتے اترے پہچان پہچان کر چیختے چلاتے ایسے پیروں اور فقیروں کو لے گئے۔ مرنج و مرنجان گوشہ نشین، عبادت گزاروں کے لئے حکم ہوا کہ وہ اعراف میں جا بیٹھیں دوزخ کی آنچ اور بہشت کی راحتیں دونوں سے محروم رہیں چنانچہ غیر ارادی طور پر ان کے پاؤں کو حرکت ہوئی۔ وہ بھی حد نگاہ سے پار ہو گئے۔ اب آسمان سے ایک اور آواز آئی جو نہ تو خوفناک تھی نہ محبت سے بھری کہی جا سکتی تھی گویا معمولی آواز تھی کوئی پکارا "اجتماعی قومی یا جماعتی اعمال کی بڑی جزا اور خوفناک سزا کے مستوجب کیفر کردار کے پہنچ چکے اب شخصی عیب و ثواب کا جائزہ لیا جائے گا۔"

سب نے دیکھا آسمان سے فرشتے فوج در فوج اترنے لگے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہو

گئے اعمالناموں کی پڑتال شروع کردی۔انسانوں نے ایسے سخت گیر سنگدل محاسب کب دیکھے تھے جنھوں نے کسی کی جان لی تھی یا سخت اذیت دی تھی ۔ یتیموں کا مال مارا تھا بیکسوں کو ستایا تھا ان کا مواخذہ تو ہونا ہی تھا۔وہ لوگ جو فضول خرچ دائم المریض یا صفائی سے لاپرواتھے۔ ماخوذ کر لئے گئے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں نیکوکار فضول خرچی خرابی صحت وصفائی سے لاپروائی کی بنا پر دوزخ کی طرف گھسیٹے گئے ۔وہ والدین جو بچوں کی تعلیم سے لاپرواتھے سخت ذلیل دیکھے گئے ۔نماز کے بارے میں ابھی پرسش ہورہی تھی کہ ٹھہرو ٹھہرو کی آواز فضا میں گونجی فرشتے جہاں کے تہاں کھڑے ہوگئے۔

آواز آئی۔''اے مجرمو! تمام پیغمبر تمہارے لئے سربسجود ہوکر رحم کے طالب ہیں لیکن انصاف مانع رعایت ہے۔پیغمبروں کے پاس خاطر سے رحم اور انصاف کے مختلف تقاضوں کو مدنظر رکھ کر یہ رعایت کی جاتی ہے۔کہ حق اللہ کو معاف کیا جائے اور حق العباد کا سختی سے جائزہ لیا جائے ۔یہ سن کر قرون اولیٰ و وسطیٰ کے لوگ خوشی سے اچھلے قرون آخر کے علماء پر مردنی چھا گئی کیونکہ وہ خدمت خلق سے عاری اور محض عبادات کے غازی تھے غرض امتیں جو حق اللہ سے غافل رہی تھیں پیغمبروں کی سفارش سے فرشتوں کی گرفت سے بچ گئیں۔حق العباد سے لاپروا انسانوں کو ملائکہ بغل میں دبا کر لے اڑے۔''

☆☆☆

جہنم

ایک فرشتہ میری بھی گردن میں ہاتھ ڈال کر فضائے آسمانی میں پرواز کرنے لگا میں بے کس چڑیا کی طرح جو پنجہ شہباز میں ہو سہا ہوا تھا۔ کبھی خوف سے آنکھیں بند کرتا تھا کبھی کھولتا تھا۔ میرے گردو پیش لاتعداد فرشتے ان گنت انسانوں کو اسی طرح دبائے لئے جا رہے تھے۔ کانوں میں پیہم یہ صدا آ رہی تھی۔ ''حقوق العباد سے غافل انسانو! اگر تم میں بہشتیوں کے اوصاف ہوتے اور جنت میں رہنے کی صلاحیت ہوتی تو دوزخ کے دردناک عذاب سے محفوظ رہتے افسوس ہے تم پر افسوس ہے اب جاؤ اپنے کئے کی سزا پاؤ۔''

تھوڑی دیر کے بعد مجھے گرمی محسوس ہوئی گویا میں تپتے ریگستان کے درمیان سے گزر رہا ہوں آخر گرمی حدت سے آنچ میں بدلنے لگی۔ میں نے جانا کہ خدا کے خوفناک عذاب کا وہ ڈراؤنا مقام ہے جسے جہنم کہتے ہیں اب قریب ہے اف بہت قریب ہے دم گھٹا جا رہا ہے۔ میں جلا جا رہا ہوں الٰہی! میں کس کرۂ نار کے قریب ہوں یہ ہولناک گرج یہ خوفناک چیخیں دردناک دھاڑیں نالہ وبکا کا شور کہاں سے اٹھ رہا ہے۔ ڈرتے ڈرتے زمین کی طرف نگاہ کی تو نار کا ایک بحر ناپیدا کنار نظر آیا آگ بھڑک رہی تھی شعلے بلند ہو رہے تھے یک بیک عین دوزخ میں مجھے پتھر کی طرح پھینک دیا گیا میں قلا بازیاں کھاتا گرا۔ شعلوں میں سے گزرا۔ آگ کی لپیٹ میں سے آیا دوزخ کے شکم میں پہنچا دنیا کی آگ میں وہ التہاب کہاں گوشت پوست چربی کی طرح پگھلا کاش احساس اذیت سے عاری ہو جاتا مگر یہ خدا کو منظور نہ تھا آتش نمرود سے ہزار گنا سوزندہ تر آگ میں سر کے بل غرق ہو جاتا تھا چیختا تھا چلاتا تھا مگر اس آتش کدے کی تہ کو نہ پاتا تھا سمندر کی سطح ہی پر بھنور معلوم ہوتے ہیں اس کے اندر بھنور تھے آگ کے اندر آگ کے مگر مچھ آگ کے اژدہا آگ کے شیر اور چیتے دکھائی دیتے تھے آگ کی اذیت کے علاوہ سخت خوف طاری تھا۔ دوزخ کی اس مخلوق کے شکم جہنم کے شکم سے زیادہ گرم تھے انسان کو تھوڑی دیر پیٹ میں رکھ کر اگل دیتے تھے۔

کبھی کبھی آگ کے محرک ستون پیدا ہوتے تھے ان کی لپیٹ میں آ کر طبیعت اور بیتاب ہوتی تھی۔ آگ کی تلواریں آتشیں کٹاریں جسم پر پڑتی تھیں بے ساختہ چیخ پر چیخ نکلتی تھی اے کاش! اگر دنیا میں اس مصیبت کا تصور کر سکتا تو لاکھ برس کے عیش کے بدلے ایک لمحہ کی سوزش قبول نہ کرتا اوپر نیچے دائیں بائیں کروڑوں تنوروں کی سوزش تھی مسلسل گونج سنائی دیتی تھی اس گونج میں اہل دوزخ کی چیخیں اور رواویلا تھا۔ میں مرنا چاہتا تھا مگر دم نہ نکلتا تھا۔

☆☆☆

اعراف

یک بیک ایک راحت زا آواز آئی کہ اے بچو! نہ گھبراؤ۔ سجدے سے سر اٹھاؤ۔ تمہاری زاری منظور ہوئی تمہارے محسنؐ کے لئے آگ ٹھنڈی کر دی گئی اس آواز کا آنا تھا کہ عذاب موقوف ہوا مجھ پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی کبھی کبھی مجھ کو محسوس ہوتا تھا کہ میں کسی فرحت زا مقام کی طرف سفر کر رہا ہوں جب آہستہ آہستہ ہوش آیا تو دیکھا کہ میں ایک آرام دہ مقام میں مقیم ہوں وہی لڑ کا لڑ کی جو دنیا میں تعلیم کے لئے میری سخاوت کے رہین منت رہے تھے میری خبر داری اور خدمت گزاری کو موجود ہیں میں نے اپنے اعضاء کو ہلایا طاقت میں اپنے آپ کو رستم واسفند یار پایا تمام جسمانی عوارض اور روحانی کمزوریاں جا چکی تھیں بیس سالہ جوان کی طرح خون میری رگوں میں دورہ کر رہا تھا میں نے موجودات پر حاکمانہ نظر ڈال کر دیکھا۔ آج مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ خالق کا میں ہی خلیفہ ہوں مجھے سب مخلوق پر شرف حاصل ہے دل سے کہا اے اشرف المخلوقات! خدمت خلق ہی میں شرف ہے خدمت ہی سے انسان مخدوم بنتا ہے زندگی کا مقصد جز بھلائی کے کچھ نہیں۔ اس جگہ پہلی دفعہ جو لب کشائی کی وہ اس سوال کے لئے تھی کہ آیا اس جگہ خدمت خلق کا کوئی موقع ہے۔ جس نے یہ سوال سنا ہنس دیا طبیعت تشنہ جواب رہی ایک سے نہیں۔ بیسیوں سے پوچھا سوائے معنی خیز ہنسی نے کوئی جواب نہ پایا آخر اپنے وظیفہ خوار بچوں سے سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ جہاں مخلوق ہے وہاں خدمت کا موقع ہے۔ اللہ اللہ دوزخ بھی کیسی رحمت ہے جو وہاں سے نکل کر آتا ہے خدمت خلق خدمت خلق کے الفاظ زبان پر لاتا ہے۔ خدمت خلق بہشتیوں کا نشان امتیازی ہے۔

میں یہ سن کر سجدے میں گر گیا تڑپ تڑپ کر دعا مانگی اور کہا اے اللہ! کوئی دم بھی میں تیری مخلوق کی خدمت سے غافل نہ رہوں۔ میرے اندر خدمت کا ایک خاص ولولہ اور دل میں ایک غیر متزلزل ارادہ تھا مجھے خود محسوس ہو رہا تھا کہ اب کوئی چیز میرے عزم کو فسخ نہیں کر سکتی اس وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آ رہی تھیں درخت سایہ دار تھے اور ہر طرف آبشاریں گر رہی تھیں لوگ خوشنما چبوتروں پر بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا بہشت ہے؟ جواب ملا نہیں اعراف۔ آپ دوزخ سے

ابھی آئے ہیں اس لئے اعراف پر جنت کا گماں گزرتا ہے ورنہ اس مقام پر تو خلد کا سایہ تک نہیں پڑتا۔ یہ جگہ ان زاہدوں کے لئے مخصوص ہے جو ہمیشہ قولی عبادت میں مصروف رہے۔ اور جنہوں نے عملی عبادت یعنی خدمت خلق کا موقع حاصل نہ کیا یا اس جگہ وہ بزدل عبادت گزار رہتے ہیں جن میں بزدلی کے باعث برائی کرنے کی ہمت نہ تھی اور انہوں نے بھلائی بھی کبھی نہ کی ان باتوں کے دوران میں مجھے دوزخ کی اذیت یاد آئی۔

"میں بے خود سا ہو کر کانپ اٹھا اور پوچھا کہ بھلا کتنی مدت عذاب دوزخ میں کٹی ہوگی جو سوال دل سے کیا گیا تھا وہ بے خودی میں دماغ پر آ گیا ممنون احسان بچوں نے بتایا کہ صرف پندرہ منٹ میں حیران ہو کر پکارا کہ سچ؟ جواب ملا کہ ہاں ٹھیک میرے لئے تکلیف لیے یہ پندرہ منٹ پندرہ برس کے برابر تھے سچ ہے مصیبت کا وقت گزرتا نہیں بلکہ ارد گرد گھومتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بچوں نے کہا کہ یہاں بلا کی گرمی ہے اعراف سے خدا بچائے اہل جنت کے لئے یہ مقام دوزخ ہے چلئے بہشت آپ کی منتظر ہے۔"

بچے آگے ہو لئے میں پیچھے پیچھے چلا کچھ دور جا کر ہم ایک خوبصورت سڑک پر جا نکلے جس کے جاں فزا سائے میں مختلف اللون گھوڑوں کے مشابہ جانور سبز گھاس کے زمردیں فرش پر ادھر ادھر دوڑتے چرتے چگتے نظر پڑے ان کی لمبی ایال ریشم سے زیادہ نرم اور چمکیلی تھی۔ جونہی انہوں نے ہمیں دیکھا بگٹٹ بھاگتے ہماری طرف آئے قریب پہنچ کر رکے۔ میرے ساتھی بچوں نے ایال پکڑی جانور گویا سدھائے ہوئے تھے خود بخود اونٹ کی طرح بیٹھ گئے۔ دونوں بچے سوار ہوئے تو کمال احتیاط سے آہستہ آہستہ اٹھے۔ میں نے بھی ایک کو ایال سے تھاما ڈرتے ڈرتے سوار ہوا۔ جس وقت وہ جانور چلے تو معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ آرام دہ اور سبک سیر سواری دنیا میں کوئی نہ دیکھی تھی اس کی خوش رفتاری سے ایک سرور آتا تھا ہوا کے خوشگوار جھونکے راہ کی سبز وادیاں پھولوں کے تختے دو رویہ پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیاں دیکھ کر ہر منزل پر بہشت کا گمان ہوتا تھا میں بار بار خوش ہو کر پوچھتا تھا کہ یہ جنت ہے جواب ملتا وہ بابرکت جگہ ذرا دور ہے۔

☆☆☆

بہشت

ہر منزل پر نیا منظر تھا ہر منظر پر طرب و نشاط کی ہزاروں ولآ ویزیاں باغ سدا بہار میوے موسم کی قید سے آزاد جگہ جگہ زعفران کے کھیت بیلوں تک کھلا ہوا موتیا گلاب کے مہکتے ہوئے تختے سبز ڈالیوں میں انگوروں کے خوشے لٹک رہے تھے ہرے بادام سبز پستے آلوچہ خوبانی ہرے درختوں میں سیندوری آم گویا ہر طرف فصل گل تھی اور ہر ایک میوے کا موسم تھا بلبل کے خوش نوائی پپیتے کی پی پی قدم قدم پر سامعہ نواز تھی ہم جا رہے تھے دوسری منزل پہلی منزل سے زیادہ دلکش تھی۔ بلوریں چشمے اور نورانی آبشاروں کی آواز میں موسیقی کے تمام سر تال موجود تھے چھوٹی چھوٹی ندیاں جن میں ٹھنڈے ٹھنڈے پانی تھا جگہ جگہ بہ رہی تھیں کوہ نور سے بڑے بڑے اور بیش قیمت پتھر نیلم کے ٹکڑے شفاف پانی کی تہ میں رنگا رنگ کی جھلک مارتے بھلے معلوم ہوتے تھے ریت کی بجائے زمرد کے ریزوں پر پانی گزر رہا تھا میں نے دریافت کیا آیا بہشت یہی ہے؟ جواب ملا ابھی کچھ دور یوں ہی چلے جائیں۔

القصہ ہم شاداب باغات اور سیراب وادیوں کی سیر کرتے۔ چاندی اگلنے والے چشموں اور سیمابی دھاروں والی آبشاروں سے لطف اندوز ہوتے آگے بڑھے۔ تھوڑی دور جا کر سر بفلک کشیدہ زمردیں دیواروں نے نظر کو روکنا شروع کیا۔ قریب جا کر بلندی پر بلوری دروازہ دکھائی دیا جو بالکل بند تھا جونہی ہم قریب پہنچے وہ وا ہوا ہم امن اور سلامتی کی دنیا میں داخل ہوئے باغ جنت تو دنیا دار کے تخیل سے ورائے ہے اس کی خوبی ضبط تحریر میں کیسے آئے درختوں کے سیاہی مائل سبز پتے آنکھوں میں عجب ٹھنڈک پیدا کرتے تھے ہر شاخ سبز پر بلبل ہزار داستان بیٹھی تھی گوہرین منقار اور زمردین پرندے چہچہا رہے تھے۔ گویا ہر درخت سے سینکڑوں باجے بندھے تھے وہاں خوشنما پھول تھے اور جاذب نظر کلیاں شگوفے پھوٹ رہے تھے۔ ہر شگوفہ بجائے خود ہزار رنگ کا پھول تھا مگر باغ فردوس کے نونہالوں کے حسن اور خوبی کا قیاس باغ دنیا کے پھول اور پھل سے نہ کرنا۔ یہاں کے خس وخاشاک پر دنیا کے ہزار باغ قربان ہوتے ہیں وہاں نہریں بہتی تھیں جن کے برفانی پانی میں بتاشے گھلے ہوئے تھے وہ برفاب سے زیادہ سرد دنیا کے دودھ سے زیادہ لذیذ ایک پیالہ پیو تمام عمر

ایک کیفیت طاری رہے۔

یہ دنیا بھی عجیب دنیا تھی پھول شاخوں سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔کہیں سبز شاخیں آب رواں پر جھک رہی تھیں ہم سب نظاروں سے لطف اندوز ہوتے جا رہے تھے ایک جگہ دیکھا تو موتی کے کناروں والی نہر میں قوس قزح کی طرح ہفت رنگ پانی بہہ رہا تھا۔گھنے درختوں کے ٹھنڈے سائے میں ہزاروں حسین مصروف ناؤ نوش تھے۔یہ حسن کی پتلیاں معصوم اداؤں سے ایک دوسرے کا دل بہلاتی بلوری گلاسوں میں رنگین پانی ایک دوسرے کو پیش کرتی تھیں ایک بی بی نے بڑھ کر مجھے بھی گلاس دیا میں نے شکریہ ادا کیا اور خوش ہو کر پیا۔گویا حلاوت میں دنیا کے تمام روح افزا شربت مات تھے تاہم بچوں نے بتایا کہ بہشت کا یہ غیر دلچسپ سا حصہ ہے اور یہاں کا پانی بھی زیادہ خوش ذائقہ نہیں...... ایسے دلکش اور فرحت زا مقام کو غیر دلچسپ کہنا کچھ اچنبا سا معلوم ہوا مگر جوں جوں آگے بڑھے معلوم ہوا وہ مقام بیشک بہشت کا غیر آباد کوچہ تھا۔

اب تو قدم قدم پر دلچسپیوں کی نئی دنیا دکھائی دیتی تھی نظارہ جگہ جگہ نظر کا دامن تھامتا تھا فوارے موتی اچھالتے تھے۔نہریں دودھ بہا رہی تھیں سبز پتوں سے لدے درخت چھتریاں تانے کھڑے تھے پھولوں سے لدی ڈالیاں جھکی ہوئی تھیں۔پھولوں سے ہوا مہک رہی تھی پاک دامن اور پری جمال عورتیں خاوندوں کے ساتھ ہر جگہ مصروف سیر تھیں صورتیں ایسی پاک اور لباس ایسے صاف کہ دنیا میں نہ دیکھے نہ سنے۔غلمان کمر پر زریں پٹکے سجائے ہاتھوں میں میووں کے تھال لئے سب کو پیش کر رہے تھے ان بچوں میں سے ایک نے مجھے دیکھا بھاگتا ہوا میری طرف آیا ہاتھ میں نقرئی مجمع تھا مجمع میں سونے کی طشتریاں تھیں اور طشتریوں میں آم کی قاشیں۔

میں نے ایک قاش اٹھا کر زبان پر رکھی ایسی خوشبودار اور اتنی لذیذ کہ دنیا کے بہترین میوے اس کے مقابلے میں بے ذائقہ معلوم ہوئے تاہم بچوں نے بتایا کہ آموں کی کوئی یہ اچھی قسم نہیں یہ جاں پذیر پھلوں تر و تازہ پھولوں نظر افروز سبزہ زاروں ستھری سڑکوں خوشنما عمارتوں اور نزہت آگیں نہروں کی دنیا ہے۔ایک میوہ دوسرے سے بہتر ایک گل دوسرے سے تازہ تر ایک وادی سے دوسری شاداب ہر حصہ نہروں سے سیراب ہے اب آبادی قریب ہے دیکھو کس شان کی عمارتیں ہیں کیسی ستھری سڑکیں ہیں کیسی عمدہ نہریں ہیں کیا اچھے باغات ہیں تھوڑی دور درختوں کے جھنڈ میں سے ہو کر گزرے گھنے درختوں اور سیاہی مائل سبز پتوں سے صبح شام معلوم ہوتی تھی۔

جونہی اس جھنڈ سے نکلے کوثر سے دھلی ہوئی سنگ سفید کی عمارتیں دیدہ افروز ہیں۔ہر مکان

تاج محل سے کہیں زیادہ خوبصورت اور ہر صحن میں چمن اور ہر چمن میں فوارہ عقب میں بڑے پاٹ کا دریا تھا جس کی چھاتی کو چھوٹی چھوٹی کشتیاں چیرتی ہوئی جا رہی تھی ہزاروں خوبصورت جوان عورتیں رنگ رنگ لباس پہنے اپنے نوجوان خاوندوں کے ساتھ مصروف سیر دریا تھیں۔ کبھی کوئی مترنم آواز میں گاتا تھا تو ایک کیفیت چھا جاتی تھی دریا کے دوسرے کنارے اونچے نیچے پہاڑ سبز جھاڑیوں خوبصورت پھول سفید پانی میں سنہری کرنیں بہار پیدا کر رہی تھیں۔ اس دنیا میں تمام شر و شور سے محفوظ یہاں نہ مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ نہ بیماری اور تکلیف کے قصے۔ یہاں کی صبح راحت زا یہاں کی شام فرحت افزاء یہاں کی ہوا میں برکت یہاں کے پانی میں امرت زندگی مطمئن اور آسودہ۔

دو رویہ سڑکوں پر میوہ دار درخت تھے سیب اور ناشپاتی کے اشجار میں ایک خوبصورت آم کا درخت تھا رس بھرے آم لٹکتے دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا دل میں خیال گزرا تھا کہ شاخیں خود بخود جھک گئیں میں نے چند آم اتارے پھر شاخیں خود بخود اونچی ہو گئیں آم کے رس میں مشک ختن کی آمیزش تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مدتوں برفاب میں پڑا ہے میں کھاتا اور تعریف کرتا جاتا تھا سامنے سبزہ زار میں خوبصورت ہرن چوکڑیاں بھرتے دل کو بہت بھائے چاہا کہ قریب جا کر پیار کروں ادھر یہ خیال گزرا ادھر سبزہ زار کے وہ غزال محبوب بھاگتے ہوئے میرے پاس آ گئے میں نے کسی کو چوما کسی کو پیار کیا دل مسرور ہوا تھوڑی دیر اسی طرح خوش وقت ہو کر آگے بڑھے اب دلفریب عمارتوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ دودھ سے زیادہ سفید کوثر کے پانی سے پاکیزہ تر سنگ مرمر کے مکانات دیکھے سنگ سفید کی اس عمارت کے محرابی دروازوں سے سنہری جھالریں لٹکتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے کسی پری جمال کے کانوں میں خوبصورت آویزے ہر عمارت میں کشادہ صحن تھا اور ہر صحن میں چمن۔ اس کے عقب میں دریا تھا دریا سے یہ گلزار سیراب ہوتا تھا چھوٹی چھوٹی نہریں اور آبشاریں جاری تھیں ہر مکان اور اس کے متعلقہ گلزار میں دنیا کی تمام آرائشیں اور آسائشیں موجود تھیں غرض ہر عمارت بجائے خود ایک چھوٹی سی جنت تھی۔ وہاں اشجار و اثمار کی بہتات پانی کی افراط ہر طرف گلزار و سبزہ زار یہی تو وہ چیزیں ہیں جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے دل و دماغ میں سرور پیدا ہوتا ہے۔

نظارہ جگہ جگہ نظر کا دامن پکڑتا مگر جنت کی فرحت زا ہوائیں آگے بڑھنے کا تقاضا کرتی تھیں چلتے چلتے ایک جگہ دیکھا کہ خلقت کا اچھا خاصا جمگھٹا ہے زن و مرد سب کے سب خوشنما لباس میں

ملبوس تھے ہاتھوں میں تازہ پھولوں کے ہار لئے کسی کے انتظار میں چشم براہ ہیں میں نے چاہا کہ اس ہنگامے سے بچ کر گزر جاؤں مگر ہمراہی بچوں نے راستہ روکا کہ یہاں آپ کے ہمسائے ہیں۔آپ کے استقبال کو آئے ہیں میں قریب جا کر پیدل چلنے لگا مرد گلے ملے عورتوں نے اس کثرت سے ہار پہنائے کہ گردن جھک گئی۔لوگوں نے مجھے اور ہمراہی بچوں کو آگے کر دیا اور خود پیچھے پیچھے چلے راستے میں عطر بیز یاں اور گلریزیاں جاری رہیں تا آنکہ ہم ایک عمارت کے سامنے پہنچے جہاں سبز پتوں کی خوشنما محرابوں پر پھول کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔تر و تازہ میوے شاخوں سے لٹک رہے تھے۔جا بجا کتبے آویزاں تھے جونہی ہم غربی دروازہ سے داخل ہوئے پاکیزہ لباس اور خوبصورت لڑکیوں نے جو پہلے ہی ہاتھوں میں ساز لئے دورویہ کھڑی تھیں۔اے آمدنت باعث آبادی کا ترانہ شروع کیا۔لذیذ کھانے اور شیریں میوے میزوں پر چنے ہوئے تھے تھوڑی دیر بیٹھے اور پھر کھانا تناول کیا میوے کھائے اختتام طعام پر ایک صاحب بولے بھائی یہ تمہاری آرام گاہ ہے دنیا میں تم نے ان بچوں پر احسان کیا تھا۔یہ اس کا بدلہ دیں گے ہر حال میں تمہاری خوشیوں کو دوبالا کریں گے۔اس جگہ رنج و غم اپنا تاریک سایہ نہیں ڈال سکتے۔مسرت ابدی اور سرو سرمدی ہمیشہ جلوہ فرما ہیں موت اور مصیبت کا کسی کو وہم نہیں گزرتا یہاں کلیاں چٹک کر پھول تو بن جاتی ہیں مگر پھول مرجھا کر خاک نہیں ہوتے دنیا میں جو لوگ پیر کہن سال ہو کر مرتے تھے۔وہ یہاں جوان ہو جاتے ہیں اور پیر فرتوت تک جوانی کی ردا پہن لیتے ہیں۔غرض یہاں انسان پر ہمیشہ جوانی اور باغوں میں سدا بہار رہتی ہے۔

☆☆☆

بہشت بریں

میں نے سب کی عزت افزائی کی اور تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا وہ اجازت لے کر خوشی خوشی رخصت ہوئے جب شاہانہ سج دھج کی عمارت اور امیرانہ ٹھاٹھ کا سامان گلزار سبزہ زار ثمر شیریں سے جھکے ہوئے اشجار کو دیکھا تو میں نہال ہو گیا اس عالم کا کیا کہوں۔ یہاں کا ہر ذرہ حسن کی دنیا ہر حباب خوبصورتی کا چشمہ ہر پتہ خوبی میں کامل ہے۔ اس سلامتی کے گھر میں آ کر میں نے سجدہ شکر کیا۔ رات ہوئی تو یہ مکان بقعہ نور بن گیا در و دیوار سے نور برسنے لگا باہر نکل کر دیکھا ہر خار سے خوشنما سرخ کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ ہر کلی ایک چھوٹے قمقمے کی طرح روشن ہے جگنو کی طرح روشن جسم والے چھوٹے چھوٹے پرندے فضا میں منور گیندوں کی طرح اڑتے تھے ان کا نورانی عکس آب رواں میں پڑتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سنہری بندوالی مخلوق پانی میں نہا رہی تھی۔ میں ایک عرصہ اس منظر سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر میں مسہری پر پڑ کر سو گیا۔ نیند کیا تھی لطف زندگی اور تجدید جوانی تھی صبح ہوئی اٹھا تو خود بخود اچھلنے کودنے بھاگنے دوڑنے کو دل چاہا حیات تازہ رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھی میں ٹہلتا ٹہلتا احاطے کے باہر نکل گیا لطیف اور عطر بیز ہوا نے طبیعت میں ایسا سرور وانبساط پیدا کیا کہ سبزہ زار میں دوڑنے لگا نرم فرش گیاہ لطافتوں سے بھری ہوئی ہوا کیا کہوں کیا لطف اٹھایا۔ دنیا کی سیر صبح کی ہزار بہاریں قدم قدم پر قربان تھیں تھوڑی دیر پیادہ پا گیا پھر سواری کا خیال آیا اسی سبزہ زار میں جگہ جگہ براق پھرتے تھے میں ایک پر سوار ہوا وہ کبھی گھوڑے کی طرح سرپٹ کبھی ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا دوڑا میں ہوا سے باتیں کرنے لگا دنیا میرے گرد گھومتی نظر آتی تھی مگر یہ عالم تھا کہ سر ذرا نہ چکرایا۔ اور نہ کوئی اور تکلیف ہوئی اتنے میں سامنے سے ایک سد سکندری نمودار ہوئی۔ براق ایک کھلے پھاٹک کے سامنے ٹھہرا۔ اس پر خوش نما حروف میں وادی مقدس لکھا ہوا تھا میں

نے براق کو بڑھانا چاہا اس نے خلاف توقع اندر داخل ہونے سے گریز کیا میں ناچار اترا اور پیادہ پا اس خطہ پاک میں داخل ہوا سبز پوش پہاڑ ہر طرف جاذب نظر تھے کہیں پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیاں کہیں بھینی بھینی نکہتیں کہیں خوشبو کی تیز لپیٹیں باغوں کی زمین پھولوں سے پٹی پڑی تھی ہر طرف خوشنما درختوں کی قطار جدھر نظر دوڑاؤ لالہ زار متوالی ہواؤں میں ہریاول مست ہو کر جھومتی تھی پتے تالیاں بجاتے تھے موج رواں سے ساز کی آواز پیدا ہوئی تھی۔ خوبصورت پرندوں کے طرب زا چہچہے فضا میں ایک کیف پیدا کرتے تھے دل نے چاہا کہ عمر بھر یہیں قیام کروں۔ ایک راہ گیر سے جو پھاٹک کی طرف آ رہا تھا سوال کیا کہ صاحب یہ کون سا مقام ہے اس بستی کا کیا نام ہے اس نے کمال محبت سے کہا تم پر سلامتی ہو وادی مقدس ہے ان محبان وطن کے لیے مخصوص ہے جن کی مساعی جمیلہ قوموں اور ملکوں کے ذہنی اور مادی انقلاب کا باعث ہوئیں جنھوں نے اپنی عمریں تمدنی اور ملکی اصلاح میں صرف کر دیں تم آگے بڑھو اور دیکھو کہ اب وہ کس طرح نور کے تاج سر پر پہنے اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں اے عزیز بھائی! میں بھی تمہاری طرح اس جگہ سیر کو آیا تھا اب لوٹا جاتا ہوں۔

میں جوں جوں آگے بڑھا مناظر کی دلکشی میں اضافہ ہوتا گیا خالص چاندی کی عمارتوں پر سونے کے عکس نظر آئے ہر عمارت کے متعلق ایک باغ ہر باغ میں صد ہزار بہار اس رنگ و بو کی دنیا میں ہر طرف مسرت مسکراتی تھی انسانی تخئیل ایسے خطۂ زمین کی تخلیق سے عاجز ہے فطرت آزاد کے ایسے مناظر اور کسی دنیا میں ہو سکتے ہیں؟ میں وہاں کے باشندوں کا جمال بے مثال دیکھ کر محو حیرت ہو گیا۔ خوش خصال اور شیریں مقال سینے کنول سے زیادہ پاک دل مخلوق کی محبت سے معمور سب کے سر پر کلاہ پر نور۔ اس جگہ جس سے ملا محظوظ ہوا ان فرشتہ خصال لوگوں سے مل کر اور اس وسیع و بسیط آبادی کی پر سکون بہار آفریں وادی کو سرسری نظر سے دیکھ کر میں واپس آیا اور ایک براق پر سوار ہو کر گھر پہنچا۔

دوسرے روز بھی صبح بہاریں اڑاتی اور مسرت بانٹتی آئی آج میں سمت مغرب کی طرف سیر کو نکلا حسب معمول براق پر سوار ہوا۔ منٹوں میں میلوں کی مسافت طے کی اور "غازی آباد" میں داخل

ہوا۔ جہاں غازی عشرت زیست کے مزے لیتے تھے۔ یہ مقام عالی ان کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے عمر ملی وملکی خدمت میں گزاری جو بزم طرب کو چھوڑ کر رزم پیہم میں مصروف رہے۔ جن کی بلند ہمتوں نے خار راہ کو پھول تصور کیا ملک وملت کو موت اور غلامی کے منہ سے نکالا اور شکست کو فتح سے بدل دیا باغ خیال کے جتنے مناظر اس وقت تک پیش نظر رہے۔ یہاں کی سبزی ان سے بدر جہا بہتر پائی اس سرزمین پاک کی لطافت لفظوں میں نہیں سماتی رواں پانی میں وہ ترنم تھا۔ کہ موسیقی کے جانفزا نغمے مات تھے باغ کے گل حسن ورنگ کے بہترین نمونے تھے۔ سبز ڈالیوں نے پھولوں کے نیلے پیلے گہنے پہن رکھے تھے۔ ان پھولوں کی کٹوریوں میں نورانی شبنم کی شراب جھلک رہی تھی لالہ وسمن میں وہ نزہتیں تھیں کہ آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ بلبل رنگین نوا کے ترانے محبت کے دلکش راگ سے زیادہ میٹھے تھے ہوائیں عطر میں ڈوب کر آتیں اور کیف برساتی تھیں۔ یہاں سونے کی عمارتوں پر لعل وجواہر کے گنبد ایک شان پیدا کر رہے تھے۔ فرشتوں سے پاک صورت لوگ ہر طرف خوش وقت ہو رہے تھے جو ہاتھ کو قبضہ شمشیر پر رکھتے تھے تو اس سے نورانی شعاعیں نکلتی تھیں جن کو دیکھ کر دل میں انبساط کی لہر دوڑتی تھی ان عالی مرتبت حضرات میں سے ایک نے دریافت کیا کہ اے صاحب! کیا یہ سرزمین خدا کے انعامات میں سے بہترین انعام نہیں؟ آیا کوئی اور خطہ خوبصورتی میں اس کے برابر ہے اس نے کہا کہ تم نے عشق زار یا شہداء کی بستی نہیں دیکھی جہاں ہزاروں قسم کے نگہت بداماں اور ماہ در آغوش چشمے مناظر قدرت کو چار چاند لگاتے ہیں۔ جہاں زریں اور رنگیں منقار بلبلیں ہار سنگار کئے خوبصورت ٹہنیوں پر بیٹھی زمزمہ سرائی کرتی ہیں اس جہان رنگ وبو کے ہر برگ وگیاہ میں ایسی رعنائی وزیبائی ہے جس پر لاکھ ایسی دنیائیں قربان ہیں پیارے بھائی! وہ ان لوگوں کی بستی ہے جنہوں نے اس خاکی دنیا میں اپنے عزیزوں ہمسایوں اور ہم وطنوں کے لئے اپنا عیش وآرام اپنا زر ومال اور جان تک نثار کر دی اور شہداء کہلائے یہاں اشجار مستوں کی طرح جھومتے ہیں اور سبز بیلیں خوبصورت درختوں پر لٹک کر پر کیف نظارہ پیش کرتی ہیں۔ اس زمین کے آسمان پر قوس قزح ہر وقت دل کو محظوظ کرتی ہے اس کا فرش کثافتوں سے ایسا پاک ہے کہ رات کو

چاند اور تارے زمین پر جھلملاتے ہیں وہاں برفانی چوٹیاں صبح کو چاندی کا انبار نظر آتی ہیں غروب آفتاب کے وقت سونے کے پہاڑ دکھائی دیتے ہیں۔

وہاں قدرت کا حسن خودنمائی کے لئے بیتاب ہے موج نکہت پر نور کے ہلکورے مسرت کی لہریں پیدا کرتے ہیں مبتسم شگوفے آسمان کے ستاروں سے زیادہ جمیل نظر آتے ہیں وہاں کی عمارتوں پر زرو جواہر نقش ونگار دلہن کے زرفشاں چہرے کی طرح دل پسند ہیں ان محلات کے سامنے تخت طاؤس سے ہزار درجہ افضل سونے اور موتیوں کے تخت پر لوگ نورانی ہتھیاروں سے سجے پیکر انوار بنے بیٹھے ہیں ۔اور خداوندکریم کے انعامات بے کراں پر اطمینان کی نظر ڈالتے ہیں۔ اور مسرور ہوتے ہیں سورج کی زریں کرنیں گھنی سبز شاخوں سے چھن کر ان کی پابوسی کرتی ہیں سامنے آب رواں پر ضیائے مرتعش کے بیقرار نقوش دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں ان کے مردانہ حسن اور سپاہیانہ خط وخال کو دیکھ کر ہر شخص کہہ اٹھتا ہے کہ یہ لوگ جنت کے شہزادے ہیں ان کے درجے سب سے بلند ہیں میں بے تاب ہو کر پکارا کہ میں اس جلوہ ریز دنیا اور وہاں کے خوش بخت باشندوں کو ضرور دیکھوں گا۔وہ مرد عالی مقام بولا کہ تم براق پر چڑھ کر مشرق کی سمت جاؤ۔ پہلے وادی محبت کو طے کرو پھر وہ روشن اور درخشندہ دنیا صاف نظر آنے لگے گی چنانچہ براق پر سوار ہو کر مشرق کا رخ کیا وہ متکلم ازرہ عنایت رہنمائی کرنے کے لئے دوسرے براق پر ساتھ ہو لیا کچھ دیر چل کر وادی محبت آ گئی جہاں ہری ہری دوب کا زمردیں فرش بچھا ہوا تھا۔دامن کوہ میں خاموش ندی آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی پہاڑ سبز دوشالا اوڑھے کھڑے تھے۔درختوں کی چوٹیوں پر کچھ کچھ پالا جما ہوا تھا مجھے محسوس ہوا کہ فردوس جس کے مقابلے میں یہ عالم بہت بے کیف ہے۔اس سے اس کا مقابلہ کیا ہے خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت میری طبیعت اکتا گئی جوں جوں نظر دوڑائی خیال گزرا کہ یہ جگہ میری دیکھی بھالی ہے سوچتا ہوں تو حافظہ ساتھ نہیں دیتا حافظے پر زور دیا مگر یاد نہ کرسکا آخر لوچ کر بولا کہ یہ جگہ پہلے دیکھی ہوئی ہے۔اس نے کہا ہاں سب نے دیکھی ہے۔روز آفرینش سے انسانی پیدائش تک روحیں حسین عورتیں بن کر اس جگہ رہی تھیں ۔اور ارواح جسم کی تاریکی کو دیکھ کر گھبراتی تھیں تا آنکہ

سازِ جسم سے محبت کا ایک شیریں نغمہ پیدا ہوا۔ روح جسم کے کیف اور نغمے کو سن کر وصال کے لئے بیتاب ہو گئی تمنائے وصال کی تکمیل کا نتیجہ دنیا میں ہمارا ہبوط ہے میں نے کہا "دوست! تم مجھے گلستان سے نکال کر خارستان میں لے آئے۔" اس نے کہا "عزیز! وادی محبت سے کوئی خطہ خوش تر نہیں اسی مقام کا دوسرا نام بہشت بریں ہے اس وادی کا سفر کر کے اس جگہ جا سکتے ہیں جہاں وہ لوگ مقیم ہیں جنہوں نے مخلوق خدا کی خدمت کرنے میں جان عزیز تک قربان کی جہاں خدا اپنے بندوں کے لیے سلامتی کے پیہم پیغام بھیجتا ہے۔ عشق زار وادی محبت کا آخری حصہ ہے وادی محبت کی مسافت کو طے کیے بغیر اس حسین دنیا اور ان جنت کے شہزادوں کا دیدار ممکن نہیں۔"

میں نے غور کی نظر سے گرد و پیش کو دیکھا۔ معلوم ہوا کہ میں تو شوالک کی محبوب و مانوس چوٹی پر آنکلا ہوں جہاں رفیقہ حیات کے عشق جاں افزاء کا پہلا خوشگوار تجربہ ہوا تھا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ محبت کا بھولا سبق یاد آ گیا دل میں میٹھا میٹھا سا درد اٹھا۔ میں نے ہلکی سی انگڑائی لی تصور نے آنکھوں کے سامنے وہ پہلا عشق انگیز منظر کھینچ دیا جب میں نے اس حور کو سامنے والی چٹان پر نغمہ سرا دیکھا تھا پھر وہ غم انگیز منظر بھی سامنے آیا جب وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی غرض اس کے تصور نے میرا زاویہ نگاہ بدل دیا۔ اب وہاں کی ہر چیز حسین تھی اس کے جنت نگاہ جلوے آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ اس کے فردوس گوش نغمے مدتوں کے بعد بھی کانوں میں گونج رہے تھے یہاں کی مشت خاک بہشت سے لاکھ درجہ بہتر تھی جنت کے نظر افروز مناظر کا تصور بھی مجھے بھیانک معلوم ہوتا تھا وادی محبت کا ہر خار ایک شگفتہ گلزار نظر آتا تھا جنت میں ہوائیں کتنی ہی عطر بیز کیوں نہ ہوں یہاں کی عشق انگیز اور کیف آور فضاؤں کا مقابلہ کہاں محبت کا حسین تصور اور اس کی محبت کی پیاری یاد ایک ایسی گراں مایہ نعمت ہے جس کو کسی بہشت کے بدلے بیچا نہیں جا سکتا۔ ہواؤں میں اس کے سانس کی آواز اور فضاؤں میں اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی تھی کبھی وہ اس عربی چٹان میں سے جھانکتی اور پھر پیچھے ہٹ جاتی تھی عشق کی شیریں یاد نے مجھے ایک نورانی دنیا میں لا ڈالا تھا میں چاہتا تھا کہ خیالی تجلیات اور دلربا نظاروں سے خاموش فضا میں بیٹھا مسرور ہوتا رہوں مگر میرے ہمراہی کو اصرار تھا کہ

میں آگے چلوں وہ بار بار کہتا تھا کہ محبت کی وادیوں میں جو اپنے آپ کو کھو دیتا ہے وہ خام رہتا ہے جو آگے بڑھ کر عشق زار میں داخل ہو جاتا ہے وہ مقاصد زندگی کو پا لیتا ہے۔ اے عزیز! شہادت کی موت جس طرح محبت کی زندگی کی تکمیل ہے اسی طرح وادی محبت کا اختتام عشق زار پر ہوتا ہے میں تمہیں اور طرف لے چلتا مگر کیا کروں عشق زار کو جانے کے لئے وادی محبت میں سے گزرنا پڑتا ہے بعض تیری طرح وادی محبت میں رک کر رہ جاتے ہیں کچھ ہمت کر کے عشق زار میں جا پہنچتے ہیں یہ وہ ہیں جن کی زندگی ابنائے وطن اور برادران ملت کے کام آئی۔ جنہوں نے مخلوق کی محبت میں موت کی زندگی سے زیادہ خوشگوار سمجھا معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں تو نے بوالہوی شعار کی اب پھر عشق مجازی میں کھویا گیا ہے۔ حالانکہ عشق حقیقی کی منزل یعنی شہیدوں کی بستی کچھ دور نہیں کاش تو وہاں پہنچ سکتا ۔ خلاق اکبر نے اس سے زیادہ آرام دہ اور خوبصورت جنت کوئی نہیں بنائی کیونکہ وہ لوگ جو خدا کی راہ میں خلق خدا کی خاطر اپنا تن قربان کر دیتے ہیں وہ خدا کی نگاہ میں بے حد عزیز ہیں۔

اس شخص نے مجھے عشق مجازی کے کیف آور تصور سے بیدار کرنے کی کوشش کی میرا شانہ پکڑ کر ہلایا۔ اور میں بیدار ہو گیا۔ رفیقہ حیات کے حسین تصور سے نہیں بلکہ اس خواب گراں سے جو گورکھپور جیل میں میری نگاہوں نے دیکھا تھا دیوار زنداں کے قیدی پہرہ دار نے ''سب اچھا ہے حضور!'' پکارا میں کلمہ پڑھ کر آنکھیں ملتا اٹھا۔ صبح ہو چکی تھی عارض فلک پر سرخی چھا رہی تھی فضا میں خاموشی تھی طلوع آفتاب کی تیاریاں تھیں پرندے آزاد فضاؤں میں اڑنا شروع ہو گئے تھے۔ خاموش فضا میں ان کی آواز سے نغمے برسنے لگے ہوا کے جاں نواز جھونکوں سے گدگدی محسوس ہوتی تھی جیل کے قریب گاؤں کی ایک مسجد سے مؤذن اللہ اکبر پکارا۔ تمام فضا اس حی وقیوم کے جلال و جبروت سے بھر گئی میں بھی دل میں لفظ لفظ دہراتا رہا آخر اس نے الصلوۃ خیر من النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) کہہ کر سوتوں کو جگایا میری روح غفلتوں سے بیدار ہو گئی۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی دل میں موج سرور اور مئے نور جاری ہو گئی میں نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ ''اے خدا! میری توبہ قبول کر اے خدا! مجھے نماز میں استقامت اور مخلوق کی خدمت کی توفیق دے تاکہ اہل عالم کے

امن اور ترقی کا باعث بنوں اور ایسا پاک جذبہ اور ایسا زریں موقع نصیب کر کہ ملت کے مفاد پر جان نثار کر کے دنیا سے سرخرو ہو جاؤں۔ آمین ثم آمین!"

☆☆☆